دیوان

سلام و کلامِ انیس



تحقیق، تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

خدائے سخن میر ببر علی انیس

دیوان

سلام و کلامِ انیسؔ

maablib.org



خدائے سخن میر ببر علی انیس

دیوان

سلام و کلامِ انیس

خدائے سخن میر ببر علی انیس

تحقیق، تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

maablib.org

بک کارنر

جہلم، پاکستان

Divan Salam-o-Kalam-e-Anees
By Mir Babar Ali Anees
Compiled by Dr. Syed Taqi Abedi
Jhelum: Book Corner. 2019
568p.
1. Poetry - Islam
ISBN: 978-969-662-202-4

© جملہ حقوق محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ناشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کسی بھی وضع یا جلد میں نقل یا جزوی، منتخب یا مکرر اشاعت یا بصورت فوٹو کاپی، ریکارڈنگ، الیکٹرانک، مکینیکل یا ویب سائٹ اَپ لوڈنگ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

ناشر: گگن شاہد • امر شاہد

اشاعت: ستمبر ۲۰۱۹ء

نام کتاب: دیوانِ سلام وکلامِ انیسؔ

کلام: خدائے سخن میر ببر علی انیسؔ

تصنیف و تالیف: ڈاکٹر سید تقی عابدی

سرورق: ابو امامہ

مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

بک کارنر

شوروم: اقبال لائبریری روڈ، بک سٹریٹ، جہلم (پاکستان)
Ph: +92 (544) 614977, 621953 Email: info@bookcorner.com.pk
WhatsApp # 0314-4440882 Facebook: book corner showroom

WWW.BOOKCORNER.COM.PK



رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی۔ انڈیا
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)۔۔ ایم ایس (برطانیہ)
	:	ایف سی اے پی (امریکہ)۔۔ ایف آر سی پی (کنیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)
		دو بیٹے (رضا و مرتضیٰ)

تصانیف : 61 شہید، 1982 جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاءؔ، رموز شاعری، اظہار حق، مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلام دبیر، تجزیہ یادگار انیسؔ، ابواب المصائب، ذکر دُرباران، عروسِ سخن، مصحف فارسی دبیر، مثنویات دبیر، کائنات نجمؔ، روپ کنور کماری، دُربار رسالت ﷺ، فکر مطمئنہ، خوشۂ انجم، دُردریائے نجف، تاثیر ماتم، تجمی مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، حوا انجم، تعشقؔ لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوان نعت ومنقبت، چوں مرگ آید، رباعیات دبیرؔ، سبد سخن، دیوان غالبؔ فارسی، فیضؔ فہمی، مطالعہ دبیرؔ کی روایت، اُردو کی دو شاہکار نظمیں، رباعیات رشیدؔ لکھنوی، رباعیات انیسؔ، فیضؔ شناسی، حالیؔ فہمی، مسدس حالیؔ، کلیات حالیؔ، بچوں کے حالیؔ، رباعیات حالیؔ، حالیؔ کی نعتیہ شاعری، حالیؔ کی نظمیں، قطعات حالیؔ، حالیؔ کے قصیدے اور حالیؔ کے شخصی مرثیے، کلام وسلام انیسؔ، کلیات سعید شہیدیؔ، امجدؔ فہمی، گلزارؔ کی تخلیقی صنف "تروینی"۔

زیرِ تالیف : تجزیہ شکوہ جواب شکوہ، فانیؔ لافانیؔ، تجزیہ رباعیات فراقؔ گورکھپوری، اقبالؔ کے چار مصرعے، رباعیات بیدلؔ، باقیاتِ فیضؔ۔

Dr. Syed Taqi Abedi
1110, Secretariate Rd. New Market, ON
L3X 1M4 Canada
E-mail: taqiabedi@rogers.com
Dr. Syed Taqi Abedi

فہرست



مقبرہ خدائے سخن میر ببر علی انیس (لکھنؤ)

maablib.org

حیات، فن اور شخصیتِ میر انیسؔ

تعارف اور خاندان:

اُردو شعر و ادب کے بعض تذکروں میں خدائے سخن کا عنوان دو عظیم شاعروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ میر تقی میرؔ اور میر انیسؔ۔ میر تقی میرؔ نے اپنے جذبات کے اظہار کے لئے غزل کو منتخب کیا اور میر انیسؔ نے مرثیہ کا انتخاب کیا۔ جرمن کے مشہور شاعر گوئٹے نے کہا تھا: ''ادب میں کوئی صنف اس وقت تک عظیم نہیں بن سکتی جب تک کہ اُس کا موضوع عظیم نہ ہو۔'' میر انیسؔ نے جس صنفِ شاعری مرثیہ کا انتخاب کیا اُس کا موضوع عظیم ترین موضوع یعنی شہادت امام حسینؑ تھا۔

فردوسی کہتا ہے:

منم ساختم رستم داستان وگرنہ یلے بود در سیستان

یعنی شاہنامہ میں، میں نے اپنے موئے قلم سے رستم کو رستم بنایا ورنہ وہ تو سیستان کے علاقہ کا ایک نیم وحشی شخص تھا۔ اس کے برخلاف میر انیس کو جن برگزیدہ ہستیوں کے واقعات، جذبات، نفسیات اور ان کی سیرت نگاری، کردار نگاری، رزم بزم اور سراپا کی مرقع کشی کرنی پڑی وہ داستان سازی نہ تھی بلکہ بڑی مشکل اور دشوار راہ تھی۔ میر انیسؔ نے اپنی عاجز بیانی اور مجبوری کا اظہار یوں کیا ہے:

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہ شاہاں　　حسانؔ و فرزدقؔ ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وایلؔ و سحبانؔ　　قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں

کیا مدح کفِ خاک سے ہو نور خدا کی
لکنت یہاں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

میر انیسؔ کا خاندان شاعری مدحت محمدؐ و آل محمدؐ سے سرشار تھا۔ چنانچہ فخریہ انداز میں فرماتے ہیں:

عمر گزری ہے اِسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

میر انیسؔ کے پوتے دولہا صاحب عروجؔ فرماتے ہیں۔

سیر اک جام سے میں ہوں یہ مرا طور نہیں
سات پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں

میر انیسؔ خاندانی شاعر تھے۔ خاندان میر انیسؔ کے سوا دنیا میں کوئی دوسرا ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس میں پے در پے، نسل در نسل آٹھ ممتاز و معروف شاعر پیدا ہوئے ہوں۔ اس خاندان نے تقریباً تین صدیوں میں پہلے فارسی اور پھر اُردو زبان کی ایسی خدمت کی کہ اس خاندان کی زبان مستند، لب ولہجہ معتبر اور اس کا مقام شعر و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ اسی لئے مشہور شاعر شیخ ناسخؔ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے۔ ”بھئی زبان سیکھنی ہو تو میر خلیقؔ کے ہاں جایا کرو۔“ میر انیسؔ بعض اوقات مرثیہ پڑھتے ہوئے فرماتے۔ ”صاحبو! یہ میرے خاندان کا لب ولہجہ ہے اہلِ لکھنؤ اس طرح نہیں کہتے۔“ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ع: تھا کہ یہ خلیقؔ کی ہے سر بسر زباں

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے　　اجداد باوقار سے میراث پائی ہے

میر انیسؔ کے جدِ اعلیٰ میر امامی موسوی ہروی حضرت امام موسیٰ رضا کی نسل سے تھے۔ وہ ہرات کے شرفا میں بڑی عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ شاہ جہاں کے عہد سلطنت میں ایران سے آئے اور اپنے علم و فضل کی بدولت سہ ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ میر امامی موسوی جید عالم تھے، فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ وہ طبیعت کی موزونی سے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی مثنوی ''باغ مراد'' مشہور ہے لیکن ان کا تقریباً سارا کلام ضائع ہوگیا۔ میر امامی کے فرزند میر عزیز اللہ اور پوتے میر ہدایت اللہ کی شاعری کے بارے میں تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں۔ میر ہدایت اللہ کے بیٹے میر غلام حسین ضاحکؔ فارسی اور اردو کے مشہور اور معروف شاعر گزرے ہیں۔ دہلی کے مستقل قیام سے اس خاندان کی زبان دو نسلوں بعد دہلی کی فصیح اور شستہ اردو ہوگئی۔ میر ضاحکؔ، میر تقی میرؔ اور مرزا سوداؔ کے ہم عصر صاحب دیوان شاعر اور مزاح نگار تھے۔ میر ضاحکؔ اور مرزا سوداؔ کی باہمی چشمک کا ذکر تقریباً ہر تذکرے میں موجود ہے۔ میر ضاحکؔ کی تاریخ پیدائش اور وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا، مگر ڈاکٹر وحید قریشی کی جدید تحقیقات کی روشنی میں ضاحکؔ کی پیدائش کا سال ۱۱۳۰ھ کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبدالودود نے علی گڑھ میگزین طنز و ظرافت شمارہ ۱۹۵۳ء میں ضاحکؔ کا انتقال ۱۱۹۶ اور ۱۱۹۸ھ کے درمیان بتایا ہے۔ جبکہ میر ضاحکؔ کے دیوان کے قلمی نسخہ پر ۱۱۹۹ ہجری تاریخ ثبت ہے۔ اس دیوان میں ہزلیں، غزلیں، رباعیات، سلام، نوحے اور مرثیے شامل ہیں۔

میر ضاحکؔ کے بیٹے اور میر انیسؔ کے دادا میر غلام حسنؔ دہلوی نے شعر و ادب میں باپ سے زیادہ نام پیدا کیا۔ میر حسنؔ کی پیدائش ۱۱۵۴ ہجری میں ہوئی ان کا سال وفات مصحفیؔ کے کہے ہوئے مصرع ''شاعر شیریں زباں تاریخ یافت'' کے ٹکڑے ''شاعر شیریں زباں'' سے ۱۲۰۱ ہجری نکلتا ہے۔ میر حسنؔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ بقول نقش علی مولف تذکرۂ

"باغی معانی" ۱۱۴۷ھ میں والد کے ہمراہ فیض آباد آ چکے تھے اور صاحب تذکرہ ان سے آشنا بھی رہے تھے۔ علوم شاعری اور قواعد پہلے اپنے والد میر ضاحکؔ اور پھر میر ضیا سے سیکھے۔ شاعری میں میرؔ اور سوداؔ کی پیروی کی۔ میر حسن کی مثنویات میں سحرالبیان، گلزار ارم، رموز العارفین، حویلی قصر جواہر، شادی اور تہنیت عید شامل ہیں۔ اُردو میں سیکڑوں مثنویاں کہی گئیں لیکن میر حسنؔ کی سحرالبیان کا جواب نہ ہو سکا۔

میر حسنؔ کے کلیات میں غزلیں قصیدے، سلام، مرثیے اور رباعیات نظر آتی ہیں۔ ۱۱۸۸ ہجری میں میر حسنؔ نے "تذکرۂ شعرائے ہندی" فارسی زبان میں لکھا جس میں ۳۰۷ اُردو شعرا کے حالات اور ان کا نمونہ کلام موجود ہے اور اس میں ۱۱۹۱ ہجری تک اضافہ کرتے رہے۔ یہ تذکرہ تاریخی اور ادبی دستاویز ہے۔ میر حسنؔ کے چاروں بیٹے یعنی میر مخلوق، میر احسن خلقؔ، میر مستحسن خلیقؔ اور میر محسن شاعر تھے۔ ان میں خلیقؔ اور خلقؔ صاحب دیوان تھے۔ میر انیسؔ کے والد میر خلیقؔ فیض آباد میں ۱۷۷۶ء یا ۱۷۷۷ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور آخری عمر میں لکھنؤ چلے آئے۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور مصحفیؔ کے شاگرد رہے۔ بقول محمد حسین آزادؔ پیرانہ سالی کی تکالیف اٹھا کر دنیا سے انتقال کیا۔ پروفیسر ادیبؔ نے ان کی تاریخ وفات ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۴ عیسوی بتائی ہے۔ میر خلیقؔ کی غزلیات کا ایک دیوان مکمل ہو گیا تھا لیکن شائع ہونے کی نوبت نہ آ سکی۔ خلیقؔ کی غزل کا مطلع سُن کر عمر رسیدہ خواجہ آتشؔ نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی تھی۔

رشک آئینہ ہے اس رشک قمر کا پہلو
صاف ادھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

میر خلیقؔ کی چودہ غزلیں "مجموعۂ سخن" کے قلمی نسخہ میں بارہ غزلیں مجمع الانتخاب مطبوعہ ۱۸۷۷ء مطبع نول کشور میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تقریباً ستائیس مختلف مجموعات شعرا

اور تذکرات میں ان کے بعض اشعار ملتے ہیں۔ پروفیسر اکبر حیدری کشمیری کے ترتیب اور تدوین شدہ ''مراثی خلیق'' میں خلیقؔ کی غزلوں اور سلاموں کے نمونے اور تیس غیر مطبوعہ مرثیوں کو شامل کیا گیا ہے۔ میر خلیقؔ کا پلہ اس زمانے کے تین نامور مرثیہ گوشعرا یعنی میر ضمیرؔ مرزا فصیحؔ اور دلگیرؔ سے کسی طرح کم نہ تھا بلکہ مرثیہ خوانی ان سب سے بہتر تھی۔ وہ چشم وآبرو کے اشاروں، اعضا کے مناسب حرکات سے اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے مضامین کی تصویر ایسی کھینچ دیتے کہ سننے والے ان کے انداز بیان میں کھو جاتے۔ میر خلیقؔ کی بیٹیاں پیاری بیگم، بندی بیگم، آبادی بیگم، ہرمزی بیگم اور تین بیٹے میر ببر علی انیسؔ، میر مہر علی انسؔ اور میر محمد نواب مونسؔ تھے۔ انیسؔ سب سے بڑے تھے۔ لیکن خلیقؔ کے تینوں بیٹے صاحب دیوان شاعر اور مرثیہ گو تھے۔

میر انیسؔ کے منجھلے بھائی میر مہر علی اُنس ۱۸۰۷ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۸۵ برس زندگی بسر کر کے لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام ۴۴ مرثیوں، ۵۰ سلاموں اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں محمود آباد ہاؤس لکھنؤ اور راقم حروف کے پاس انسؔ کے بہت سے قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے موجود ہیں۔ انسؔ کے بیٹے وحیدؔ اور پروتے فریدؔ کے مرثیہ لاجواب ہیں۔ میر انیسؔ کے سب سے چھوٹے بھائی میر محمد نواب مونسؔ ۱۸۱۱ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور ۶۴ برس کی عمر میں ۱۸۷۵ء میں لکھنؤ میں انتقال کر گئے۔ آپ کی شعری خدمات میں دیوان غزلیات، مرثیوں کی چھ جلدیں، مجموعۂ سلام اور رباعیات شامل ہیں۔ آپ لاولد تھے۔

میر انیسؔ، کے تینوں بیٹے میر خورشید علی نفیسؔ، میر محمد عسکری رئیس اور میر محمد سلیسؔ شاعر تھے۔ جن میں میر نفیسؔ نے بڑا نام کمایا اور انیسؔ کی زندگی ہی میں اپنا الگ چراغ جلا کر پروانوں کو جمع کیا۔ میر خورشید علی نفیسؔ ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۱ء میں اپنے باپ کے

پائینِ مزار دفن ہوئے۔ ان کو "خطیب منبر بلاغت" کہا جاتا تھا۔ نفیسؔ کی تصنیفات میں ایک سو سے زیادہ مرثیے، سلاموں کا مجموعہ "ہدیہ بیش بہا" رباعیات، نوحہ جات اور مناجاتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسالہ "ریاض العابدین" بھی لکھا۔ میر افضال حسین نجم سیتاپوری نے دو تاریخیں وفات کی نکالیں "چھپا آہ خورشید اوج معانی" (۱۳۱۸ ہجری) اور "ہو گیا ملک شاعری تاراج" (۱۳۱۸ ہجری)

میر محمد عسکری رئیسؔ کی تاریخ وفات ۲ دسمبر ۱۸۹۱ء معتبر ہے۔ آپ کی تصنیفات میں بائیس (۲۲) مرثیے، چند سلام، غزلیں اور رباعیات شامل ہیں۔ ان کا زیادہ تر کلام غیر مطبوعہ ہے۔ نظم طباطبائی مراثی انیسؔ جلد اول مطبوعہ نظامی پریس میں کہتے ہیں کہ رئیسؔ اپنے خاندانی فن کی طرف متوجہ نہ تھے۔ میر انیسؔ نے مرثیہ ع: "نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری" کہہ کر اس میں رئیسؔ کا نام مقطع میں ڈال دیا تا کہ ان کو شوق پیدا ہو اور یہی ذریعۂ معاش ہو جائے۔ لیکن مرثیہ میں بے انتہا پختگی تھی اور لوگوں نے یقین نہ کیا کہ یہ مرثیہ رئیسؔ کا ہے اگرچہ اس میں ایک مصرعہ میں رئیس کی عمر اور کلام کی نسبت سے ع: "مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب" تھا تو دوسری طرف رئیس ہی کی پشت کی نسبت یہ شعر بھی شامل تھا۔

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ راقم کے پاس دو قلمی مرثیے ہیں جو میر رئیسؔ کی زندگی اور ان کی وفات کے دو سال بعد لکھے گئے جن پر تصنیف انیسؔ اور مقطع میں بھی تخلص انیسؔ ہی درج ہے۔

ویسے بھی اگر میر ہدایتؔ کو شاعر تسلیم کر لیا جائے تو خود میر انیسؔ کی پانچویں پشت ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دولہا صاحب عروج نے جو انیسؔ کے پوتے تھے خود کو ع: سات

پشتوں کا شرابی ہوں کوئی اور نہیں" کہا تھا۔ میر محمد عسکری رئیس بھی لکھنؤ میں انیسؔ کے پائین مزار دفن ہیں۔

میر انیسؔ کے چھوٹے بیٹے میر محمد سلیسؔ ۱۸۲۹ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور تریسٹھ برس کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں لکھنؤ میں باپ کی پائین دفن ہوئے۔ سلیسؔ کی تصانیف میں جو کچھ باقی ہے اس میں سولہ سترہ مرثیے، کئی غزلیں سلام اور قصائد شامل ہیں۔ میر سلیسؔ کے کلام میں پختگی زیادہ تھی اور بقول شادؔ عظیم آبادی "اگرچہ دوران قیام فیض آباد اور انیسؔ کے انتقال کے بعد بھی انھوں نے کئی مرثیے نہایت مربوط کہے تھے لیکن ان کے ہم عصر یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے والد میر انیسؔ ہی کا کلام پڑھتے ہیں۔"

میر انیسؔ کے پوتے اور میر نفیسؔ کے بیٹے سید خورشید حسن عروجؔ ۱۲۸۲ ہجری میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۶۷ برس کی عمر گزار کر ۱۳۴۸ ہجری مطابق ۱۹۳۰ء میں مقبرۂ میر انیسؔ لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات "عالی مقام وزینت منبر عروجؔ بود" (۱۳۴۸ ہ) دولہا صاحب عروجؔ کی ادبی خدمات میں پچیس مرثیے، سلام اور رباعیات ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دولہا صاحب کا مرثیہ پڑھنے کا انداز بہت دلکش اور رعب دار تھا۔ جب دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی نے میر انیسؔ کے مرثیوں کی ترتیب کے لئے دولہا صاحب سے رجوع کیا تو دولہا صاحب نے اس کام کے لئے دس ہزار روپیوں کا مطالبہ کیا جو اشاعتی کمیٹی نے قبول نہیں کیا اور بعد میں اس کام کو نظم طباطبائی کے سپرد کیا گیا، جنھوں نے میر انیسؔ کے کلام کو ترتیب دے کر تین جلدوں میں شائع کیا جو ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ دولہا صاحب عروجؔ کے فرزند سید محمد فائزؔ ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور تریسٹھ برس کی عمر میں ۱۹۴۶ء میں مقبرۂ میر انیسؔ میں دفن ہوئے۔ فائزؔ کے تقریباً چودہ پندرہ مرثیے کچھ سلام اور رباعیات ہیں جو زیادہ تر غیر مطبوعہ ہیں۔ چونکہ فائزؔ صاحب لاولد رہے اس لئے میر انیسؔ کے خاندان کا یہ

سلسلہ یہیں پر ختم ہو گیا۔

میر انیسؔ کے خاندان میں دوسرے عظیم شعرا میر وحیدؔ، میر جلیسؔ، میر غیورؔ، قدیمؔ لکھنوی، جلیل لکھنوی، میر مانوسؔ، میر عارفؔ، ذکی لکھنوی، فرید لکھنوی، فائقؔ لکھنوی اور لائقؔ لکھنوی قابلِ ذکر ہیں جو اس گلشنِ مرثیہ کو اپنے قلم کی رنگینی اور خیالات کی خوشبو سے رشکِ شاعری بناتے رہے۔ اگرچہ آج میر انیسؔ کی اولاد صلب موجود نہیں لیکن ان کے فرزندانِ روحانی یعنی "اشعار" رہتی دنیا تک ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اسی لئے تو ذوقؔ نے کہا تھا:

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

میر انیس کی ولادت

میر انیسؔ فیض آباد کے محلے گلاب باڑی میں پیدا ہوئے۔ آپ میر خلیقؔ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے جو ۱۲۱۶ ہجری اور ۱۲۲۰ ہجری کے درمیان ہے۔

جناب شبلی نعمانی، جناب مسعود حسن ادیب، جناب نیرؔ مسعود رضوی اور ڈاکٹر اکبر حیدری نے تاریخ ولادت ۱۲۱۸ ہجری بتائی ہے۔

میر انیسؔ کی ماں بیگا بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ جنھیں عربی، فارسی اور اسلامیات میں اتنی دستگاہ حاصل تھی کہ میر انیسؔ کی ابتدائی تعلیم انہی کے ذریعہ ہوئی۔ وہ خوددار، خوش اخلاق، متقی و پرہیزگار خاتون تھیں اور ان کی سراسر زندگی دوسری عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ یہ میر انیسؔ کی والدہ کی تعلیم و تربیت کا ہی اثر تھا کہ میر انیسؔ کو اسلامی اقدار اور اپنے مذہبی عقیدے سے بے پناہ محبت تھی۔ یہ اسی مومنہ کی آغوش کا بھی اثر تھا کہ ان کے تینوں بیٹے، کئی پوتے اور

نواسے اردو ادب کے عظیم شاعر بن کر ظاہر ہوئے اور اس صنف سخن کو جو اعلیٰ اقدار انسانی اور کردار نورانی سے بھرپور تھی اردو شعروادب کو مالا مال کر دیا۔

تعلیم وتربیت:

میر انیسؔ ابتدائی اردو فارسی اور عربی تعلیم کو اپنی ماں سے حاصل کرنے کے بعد درسیات میں حکیم میر کلو کے شاگرد ہوئے۔ مرحوم مسعود حسن ادیب کہتے ہیں کہ ''میر انیسؔ نے درسیات کی ابتدائی کتابیں سید نجف علی قبلہ فیض آبادی سے پڑھیں۔ سید نجف علی کشمیری بڑے جید شیعہ عالم تھے وہ تعلیم کتب درسیہ اور علم قرأت میں بے مثل اور لاثانی تھے۔

مولانا نجف علی علم طب میں کامل اور شاعر بھی تھے۔ وہ بائیس (۲۲) سے زیادہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۲۵۴ ہجری میں ہوا اور قطعہ تاریخ وفات ''اے ہے سید نجف علی فاضل'' سے نکلتی ہے۔ کہتے ہیں میر انیسؔ نے عربی تعلیم کی تکمیل مولوی حیدر علی صاحب کے زیر نگرانی کی جو حنفی عالم تھے۔

مراثی میر انیسؔ جلد دوم میں نظم طباطبائی لکھتے ہیں: ''میر انیسؔ کے کلام سے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم متعارفہ سے ناواقف نہ تھے۔'' پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ ان کے کلام کا غور سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمی استعداد کے بارے میں مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

الف: وہ عربی زبان بہ خوبی جانتے تھے۔ اپنے کلام میں عربی لفظ، فقرے، محاورے اور ترکیبیں بے تکلف اور برمحل استعمال کرتے تھے۔ عربی صرف ونحو کے مسائل کی طرف جا بجا اشارہ کرتے ہیں۔ عربی اقوال اور امثال وغیرہ کا ترجمہ بھی ان کے کلام میں ملتا ہے۔

ب: قرآن اور احادیث کا کافی علم رکھتے تھے۔ آیات اور احادیث، ان کے ترجمے، ان کی طرف اشارہ وتفسیر وحدیث کی کتابوں کے نام راویوں کے حوالے، یہ سب چیزیں ان

کے کلام میں موجود ہیں۔

ج: اپنے زمانے کے دوسرے علوم رسمی سے بھی واقف تھے۔ ان کے کلام میں عروض، منطق، فلسفہ، طب، رمل وغیرہ کی اصطلاحیں بکثرت موجود ہیں۔

د: فارسی زبان و ادب پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ ان کے مرثیے کا ایک ایک مصرعہ ان کی فارسی دانی پر شہادت دیتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ایک من علم سے کام لینے کے لیے دس من عقل بھی رکھتے تھے۔ کتابیں پڑھ پڑھ کر "چار پائے براو کتابی چند" کا مصداق ہو جانا اور چیز ہے اور علم کو اپنی ذات کا جزو بنالینا اور اس پر حاکمانہ قدرت رکھنا اور بات ہے۔ میر انیسؔ کے نواسے میر علی مانوس جو نو برس کے سن سے پچیس برس تک میر انیسؔ کے ساتھ رہے بیان کرتے ہیں کہ میر انیسؔ کے پاس کوئی دو ہزار کتابیں ہوں گی۔ دو بڑے بڑے صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میر انیسؔ نے غدر کے بعد شاہنامہ فردوسیؔ کا ایک عمدہ نسخہ مطلّا مصور بخط ولایت دو سو روپے کا خرید اتھا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے منطق و فلسفہ کا درس مفتی میر عباس سے لیا۔ فن سپاہ گری کی تعلیم میر امیر علی سے حاصل کی۔ یہ فن آگے چل کر میر انیسؔ کی رزم نگاری میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔ میر انیسؔ فارسی نظم و نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ فارسی نثر پر میر انیسؔ کے خطوط اس بات کا ثبوت ہیں۔ فارسی نظم میں دو تاریخی قطعے مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ علامہ مفتی میر محمد عباس کی مثنوی من و سلویٰ کی تاریخ طبع چھ اشعار میں لکھی جس کے آخری شعر سے ۱۲۶۳ ہجری کے اعداد نکلتے ہیں:

داد ہاتف ایں صدائے دل پذیر
ہست تاریخش "کلام بے نظیر"

جب ممتاز العلما فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآب کے یہاں پوتا پیدا ہوا تو میر انیسؔ سے تاریخ کی فرمائش کی۔ سمعاً وطاعاً کہہ کر وہ تعمیل ارشاد پر تیار ہوئے اور چھ اشعار پر مبنی ایک قطعہ لکھا جس کے آخری شعر سے ۱۲۸۱ ہجری کی تاریخ نکلتی ہے۔

''چو ارشاد جناب سیدی شد
پئے تاریخ گفتم ''نیک اختر''

شاعری کی ابتدا:

میر انیسؔ نے گیارہ بارہ برس کی عمر ہی سے شاعری شروع کردی تھی۔ وہ پہلے غزل گوئی کی طرف مائل تھے اور اپنا کلام اپنے والد خلیقؔ اور چچا میر خلقؔ کو دکھاتے تھے، پھر کچھ عرصہ کے لئے شیخ ناسخ کو غزلیات میں اپنا استاد بنایا۔ جب غزل میں پختگی آگئی اور فیض آباد کے مشاعروں میں آپ کی قدر ہونے لگی تو شفیق باپ کی نصیحت سن کر غزل سے مرثیہ گوئی کی طرف رخ کیا۔ آب حیات میں مولانا محمد حسین آزادؔ لکھتے ہیں:

''جب میر انیسؔ کہیں مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی وہاں بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ سُن کر دل میں باغ باغ ہوا اور ہونہار فرزند سے پوچھا کہاں گئے تھے۔ انھوں نے حال بیان کیا۔ غزل سُنی اور فرمایا کہ ''بھئی اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس مشغلہ میں زورِ طبع صرف کرو جو دین ودنیا کا سرمایہ ہے۔''

شیخ ناسخ نے میر ببر علی کا تخلص حزیںؔ سے بدل کر انیس کردیا۔ اس واقعہ کی تائید میں سید مہدی حسن احسنؔ ''واقعات انیسؔ'' میں لکھتے ہیں کہ جب انیسؔ نے اپنے والد کی موجودگی میں ناسخ کے سامنے اپنی غزل کا شعر پڑھا:

کھلا باعث یہ اس بے درد کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

تو ناسخؔ جھومنے لگے اور فرمایا۔ یہ فرزند رشید آپ کے یادگار خاندان ہوں گے اور یاد رکھیے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔ مگر بجائے حزیںؔ کوئی اور تخلص ہونا چاہیے۔ میر خلیقؔ نے فرمایا۔ آپ ہی کوئی تخلص تجویز کر دیجیے۔ ناسخؔ نے تھوڑا سا سکوت کیا اور پھر کہا مجھے تو ''انیسؔ'' پیارا لگتا ہے۔ میر انیسؔ نے بہ کمال ادب سلام کیا اور اُس روز سے انیسؔ ہو گئے۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ میر انیسؔ مرحوم نے بچپن میں ایک بکری پالی تھی جس کو بہت چاہتے تھے۔ جب وہ مری تو ان کو بہت ملال ہوا اور اس کے مرنے پر یہ شعر فرمایا:

افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری
آنکھیں تو کھلی رہ گئیں اور مر گئی بکری

جب میر خلیقؔ کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بلا کر مکرر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا اور اس خوشی میں کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے۔ اپنے بیگانوں میں مٹھائی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیسؔ مرحوم کی شاعری کی یہ بسم اللہ ہوئی۔

پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ شاعری میں ان کے کسی استاد کا نام نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس فن کے وہ شعبے جو اکتساب سے تعلق رکھتے تھے انھوں نے اپنے بڑے چچا میر خلقؔ اور والد میر خلیقؔ سے سیکھے ہوں گے۔ مگر انھوں نے جابجا میر خلیقؔ اور ان کے اتباع کا ذکر کیا ہے۔

مشہور ہے کہ میر انیسؔ اُس روایت کو جس میں حضور اکرم ﷺ فرطِ شفقت سے امام حسینؑ کے لئے اونٹ بننا چاہتے تھے نظم کر رہے تھے اور دوسرا مصرعہ کہہ لیا تھا لیکن پہلا مصرعہ جو پسند کے قابل نہیں لگ رہا تھا چنانچہ میر خلیقؔ نے پوچھا بیٹا کیا سوچ رہے ہو۔ انیسؔ نے ٹیپ کا دوسرا

مصرعہ پڑھا۔ میر خلیقؔ نے فوراً کہا بیٹا مصرعہ لگادو۔

جب آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں
اچھا سوار ہوجئے ہم اونٹ بنتے ہیں

فنون سپاہ گری:

مؤلف ''حیات انیسؔ'' امجد علی اشہری جو میر انیسؔ کے استاد فن سپاہ گری میر امیر علی کے محلے میں رہتے تھے ان کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میر انیسؔ نے ''علی مدد'' لکڑی کا ٹھاٹ اور بانک بنوٹ کی کچھ گھائیاں اُن سے سیکھیں۔ میر انیسؔ کبھی ننگے بدن مشق نہیں کرتے تھے بلکہ ورزش کے مناسب کپڑے بنوائے تھے۔ میر انیسؔ نے امرازادگان کے ساتھ فیض آباد میں ایک حد تک شمشیر زنی کی مشق کی تھی۔ اس فن سپاہ گری کی واقفیت نے رزم نگاری میں میر صاحب کی جزئیات بیانی میں مدد کی۔ میر انیسؔ ہمیشہ ورزش کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ خلوت میں ایک مخصوص کمرے میں ورزش کرتے جو عموماً ڈنٹر کرنے اور مگدر ہلانے پر مشتمل تھی۔

حلیہ

پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ نے میر انیسؔ کی شکل وصورت کو دو بزرگوں کے حوالے سے لکھا ہے جنھوں نے میر انیسؔ کو دیکھا اور سنا تھا۔ میر انیسؔ کے حقیقی نواسے سید علی مانوسؔ نے کہا کہ ''میر انیسؔ کا قد درمیانہ، مائل بہ درازی، ورزش کی وجہ سے جسم ٹھوس، اعضا متناسب و چست، چھریرا بدن، چوڑا سینہ، صراحی دار گردن، خوبصورت کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، گیہواں رنگ، مونچھیں ذرا بڑی، ڈاڑھی اتنی باریک کترواتے تھے کہ دور سے منڈی ہوئی

معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے بزرگ مولوی عبدالعلی صاحب مرثیہ خوانی میں میر انیسؔ کے شاگرد بھی تھے کہتے ہیں ”میر انیسؔ کا قد لمبا میانہ سے کچھ زیادہ تھا۔ اُن کا بدن چست ٹھوس اور چھریرا تھا ڈاڑھی منڈواتے تھے۔“

حیاتِ انیسؔ میں امجد علی اشہری میر انیسؔ کی شکل وصورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میر انیسؔ کا قد لانبا چھریرا، متناسب الاعضا تھا۔ سر کے بال باریک اور ملائم چہرہ خوبصورت اور کتابی، رنگ کھلا ہوا گندمی، آنکھیں بڑی بڑی خوبصورت جن کی خوش آب سفیدی نرگس کا لطف دیتی تھیں۔ آنکھوں کے تیور سے غیورانہ حالت ظاہر ہوتی تھی۔ پتلی کی روشنی بہت تیز تھی۔ مونچھیں بڑی بڑی افگندہ مو، ڈاڑھی صاف، گردن صراحی دار، سینہ کشادہ اور عریض مگر زیادہ ابھرا ہوا نہ تھا۔ میر انیسؔ کی چال نستعلیق تھی۔

شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ ”جب میرے دوست حافظ حکیم سید احمد شاہ مرحوم لکھنؤ میں حکیم علی صاحب سے طب پڑھتے تھے انھوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ اب کہ قرینے میر انیسؔ کی صحت کا نہیں ہے تو میں نے گھبرا کر میر مونسؔ کو لکھا کہ جس طرح ہو سکے میر صاحب کا ایک فوٹو لے کر مجھ کو بھیج دیجیے۔ میر مونسؔ نے میر صاحب کو میرا خط دکھایا۔ کوئی صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا کہ حضور مشکور الدولہ یہیں ہیں ان کو بلوا لیجیے۔ دم بھر میں فوٹو لے لیں گے۔ ان سے کہا کہ میں تو ہرگز تصویر نہیں چاہتا مگر ایسے شخص نے لکھا ہے کہ عذر نہیں کر سکتا۔ آپ ہی مشکور الدولہ کو سلام کہہ دیجیے اور کہیے کہ میر انیسؔ نے بلوایا ہے۔ دوسرے دن مشکور الدولہ اپنا سامان لے کر آئے اور چاہا کہ اسی حالت کی تصویر لیں مگر میر صاحب نے نہ مانا۔ بہ مشکل کرسی پر بیٹھے فوٹو لیا گیا۔ میر مونسؔ نے ان سب حالات کو لکھ کر دو فوٹو مجھ کو اور دو نواب بہادر کے پاس بھیج دیئے۔ ان دنوں زیادہ دن رہنے سے فوٹو کا رنگ اڑ جاتا تھا۔ کئی سال کے بعد یہی خرابی ہمارے یہاں فوٹو میں ہونے لگی تو اپنے شہر کے بہزاد و مانی

وقت میرزا اشار مہدی مرحوم کو بلا کر ایک مہینہ تک اپنا مہمان رکھا اور اس فوٹو کی نقل سے ایک آئل پینٹ (Oil Paint) یعنی ایک بڑی روغنی تصویر کھنچوائی اور جو حضرات اس زمانہ تک میر انیسؔ کے دیکھنے والے تھے ایک ایک کر کے سب نے دیکھا اور اچھی طرح سے جانچ لی گئی تو ایک نقل میر نفیسؔ مرحوم کو بھیج دی۔ انھوں نے بھی بہت پسند کیا۔ اب تک میرے کمرے میں موجود ہے۔''

معتبر ذرائع سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ قد آدم روغنی تصویر شاد عظیم آبادی کے ہال کمرے میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء تک لٹکتی رہی مگر جب زلزلے میں گر گئی تو مرمت کر کے اس جگہ آویزاں کیا گیا جو ۱۹۴۰ء میں برسات کی وجہ سے چھت گر جانے سے ملبہ میں رہ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور کسی نے اس جانب توجہ بھی نہ کی، لیکن ہو بہو یہی تصویر پیارے صاحب مرحوم رئیس مظفر آبادی کے تین گھاٹ والے مکان میں موجود تھی۔ خدا جانے یہ تصویر کیا ہوئی؟

پروفیسر سید مسعود رضوی ''بزم انیسؔ'' میں کہتے ہیں کہ انیسؔ کی مستند ترین تصویر وہ ہے جو اُن کے ایک قدردان نے کسی باکمال مصور سے ہاتھی دانت کی تختی پر بنوا کر ان کی خدمت میں پیش کی تھی۔ میر انیسؔ کی جو تصویریں عام طور پر چھپتی رہتی ہیں وہ اسی ہاتھی دانت والی تصویر کا نقش مستار ہیں لیکن ان نقوش میں اصل کے موقلم کی باریکیاں نہیں آسکیں۔ اصل تصویر میں میر انیسؔ کی غلافی آنکھیں، آنکھوں کے نیچے باریک جھرّیاں رخساروں کی ہڈیوں کا ہلکا سا ابھار، ذرا پھیلے ہوئے نتھنے اور بھچے ہوئے پتلے پتلے ہونٹ مل کر ایک ایسے شخص کا تاثر پیدا کرتے ہیں جو بے حد ذکی الحس اور ارادے کا مضبوط ہے۔ یہ تصویر میر خورشید علی نفیسؔ کے نواسے میر علی محمد عارفؔ کے خاندان میں موجود تھی۔

وضع اور لباس

میر انیسؔ کی وضع خاص مشرقی لباس سے مرکب تھی۔ انیسؔ کے لباس کے بارے میں ان کے نواسے سید علی مانوس نے پروفیسر ادیب سے بیان کیا کہ "سر پر حباب کی شکل کی قالب پر چڑھی ہوئی ٹوپی جو گرمیوں میں سفید اور جاڑوں میں ریشمی کام کی رنگین ہوتی تھی۔ نیچا نیچا خوب گھیر دار کرتا جو گھٹنوں سے کچھ نیچا اور سفید رنگ کا ہوتا تھا، جامدانی یا ململ کا گرمیوں میں صرف یہی کرتا مگر جاڑوں میں انگر کھے کی قطع کا روائی دار۔ گرمیوں میں ڈھیلی مہری کا سفید پاجامہ جسے عرض کا پاجامہ کہتے تھے۔ جاڑوں میں اسی وضع کا ریشمی رنگین پاجامہ جو اودے سبز یا گلابی مشروع کا ہوتا تھا یا گل بدن کا گھر میں زرد مخمل کا گھیتلا جوتا۔ باہر اسی وضع کا زردوزی جوتا جو اس وقت پچیس تیس روپے کا بنتا اور اکثر کاریگر گھر پر بلوا کر بنوایا جاتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی اور رومال۔ کبھی کبھی دوپٹا بھی کندھے پر آڑا کر کے ڈال لیتے تھے۔ امجد علی اشہری کہتے ہیں۔ میر صاحب نے اپنے لئے وہ لباس اختیار کیا تھا جو آخر وقت تک اُن کے جسم پر موزوں رہا اگرچہ اس دوران لکھنؤ کی وضع میں کئی تغیرات آئے اور زبان نے کئی رنگ بدلے، لیکن میر انیسؔ کی وضع ان کی زبان کی طرح وہی رہی جو پہلے تھی۔ میر انیسؔ سر پر پنج گوشہ ٹوپی لگاتے تھے۔ کبھی گول پردہ کا انگرکھا زیب جسم فرماتے تھے اور لکھنؤ کے عام رواج کے موافق غرارہ کا ڈھیلا پاجامہ پہنتے تھے۔ ہاتھ میں پتلی چھڑی اور سفید رومال ہوتا تھا۔

پابندی اوقات

میر انیسؔ ایک خاص رکھ رکھاؤ اور پابندی اوقات کے بے تاج بادشاہ تھے۔ وہ خود بھی وقت کی پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی یہی امید کرتے تھے۔ وہ اپنے بے تکلف روزمرہ

ملنے والے افراد حتیٰ کہ خاندان والوں اور بھائیوں سے بھی ایک خاص وضع سے ملتے اور کسی کو بھی حدِ ادب سے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ''حیات انیسؔ'' کے مؤلف امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ خود انھوں نے میر خادم علی اور نواب بڈھن صاحب جیسے اکابر لکھنؤ سے سنا ہے کہ میر صاحب تک پہنچنے اور ان سے ہم کلام ہونے کے لئے درباری قسم کے چند قواعد کی پابندی لازم تھی۔ کوئی یوں بے تکلف سامنے نہ جاسکتا تھا جب تک کہ میر صاحب اس کے آنے کی اجازت نہ دیں یا ملاقات کا وقت مقرر نہ ہو جائے۔ میر حامد علی سے ملاقات کے لئے انیس نے رات کا وقت مقرر کیا تھا۔

اخلاق وکردار

میر انیسؔ سادہ مزاج خوش مشرب اور پر خلوص فرد تھے۔ ان کی شخصیت بڑی دل نواز اور ان کی صحبت بڑی خوشگوار ہوتی تھی۔ میر حامد علی کے قول کے مطابق میر انیسؔ نہایت خوش گفتار تھے۔ جب تک وہ گفتگو کرتے رہتے تو کوئی بھی شخص کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا تھا۔ میر انیسؔ کے حیدرآباد کے سفر کی روداد کا ذکر کرتے ہوئے جناب شریف العلما مولوی سید شریف حسین خاں صاحب اپریل ۱۸۷۱ء میں میر انیسؔ کے ساتھ اپنی ہم نشینی کے بارے میں کہتے ہیں ''میں عرض نہیں کرسکتا ہوں کہ میر صاحب کی صحبت میں کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ وہ بڑے غیور، خوش اخلاق، نیک مزاج اور نہایت خوش صحبت ہیں کہ انسان ان کی باتوں میں محو ہو جاتا ہے۔ اگر وہ کسی بات کا ذکر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔'' شاد عظیم آبادی جنھوں نے میر انیسؔ سے کم از کم پچیس بار ملاقات کی تھی، 'فکر بلیغ' میں میر صاحب کے اخلاق اور مزاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''میر انیسؔ ہرگز بد مزاج، خود پسند اور بد اخلاق نہ تھے۔ جب ملا اور صحبتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ان سے زیادہ

خوش مزاج منکسر، خوش اخلاق شاید ہی کوئی ہو۔ خندہ روئی کے ساتھ لوگوں سے جھک کر صاحب سلامت اور تعظیم کرنا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر جناب اور آپ حضور کے کلمے سے مخاطب کرنا، اہل فن کی حرمت کرنا اور بزرگوں کے نام کو تعظیم کے ساتھ لینا اس کا ثبوت ہے۔

میر انیسؔ کی خاص عادت تھی کہ وہ کبھی کسی کی غیبت کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ جب عظیم آباد میں ایک سائل نے میر انیسؔ کے سامنے کہا کہ مرزا دبیر کیا ہیں اور آپ سے کیا مقابلہ کر سکتے ہیں تو میر انیسؔ متغیر ہو گئے۔ اٹھے کمرے میں گئے اور دو روپے لے کر نکلے۔ ان کو بلا کر کہا۔ سید صاحب! مرزا دبیرؔ نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ آپ کے جد کا مرثیہ کہتے ہیں۔ دیکھئے پھر آیندہ ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالیے خاص کر میرے سامنے۔ جب سید صاحب چلے گئے تو کہنے لگے اچھے پڑھے لوگ بھی اس عیب میں مبتلا ہیں کہ میں خوش ہوں گا۔ حالانکہ مجھ پر الٹا اثر ہوتا ہے۔ مرزا دبیرؔ نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ کیا میرے لیے وہ مرثیہ گوئی ترک کر دیتے۔ کیا میر انیسؔ کے اس اخلاق و انکساری کا جواب مل سکتا ہے؟ جب مشہور سلام ”سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو“ کے سلسلہ میں مونسؔ نے مرزا دبیرؔ پر طعنہ دیا تو میر انیسؔ خفا ہوئے اور مونس کو مرزا دبیرؔ کے پاس بھیجا تا کہ معافی مانگیں۔ اسی طرح مرزا دبیر آپنے شاگرد مشیر لکھنوی پر خفا ہوئے اور میر انیسؔ کے پاس بھیج کر معافی مانگی۔

میر انیسؔ کا شعری ذخیرہ

آج سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر بھی فارسی ادب میں فردوسیؔ کی فرضی داستان کے پچاس ہزار اشعار بہ مشکل ”شاہ نامہ“ میں موجود ہیں۔ لیکن اسے زمانے کی ستم ظریفی کہیے کہ ابھی میر انیسؔ کا کفن میلا بھی نہ ہوا تھا کہ ان کا بیشتر کلام ضائع ہو گیا۔ میر انیسؔ نے یہ کہہ کر ”جاگیر خلد لینا ہے اس کا صلہ مجھے۔“ اس کی حفاظت اور طباعت کی طرف چنداں توجہ نہ کی۔

خاندانی افراد نے بھی اس کی جمع آوری کی کوئی خاص کوشش نہ کی بلکہ مؤلف ''حیات انیسؔ'' امجد علی اشہری سے میر انیسؔ کے سگے بھائی میر مہر علی انسؔ نے سعدیؔ کا شعر پڑھ کر اس سہل نگاری کی تمام تر ذمہ داری خاندان پر رکھی۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدیؔ از دست خویشتن فریاد

میر انیسؔ نے گیارہ بارہ برس سے شعر گوئی شروع کی تھی۔ چنانچہ ساٹھ سال کی ریاضت کی مقدار زیادہ تھی کیوں کہ انیسؔ نے تمام عمر مرثیہ کہا اور اپنی عمر عزیز کے روز وشب اسی شغل نیک میں صرف کردیے۔ ''حیات انیسؔ'' میں امجد علی اشہری انیسؔ کے مرثیوں کی تعداد ہزاروں بتاتے ہیں۔ خود انھوں نے دو ڈھائی سو مرثیے دیکھے تھے۔ مولانا محمد حسین آزادؔ ''آب حیات'' میں مرثیوں کی تعداد دس ہزار بتاتے ہیں۔ ''یادگار انیسؔ'' میں امیر احمد علوی نے میر انیسؔ کے مرثیوں کی تعداد لگ بھگ چودہ سو بتائی ہے۔ ''فکر بلیغ'' میں شاد عظیم آبادی لکھتے ہیں۔ ''میر صاحب نے ایک ہزار سے زیادہ مرثیے نظم کیے اور اسی قدر یا اس سے کچھ کم سلام ورباعیات۔ پھر مرثیہ بھی زیادہ تر دو دو سوا کثر تین تین سو بند۔ ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط واحتیاط سے لے کر آتے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوب صورتی اور بے تکلفی سے چن کر باسلیقہ وترتیب جمع کرلئے تھے کہ اب جو چاہے اپنے دامن فکر میں بے کھٹک بھر لے۔''

مرحوم ڈاکٹر صفدر حسین اس وقت موجود مراثی انیسؔ کی تعداد ۲۵۰ کے قریب بتاتے ہیں۔ پروفیسر نیر مسعود ''بزم انیس'' مطبوعہ ۱۹۹۰ء میں میر صاحب کے مطبوعہ مراثی کی تعداد تقریباً دوسو، سواسو کے قریب سلام، کوئی چھ سو رباعیاں چند منقبتیں، نوحے، فارسی میں بعض

قطعات اور کچھ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بتاتے ہیں۔ اہلیاتؔ کے بعض علما نے غزلیات کے تقریباً ۱۴۴ اشعار بھی میر صاحب سے منسوب کیے ہیں۔ جو چار غزلوں اور کچھ مفرد شعروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی تحقیق کے بموجب مراثی ۲۱۳، ۱۰۳ سلام، ۱۴ نوحے اور درجن بھر تضمینات مناجات کے علاوہ رباعیات ۵۷۹ ہمارے درمیان مطبوعہ حالت میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی انیسؔ سے منسوب ہے۔ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالیؔ مقدمہ شعروشاعری میں لکھتے ہیں۔ ''آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاتا ہے کہ اس نے اور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اس کو معیار کمال قرار دیں تو بھی میر انیسؔ کو اردو شعرا میں سب سے برتر ماننا پڑتا ہے۔ اگرچہ نظیرؔ اکبر آبادی نے شاید میر انیسؔ سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر اس کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف انیسؔ کے کہ اس کے ہر لفظ اور محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔''
حالیؔ کا یہ جملہ ''نظیرؔ اکبر آبادی نے شاید انیسؔ سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں'' کو، کورانہ بغیر تحقیق کے دوسرے علمائے ادب نے استعمال کرتے ہوئے لفظ شک ''شاید'' بھی نکال دیا۔ راقم نے اس امر کی تحقیق کے لیے کلیات نظیرؔ اکبر آبادی چھاپ لکھنوی ۱۹۲۲ء کا مطالعہ کیا جو ۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی (متوفی ۱۶راگست ۱۸۲۰ء) کے دو اردو دیوان، ایک فارسی دیوان اور سات فارسی مضامین ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے کلیات میں تقریباً سات ہزار اشعار ہیں۔ ان کا پہلا دیوان جس کی بابت مشہور فرانسیسی مُستشرق گارساں دی تاسی نے لکھا تھا وہ دیوناگری رسم الخط میں ۱۸۲۰ء میں شائع ہوا۔ اب عنقا ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی کے سوانح نگار پروفیسر شہباز کے قول کے بموجب صرف پانچ فارسی مضامین مخطوطات کی شکل میں دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطات کے سیکشن میں موجود

ہیں۔ ان تصانیف سے اس بات کی تائید نہیں کی جاسکتی کہ نظیرؔ اکبر آبادی نے میر انیسؔ سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔

اگر چہ میر انیسؔ کے جملہ اشعار کا تعین کرنا دشوار ہے لیکن جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس موجود ہے ان میں کل اشعار کی تعداد اسی (۸۰) ہزار اشعار سے زیادہ نہیں اور اس طرح الفاظ اور اشعار کی تعداد کے لحاظ سے میر انیسؔ اردو شاعروں میں سرفہرست ہیں۔

انتخابِ بحر

میر انیسؔ نے مرثیوں کے لئے چار بحروں کے اوزان مقرر کر لئے تھے۔ چنانچہ مطبوعہ مرثیوں میں بحر ہزج کے اوزان اخرب، مکفوف ومحذوف میں (۸۷) مرثیے، بحر مضارع کے اوزان اخرب مکفوف ومحذوف میں (۵۲) مرثیے، بحر رمل کے اوزان میں (۵۳) مرثیے اور بحر مجتث کے وزن میں تین چار مرثیے موجود ہیں۔

مرثیوں کے مطلع

مراثی میر انیسؔ میں نظم طباطبائی لکھتے ہیں کہ انیسؔ نے جو مرثیے ابتدائی عمر میں لکھے وہ مختصر ہوتے تھے اور زیادہ تر اے مومنو یا مومنو سے شروع ہوتے تھے لیکن جیسے جیسے مشق سخن بڑھتی گئی مطلعوں میں نکھار آتا گیا۔ چنانچہ میر انیسؔ کے ۶۷ سے زیادہ مرثیے لفظ "جب" سے شروع ہوتے ہیں جن میں کئی شاہکار مرثیے شامل ہیں۔

نظام اوقات

میر انیسؔ کے نواسے سید علی مانوس نے میر انیسؔ کے نظام اوقات کے بارے میں بتایا

کہ میر انیس قریب قریب ساری رات جاگتے تھے۔ نمازِ صبح پڑھ کر آرام کرتے تھے۔ کوئی نو بجے سو کر اٹھتے تھے۔ دس گیارہ بجے کھانا کھاتے تھے۔ اس کے بعد میر مونسؔ اور میر نفیسؔ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے۔ دو بجے کے قریب پھر آرام کرتے تھے۔ عصر کے وقت اٹھتے اور نماز سے فارغ ہو کر دیوان خانہ میں تشریف لے جاتے تھے اور کھانا کھانے کے بعد مرثیے کی تصنیف میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مرثیہ کہنے کے وقت مکان کے جنوبی رخ کے دوسرے دریچے میں تخت پر بیٹھتے تھے۔ سامنے کنول روشن رہتا تھا۔ پہلو میں کتابیں ہوتی تھیں۔ زیادہ تر دو زانو بیٹھتے تھے۔ جب کچھ سوچنے لگتے تو اکثر کہنیاں زانوؤں پر ہوتی تھیں اور رخسار ہاتھوں پر۔ مرثیہ گوئی کا مشغلہ نمازِ صبح کے وقت تک جاری رہتا تھا۔ میر مانوس نے کہا کہ یہ بالکل غلط ہے کہ میر انیسؔ مرثیہ کہتے وقت چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے تھے اور خود بولتے جاتے تھے اور کوئی شخص لکھتا جاتا تھا۔

شعرا کی قدردانی

میر حامد علی تقریباً ہر رات نو بجے سے بارہ بجے رات تک میر انیسؔ کی خدمت میں رہتے۔ کبھی کبھی مونسؔ اور نفیسؔ بھی شریک ہو جاتے۔ ان صحبتوں میں زیادہ تر شعر و ادب کے متعلق گفتگو رہا کرتی تھی۔ اچھے اچھے اشعار پڑھے جاتے اور ان پر تبصرہ کیا جاتا۔ جن میں فارسی کے اشعار زیادہ اور اردو کے کم ہوتے۔ میر انیسؔ ہمیشہ دوسرے شعرا کے اشعار سناتے تھے لیکن کبھی اپنے شعر نہیں پڑھتے تھے۔ ان راتوں کی محفلوں میں شاہنامہ فردوسی کا اکثر ذکر ہوتا۔ میر انیس کو شاہنامہ کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ وہ فردوسی کو خدائے سخن کہا کرتے تھے۔ حیدر آباد کے قیام کے دوران کسی عالم شخص نے میر انیسؔ کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میر کی شاعری کا پایہ بھی آپ کے سامنے پست نظر آتا ہے۔ انیسؔ نے فرمایا میر غزل کے استاد۔ میں

ایک مرثیہ گو۔ انھوں نے کہا جناب عالی میرا قول بے دلیل نہیں، مقابلہ کر لیجیے۔

میرؔ کا مطلع

اس زلف پہ محو ہو گئے ہم یعنی سرِ شام سو گئے ہم

اور آپ نے فرمایا

اک آہ میں سرد ہو گئے ہم ٹھنڈی جو ہوا تھی سو گئے ہم

میرؔ کا ایک اور شعر

ہاتھوں پہ جھریاں نہیں ہیں
پیری جامے کو چن رہی ہے

آپ نے فرمایا:

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چنا ہے جامۂ ہستی کی آستینوں کو

یہ سن کر میر انیسؔ مسکرانے لگے۔ میر انیسؔ غالبؔ سے اور غالبؔ میر انیسؔ کے کلام سے بخوبی واقف تھے۔ میر انیسؔ غالبؔ کو یگانۂ روزگار جانتے تھے اور قربان علی سالکؔ شاگرد غالبؔ کے سامنے غالبؔ کو انہی الفاظ سے یاد بھی کیا تھا۔

مرزا غالبؔ کے انتقال پر میر انیسؔ کے قلم سے لکھی ہوئی ایک رباعی ان کے قلبی تاثرات کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

گلزارِ جہاں سے باغ جنت میں گئے
مرحوم ہوئے جوارِ رحمت میں گئے
مداح علیؑ کا مرتبہ اعلا ہے
غالبؔ اسد اللہ کی خدمت میں گئے

جب شادؔ عظیم آبادی نے خواجہ آتشؔ کی تعریف کی تو ان سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ جانتے ہیں وہ ہمارے فیض آبادہی کے تھے۔ پھر جب شادؔ نے شیخ ناسخؔ کے بارے میں کہا تو کہنے لگے۔ ذی علم تو ضرور تھے لیکن دل میں خاک اُڑتی تھی۔ شادؔ نے خواجہ وزیر کے متعلق کہا کہ یہاں لوگ ان کے رنگ پر مرتے ہیں تو کہنے لگے لکھنؤ کا بھی یہی حال ہے مگر اب لوگ سمجھتے جاتے ہیں۔

میر انیسؔ نے سالکؔ کے سامنے مومن خاں مومن کو اپنی طبیعت کا بادشاہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

تقلید طرز مرثیہ

بعض افراد نے میر انیس کو میر ضمیرؔ کا تبع کہا ہے۔ ان لوگوں نے مرثیہ کا ڈھانچہ جو مسدّس ہیئت میں میر ضمیرؔ کے دور میں اس کے مختلف اجزا کے ساتھ تیار ہو چکا تھا اس کو طرزِ ضمیر سمجھ کر ان کے اس شعر کو اس کی سند بنائی ہے۔

دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو بھی کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

لیکن یہاں طرز سے مراد ہیئت مرثیہ یا اجزائے مرثیہ نہیں بلکہ مرثیہ کی داخلی ساخت ہے۔ چنانچہ جن افراد نے میر ضمیرؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ضمیرؔ کے طرز میں مرثیہ کا چہرا اور سراپا تخیل کی بلندی، معنی آفرینی اور استعاروں کی نمائش ہوتی ہے جب کہ میر انیسؔ کا طرز بیان اس سے بہت جدا ہے۔

اسی لئے تو میر انیسؔ نے کہا تھا:

جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

•

طرز کلام میں یہ فصاحت جو آئی ہے
اجداد با وقار سے میراث پائی ہے

ایک مرثیے میں فرماتے ہیں:

خلق میں مثل خلیقؔ اور تھا خوش گو کوئی کب — نام لے دھو لے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشن زہراؑ و علیؑ عاشق رب — متبع مرثیہ گوئی میں ہوئے جس کے سب

ہو اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہو وہ بیرونی ہے

یہ طرز اسلوب انیسؔ اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص تھی۔ فرماتے ہیں۔

سچ ہے یہ طرز خاص کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

تلامذہ

جن افراد نے میر انیسؔ سے اپنے کلام پر اصلاح لی اور خواندگی مرثیہ سیکھی ان میں مونسؔ، نفیسؔ، رئیسؔ اور سلیسؔ کے علاوہ فارغؔ سیتاپوری، ذکیؔ لکھنوی، رفیقؔ لکھنوی قابلِ ذکر ہیں۔ میر انیسؔ کے شاگردوں میں مونسؔ، نفیسؔ، اور فارغؔ نے نام حاصل کیا۔ فارغؔ کے

صرف ایک مرثیہ پر انیس کی اصلاح ہے۔ فارغؔ نے ایک مرثیہ ۸۰۰ بند کا لکھا ہے۔

اقامت گاہیں

میر انیس گلاب باڑی فیض آباد میں پیدا ہوئے اور چالیس بیالیس سال کی عمر میں لکھنؤ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ فیض آباد میں میر انیسؔ کا گھر محلہ راٹھ حویلی میں جسے بنگلہ بھی کہتے ہیں واقع تھا۔ میر انیسؔ نواب امجد علی شاہ کے زمانے (۱۸۴۶ء) میں لکھنؤ آئے اور لکھنو کے مختلف محلوں میں سکونت پذیر ہوئے، جن میں شیدیوں کا محلہ، سبطی، نخاص، پنجابی ٹولہ، منصور نگر، سبزی منڈی، عقب چوک اور محلہ آئینہ سازاں مشہور ہیں۔

ذاتی امام باڑہ

میر انیسؔ نے ۱۲۷۱ ہجری میں اپنے پیسوں سے لکھنؤ میں گومتی کے کنارے خوبصورت عزاخانہ تعمیر کروایا تھا جس میں بیش قیمت تبرکات، علم پنجے اور ضریح موجود تھے۔
افسوس کہ میر صاحب اس عزاخانہ میں دو تین برس سے زیادہ مجلسیں نہ کر سکے۔ غدر میں گولہ باری کے اثر سے یہ امام باڑہ دوسری عمارتوں کے ساتھ منہدم ہو گیا اور اس کی تاریخ امام باڑہ کی قسمت بن گئی جہاں ہمیشہ حضرت زہراؑ کے رونے کی آواز سنی جائے گی۔

منبر پر نشست اور پڑھنے کا انداز

معتبر چشم دید افراد کے قول کے مطابق میر انیسؔ منبر کے دوسرے زینہ پر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ بعض وقت وہ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے تو لوگوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اوپر کے زینہ پر بیٹھیں لیکن انھوں نے کبھی اسے پسند نہیں کیا۔ میر انیسؔ نہایت وقار اور

ادب سے منبر پر بیٹھتے تھے اور پہلے نقش تصویر ہو کر چند منٹ تک چپ بیٹھے رہتے۔ مرثیہ پڑھتے وقت گھٹنوں پر سفید رومال ڈال لیتے۔

میر صاحب کا انداز مرثیہ خوانی بے نظیر تھا۔ جب وہ شعر پڑھتے تو شعر کی صورت بن جاتے تھے۔ یعنی شعر میں جو جذبات ہوتے وہ مجسمہ کی صورت میں لوگوں کی نظروں کے سامنے آجاتے تھے۔ وہ چشم وابرو کے اشارات اور تیور سے شعر کے جذبات بناتے تھے اور بہت ہی کم جسم کے کسی حصہ کو جنبش دیتے۔ شعر میں اگر غم خوشی حیرت غصہ، رحم، تعجب یا شجاعت کا ذکر ہوتا تو وہ اس کی تصویر بن جاتے۔ یہ طرز مرثیہ خوانی میر صاحب نے کسی سے سیکھا نہیں تھا بلکہ وہ خود اس کے موجد تھے اور یہ عطائے الٰہی تھی۔ چنانچہ امیر احمد علوی ''یادگار انیسؔ'' میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شاگرد میر انیسؔ سے مرثیہ خوانی سیکھنے کی درخواست کرتا تو وہ اس سوال سے منغض ہو جاتے اور فرماتے ''یہ کیا سیکھے گا اور میں کیا سکھاؤں گا؟ بھئی یہ کچھ سیکھنے کا فن ہے؟

مولانا آزادؔ ''آب حیات'' میں لکھتے ہیں۔ ''میر انیسؔ مرحوم کو میں نے پڑھتے ہوئے دیکھا، کہیں اتفاقاً ہی ہاتھ اٹھ جاتا یا گردن کی ایک جنبش یا آنکھ کی گردش تھی کہ کام کر جاتی ورنہ کلام سارے مطالب کے حق پورے کر دیتا تھا۔''

مولانا امجد علی اشہری مؤلف ''حیات انیسؔ'' لکھتے ہیں۔ میں نے میر انیس کو پڑھتے ہوئے سنا وہ فقط ابرو کے اشارے اور گردن کی حرکت سے کام لیتے تھے۔ ان کے اعجاز وضاحت کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو کچھ کہہ سکے۔ شیخ حسن رضا ''تردید موازنہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''میر انیسؔ کے اندر مرثیہ خوانی میں افراط وتفریط کا نام نہ تھا۔ بناوٹ اور تصنع کی ہوا تک نہ آنے پائی تھی۔ تیور اور اشارات مہذبانہ جیسے ان بزرگوں سے ادا ہوئے آج تک کسی غیر سے تو کیا ان کے خاندان میں کسی سے حتیٰ کہ ان کی اولاد سے بھی وہ شان اور وہ بات دیکھنے میں نہیں آئی۔'' خود میر انیسؔ اپنی

خوش کلامی کے بارے میں ایک رباعی میں فرماتے ہیں:

شہرہ ہو سو جو خوش کلامی کا ہے   باعث مدح امامؑ نامی کا ہے

میں کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا   آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

مؤلف حیات رشید، میر انیسؔ کے نواسے جناب پیارے صاحب رشیدؔ کی زبانی لکھتے ہیں کہ "میر انیسؔ کا پڑھنا بہت مہذب تھا۔ وہ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ اور اشارات سے کام لیتے تھے۔ شادؔ عظیم آبادی جنھوں نے میر صاحب کا شاہکار مرثیہ "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" کو بیسویں بندسے عظیم آباد کے عاشور خانہ میں سنا، لکھتے ہیں میر انیسؔ ہال میں پورب کی طرف ایک چھوٹے سے سیاہ پوش منبر پر پڑھ رہے تھے۔

ع: وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شان

وہ دشت کو سریلی بلند آواز میں ایسا کھینچا تھا کہ وسعت دشت آنکھوں میں پھر گئی۔ اللہ اللہ وہ لفظوں کا ٹھہراؤ وہ لب ولہجہ وہ لبوں پر مسکراہٹ غرض کس بات کو کہوں۔ اُس وقت میر انیسؔ کی جو بات تھی کلیجہ کے اندر اتری چلی جاتی تھی۔

مشہور ہے کہ میر انیسؔ جب کوئی مقام رقت آمیز پڑھتے اور جوش گریہ سے بے چین ہو جاتے تو ضبط کی غرض سے نیچے کے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا لیتے جس سے داہنی جانب کا رخسارہ متحرک ہو جاتا تھا۔ ان کا تو اس انداز سے یہی مقصود تھا کہ جوش گریہ سے آواز گلو گیر نہ ہو مگر قدرتاً یہ دلفریب ادا دل کو بے تاب کر دیتی۔ رزم پڑھتے وقت چہرے پر جذبات کے نقوش یوں ظاہر ہوتے کہ چہرے کی جھرّیاں مٹ جاتی اور چہرے کے رگ و پے میں خون کا دورہ اس قدر ہوتا کہ چہرہ پر جوانی کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی

بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاقت کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زبان سے چلے

شمس العلما مولانا ذکاء اللہ صاحب سابق پرنسپل عربی کالج الہ آباد بیان کرتے ہیں ''جب میں الہ آباد کی میر انیسؔ کی مجلس میں پہنچا تو عالی شان مکان آدمیوں سے بھر چکا تھا۔ اس لئے میں کھڑا ہو کر سننے اور دور سے ٹکٹکی باندھ کر، میر انیس کی صورت اور ان کے ادائے بیان کو دیکھنے لگا۔ میر انیسؔ بڈھے ہو چکے تھے۔ مگر ان کا طرز بیان جوانوں کو مات کرتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ منبر پر ایک کل کی بڑھیا بیٹھی لڑکوں پر جادو کر رہی ہے جس کا دل جس طرف چاہتی ہے پھیر دیتی ہے اور جب چاہتی ہے ہنساتی ہے اور جب چاہتی ہے رُلاتی ہے۔ میں اس حالت میں دو گھنٹے کھڑا رہا۔ میرے کپڑے پسینہ میں تر ہو گئے اور پاؤں خون اترنے سے شل ہو گئے۔ مجھ کو یہ بات محسوس نہ ہوئی۔ اس سے زیادہ دلچسپ محویت کیا ہوگی۔'' پیری کے ضعف اور ناتوانی میں بھی وہ زور بیانی تھا کہ خود فرماتے ہیں۔

گو پیر ہوں پر زور جوانی ہے ابھی تک — سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک
دنداں نہیں، پر تیز بیانی ہے ابھی تک — قبضے میں وہ تیغ صفاہانی ہے ابھی تک

گھٹا زور مشق سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا

پروفیسر ادیبؔ لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نہایت خوش آواز تھے اور جتنے خوش آواز تھے اُس سے زیادہ کہیں خوش بیان تھے۔ خوش آوازی اور خوش بیانی کے علاوہ تقریر کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مقرر کی آواز کا اتار چڑھاؤ چہرے کا تغیر، آنکھوں کی گردش، اعضا کی حرکت یہ سب چیزیں موقع ومحل کے مناسب ہوں۔ اس طرح تقریر کے ہر لفظ کا صحیح مفہوم سامعین کے

ذہن نشین ہو جاتا ہے اور بہت کچھ جو لفظوں سے ادا نہیں ہو سکتا وہ بیان کے انداز سے ادا ہو جاتا ہے۔ انیسؔ مرثیہ اس طرح پڑھتے تھے کہ کلام کا اثر بدرجہا بڑھ جاتا تھا۔ ایک ایک اشارے سے واقعات کی تصویر کھینچ دیتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ ان کا پڑھنا سن کر مبہوت و متحیر ہو جاتے۔ عام طور سے مسلّم ہے کہ میر انیسؔ کا سا مرثیہ پڑھنے والا آج تک پیدا نہیں ہوا۔

پہلی مجلس

انیسؔ کی پہلی مجلس کے بارے میں لوگوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انیسؔ کی پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں واقع ہوئی جس میں میر خلیقؔ اور میر ضمیرؔ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں بزرگوں کی رائے سے انیسؔ نے یہاں مجلس پڑھی۔ شروع میں انھوں نے ذیل کی رباعی پڑھی تھی۔

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا ظلِ علمِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

اگرچہ لکھنؤ کی کئی منتخب مجالس کا ذکر ملتا ہے جس میں تاریخی مجلس محل شاہی، مجلس سرائے معالی خاں، مجلس میاں مداری، مجلس مسجد چوک وغیرہ وغیرہ یہاں ہم صرف مجلس چہلم اہلیہ میر ضمیرؔ کے ذکر کے بعد عظیم آباد اور حیدر آباد کی مجلس سے ہوتے ہوئے انیسؔ کی آخری مجلس پر بیان تمام کریں گے۔

مجلس چہلم اہلیہ میر ضمیرؔ

مرزا دبیر کے استاد میر ضمیرؔ نے میر انیسؔ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور ان کے عروجِ کمال کو

دیکھتے ہوئے اپنی اہلیہ کی مجلس چہلم میر انیسؔ سے پڑھوائی۔ اُس وقت میر انیسؔ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ اس مجلس میں تمام شہر کے امراروسا، اور خاص وعام کے علاوہ خواجہ آتشؔ اور خواجہ ناسخؔ بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں میر صاحب نے یہ مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی

جب میر انیسؔ نے تلوار کی تعریف میں یہ بیت پڑھی:

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے

شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

تو خواجہ آتشؔ جو پہلے ہی سے جھوم رہے تھے اور جن پر عالم وجد طاری تھا نصف قد سے کھڑے ہو گئے اور بلند آواز میں کہا۔ کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو واللہ تم شاعر گر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمھارے ہی سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔

مجالس عظیم آباد

میر انیسؔ چار سال ۱۸۵۹ء، ۱۸۶۰ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۲ء میں عظیم آباد تشریف لے گئے۔ تین سال آپ نواب قاسم علی خان اور آخر باران کے فرزند کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ میر مونسؔ بھی جاتے تھے لیکن ایک سال تینوں بھائی عظیم آباد گئے۔ چنانچہ پہلے مونسؔ اور پھر انسؔ اور آخر میں میر انیسؔ نے مرثیے پڑھے۔ میر انیسؔ نے اپنا شاہکار مرثیہ "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" عظیم آباد میں ۱۸۵۹ء میں پڑھا تھا۔

میر انیسؔ حیدر آباد میں

۱۸۷۱ء میں حیدر آباد دکن کے رئیس نواب تہور جنگ بہادر نے انیس کو حیدر آباد آنے

کی دعوت دی۔ میر انیسؔ ۱۰ر مارچ ۱۸۷۱ء سے ۱۵ر اپریل ۱۸۷۱ء تک حیدرآباد میں رہے۔ پہلی محرم کو انھوں نے مرثیہ سنانے سے پہلے یہ رباعی پڑھی۔

اللہ و رسولؐ کی امداد رہے ۔۔۔ سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
نواب ایسا رئیس اعظم ایسے ۔۔۔ یارب آباد حیدرآباد رہے

پھر مرثیہ ع: ''بخدا فارس میدان تہور تھا حُر'' پڑھا۔ جب مرثیہ شروع ہوا تو ایک سماں بندھ گیا اور چاروں طرف واہ وا کا شور بلند ہوا۔ میر انیسؔ نے پورے دس دن یکم محرم سے عاشور تک مسلسل مجالس پڑھیں۔ سارا حیدرآباد مشتاق بلکہ ''ہیبہ'' ہو گیا۔ کسی مجلس میں پانچ ہزار سامعین سے کم نہ تھے۔ یہاں کے معمر لوگ کہتے ہیں کہ سو برس سے ایسی مجلس اور ایسے مجمعے یہاں نہیں ہوئے۔ خاص کر نویں تاریخ کو میر صاحب نے ایک لاجواب مرثیہ پڑھا۔ مطلع ہے ع: ''جب خاتمہ بخیر ہوا فوجِ شاہ کا۔'' تہور جنگ بہادر نے پانچ ہزار روپے نقد نذرانہ دیا۔

آخری مجلس

''حیاتِ انیسؔ'' میں امجد علی اشہری لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ نے آخری مجلس نواب باقر علی خاں صاحب اور نواب جعفر علی خاں صاحب کے شیش محل میں پڑھی۔ اس مجلس میں جو مرثیہ پڑھا اس کا مطلع ہے۔ ''جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج''۔

بیماری

میر انیسؔ آنکھوں میں ضعف آنے کے بعد بے حد مضمحل رہنے لگے۔ لوگوں کے اصرار پر پڑھتے۔ کبھی کبھی مونسؔ اور نفیسؔ منبر کے پاس کھڑے رہتے اور بتاتے جاتے تھے۔ اتنے ضعیف ہو گئے کہ ہاتھ تھام کر چلنے کی ضرورت رہتی۔ دانت ہلنے لگے تو تار سے بندھوایا۔

اکثر تار سے خراش پہنچتی تھی۔ اس وقت بھی ظرافت ہاتھ سے نہ جانے دی اور فرمایا دیکھو ہیں دانتوں میں زبان پڑگئی ہے۔

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اے انیسؔ
پھر بھی دشمن کی نگہ میں خار ہوں

احسن لکھنوی لکھتے ہیں کہ ۲۴ رمضان ۱۲۹۱ ہجری میر صاحب تپ اور درد سر میں مبتلا ہوئے۔ رفتہ رفتہ جگر پر ورم آگیا۔ لکھنؤ کے مشہور اطبا کا علاج جاری رہا۔ آخر میں اسہال کبدی اور دق کی شکایت ہوگئی تھی۔ میر صاحب کا حال پوچھنے کے لیے اتنے لوگ آئے کہ ایک ڈھیر امام ضامن کا کمرے میں لگا ہوا تھا۔ مونسؔ کے دیوان فصاحت عنوان میں لکھا ہے کہ میر انیسؔ نے آخری وقت یہ رباعی کہی:

عازم طرف بالا ہوں میں
اب اپنے مکاں کو جانے والا ہوں میں
یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

وفات

۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۸۷۴ء شب جمعہ میر انیسؔ نے انتقال کیا۔ رات کو غسل دیا گیا۔ جناب غفران مآب کے امام باڑے میں قبلہ وکعبہ سید بندہ حسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھوائی اور اپنے باغ واقع سبزی منڈی میں نماز صبح سے پہلے سپرد خاک کئے گئے۔

پیری کی بھی دوپہر ڈھلی شکر انیسؔ
اب دیکھیں لحد کی رات کیوں کر گزرے

بہت سے لوگوں کو خبر نہ ہوئی لیکن پھر بھی ہزاروں غم گساروں نے نماز جنازہ پڑھی۔ جناب فضل احمد کیفؔ نے فی البدیہہ تاریخ رحلت کہی۔ ''جان بہ شب اوّل ذی قعدہ داد'' مجلس فاتحہ اور مجلس چہلم سید تقی صاحب کے امام باڑے میں ہوئی۔ چہلم کی مجلس میں جب نفیسؔ نے انیسؔ کی یہ رباعی پڑھی تو رونے کا کہرام مچا۔

دردا کہ فراق روح و تن میں ہوگا تنہا تن ناتواں کفن میں ہوگا
اس وقت کریں گے یاد رونے والے جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

قاضی عبدالودود مجلہ ''معاصر'' پٹنہ شمارہ ایک میں مضمون ''مرگ انیسؔ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ اودھ اخبار کی خبر کے مطابق حضرت مرزا دبیرؔ میر انیسؔ کی میت پر جا کر بہت روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان، فصیح اللسان اور قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ لطف نہ رہا۔

بقول صاحب یادگار انیسؔ (مطبوعہ سرفراز پریس لکھنؤ ۱۹۵۷ء صفحہ ۱۳۱) مرزا سلامت علی دبیرؔ نے ایک دردناک تاریخ میر باقر سوداگر کے امام باڑہ (چوک) کی مجلس میں پڑھی۔ چشم دید شہادت ہے کہ مرزا صاحب تاریخ کے اشعار پڑھتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے جاتے تھے۔

آسماں بے ماہ کامل، سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ

پورے شعر سے ۱۸۷۴ء نکلتے ہیں۔ مصرعہ ثانی سے ۱۲۹۱ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے ''انیسیے'' سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے دبیرؔ کی یہ تاریخ لوح مزار انیسؔ پر کندہ کروائی۔

مشہور عالم دین میر محمد عباس نے میر انیسؔ ہی کی رباعی کے چوتھے مصرعے سے مرحوم

کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

سالِ تاریخ بھی گویا کہ کلام ان کا ہے
''ہائے جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا''

(۱۲۹۱ ہجری)

ممتاز ادیب وخطیب جناب ضیاء الحسن موسوی نے میر انیسؔ کی لاجواب تاریخ وفات انیسؔ کے ہی مشہور مصرعے سے نکالی ہے۔

اپنے بارے میں حسن فرما گئے ہیں جو انیسؔ — اس سے بہتر سالِ رحلت اور ہو سکتا نہیں
اک صدی کے بعد بھی تاریخ دیتی ہے صدا — ''جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں''
۹۵ — ۱۷۷۹ء

''صدا'' کے ۹۵ اعداد انیسؔ کے چوتھے مصرعے کے ۱۷۷۹ کے ساتھ ملائے تو سال وفات (۹۵+۱۷۷۹)=۱۸۷۴ء برآمد ہوگا۔

□□□

میر انیسؔ مشاہیرِ شعر وادب کی نظر میں

ہم یہاں اُردو شعر وادب کے عظیم مشاہیر کے بیانات جو میر انیسؔ کی قدردانی میں ہیں مختصر طور پر پیش کرتے ہیں:

مرزا غالبؔ: اردو زبان نے انیسؔ اور دبیرؔ سے بہتر مرثیہ گو نہیں پیدا کیے۔ ایسے مرثیہ گو ہوئے ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ انیسؔ کا مرتبہ نہایت بلند ہے (یادگار غالبؔ۔ واقعات انیسؔ) میر انیسؔ کے مقابلہ میں دوسرے کا مرثیہ کہنا میر انیسؔ نہیں بلکہ خود مرثیہ کا منہ چڑھانا ہے آج دلّی اور لکھنؤ میں میر انیسؔ کی مرثیہ گوئی کو معجزۂ کلام مانا جاتا ہے۔ (حیات انیسؔ۔ امجد اشہری)

شیخ ناسخؔ: ایک دن ایسا آئے گا کہ ان کی زبان اوران کی شاعری کی عالم گیر شہرت ہوگی۔

خواجہ آتشؔ: کون بے وقوف کہتا ہے کہ تم محض مرثیہ گو ہو۔ واللہ باللہ تم شاعر گر ہو اور شاعری کا مقدس تاج تمھارے سر کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ خدا مبارک کرے۔ بھی اس میدان میں تمھارا سامنا ایک نہیں کرسکتا۔ انیسؔ کے مرثیہ پر سیکڑوں غزلوں

کے دیوان صدقے کیے جاسکتے ہیں۔

مرزا دبیرؔ:

تازہ مضموں نظم می فرمود در ہر بحرِ شعر
چشمۂ چشم شود ہم چشمِ کوثر بے انیسؔ
آسمان بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامین
طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیسؔ

دبیرؔ، میر انیسؔ کی میت پر جاکر روئے اور فرمایا ایسے معجز بیان، فصیح اللسان اور قدردان کے اٹھ جانے سے اب کچھ زندگی میں لطف نہ رہا۔

محمد حسین آزادؔ: جس طرح انیسؔ کا کلام لاجواب تھا اسی طرح ان کا پڑھنا بے مثال تھا۔ ان کے گھرانے کی زبان اُردو معلّٰی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ میں سند تھی۔ ان کے ذریعہ ہماری نظم کو قوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی۔

مفتی میر عباس لکھنوی:

بود از قلم اش مایۂ دکانِ حلاوت — می زد رقمش موج بہ دریائے سلاست
می ریخت زکلکش شکر و شیر فصاحت — برخوانِ سخن بود ازو شورِ ملاحت
تا رفت ہمہ نعمتِ ایوانِ سخن رفت — از رحلتِ او قدرت و امکانِ سخن رفت

الطاف حسین حالیؔ: الفاظ کو خوش سلیقگی اور شائستگی سے استعمال کرنے کو اگر معیار کمال قرار دیا جائے تو بھی میر انیس کو اردو شعرا میں سب سے برتر ماننا پڑے گا۔ میر انیسؔ کے

ہر لفظ اور ہر محاورہ کے آگے اہلِ زبان کو سر جھکانا پڑتا ہے۔ اگر انیسؔ چوتھی صدی ہجری میں ایران میں پیدا ہوتے اور اسی سوسائٹی میں پروان چڑھتے جس میں فردوسیؔ پلا بڑھا تھا وہ ہرگز فردوسیؔ سے پیچھے نہ رہتے۔ رباعی

اُردو کو راج چار سو تیرا ہے — شہروں میں رواج کو بکو تیرا ہے
پر جب تک انیسؔ کا سخن ہے باقی — تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

دلّی کی زبان کا سہارا تھا انیسؔ — اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیسؔ
دلّی جڑ تھی تو لکھنؤ اُس کی بہار — دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیسؔ

شیخ عبدالقادر: اڈیٹر مخزن لاہور، بابت دسمبر ۱۹۰۶ء

''میر انیسؔ مرحوم اس جہاں سے اٹھ گئے۔ مگر ان کا نام زندہ ہے جب تک اردو علم و ادب اور اردو دنیا میں بولی اور سمجھی جائے گی۔ مرثیہ کو ہندوستان میں میر انیسؔ مرحوم اور ان کے معاصرین کے زمانے میں وہ عروج حاصل ہوا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔''

''انیس کی شاعری میں علاوہ صداقت و اثر کے شاعری کے دیگر لوازمات تمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ تشبیہ و استعارہ کے وہ بادشاہ ہیں اور کبھی تشبیہ کے معاملے میں اپنے حلقے کے دیگر شعراء کی تقلید میں صحتِ مذاق کا خون نہیں کرتے۔ بلکہ غیر معمولی نازک خیالی و حسن بیان کا ثبوت دیتے ہیں۔ کسی خوبصورت نوجوان کے رخ پر سبزہ آغاز ہوتے دیکھ کر اس سے بہتر کیا تشبیہ سوجھ سکتی ہے کہ:

ع: دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

یا اس سے بہتر کیا مطالعۂ فطرت کا ثبوت ہوگا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے پتوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی جائے:

ع: پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے

غرض کہ اس قسم کی نازک خیالی کی مثالیں انیسؔ کے کلام میں سیکڑوں کیا ہزاروں دی جاسکتی ہیں۔ نازک خیالی ان کا خاص جوہر تھا۔"

نوبت رائے نظرؔ: لکھنؤ میں سبزی منڈی کی پشت پر ایک سنسان مقام پر ایک مختصر سی عمارت نظر آتی ہے جس میں وہ شخص آرام کر رہا ہے جو بالمیکؔ اور ہومرؔ، شیکسپیئرؔ اور فردوسیؔ ایسے یگانہ آفاق شاعروں کا ہم پلہ تھا اور جس نے اردو شاعری کو حدِ کمال تک پہنچا دینے میں یدِ بیضا دکھایا ہے۔ ہمارے نامور شعرا میں میر تقی میرؔ، مرزا محمد رفیع سوداؔ، شیخ امام بخش ناسخؔ، خواجہ آتشؔ اور مرزا غالبؔ اپنے اپنے رنگ کے موجد اور فردِ کامل تھے۔ لیکن ان سب کی صلائے فن کی خوبیاں جس ذاتِ واحد میں جمع ہوگئی تھیں وہ "خدائے سخن" انیسؔ تھے جنھوں نے مرثیہ کی ایک صنف میں تمام اصنافِ سخن کا جوہر کھینچ لیا تھا۔"

(مضمون۔ میر انیسؔ مغفور۔ مطبوعہ زمانہ کانپور، بابت فروری ۱۹۰۸ء)

مزاجؔ دہلوی: "کبھی کسی زمانے میں لوگ بگڑے شاعر کو مرثیہ گو کہا کرتے تھے۔ مگر میر انیسؔ سے موجد کی اختراعات و ایجادوں نے بڑے بڑے شاعروں اور ملک الشعرا کے دم بند کر دیے اور فنِ مرثیہ گوئی کو اہم و دشوار اور سنگلاخ سے سوا سخت

کردیا۔ یہی باعث تھا کہ ہم عصر شعرائے ہندوستان نے متفق الزبان ہو کر کہہ دیا کہ بس حضور! حقیقی اور تحقیقی شاعر آپ ہیں۔ جیسا کہ فن مرثیہ گوئی کے بارے میں خود میر انیسؔ صاحب کا کلام ہے ؎

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر
مگر ہم نے پلّہ گراں کردیا

لیکن اللہ رے انکساری۔ جب کوئی سخن فہم آپ کی تعریف کرتا تو آپ کسی محجوب بشر سے فرماتے کہ بھائی شاعر کون ہے؟ میں تو دکھڑے (مصیبت) کا کہنے والا ہوں۔ وہ بھی خدا جانے جس طرح چاہیے ہوتا ہے یا نہیں۔"

(تذکرۂ میر انیسؔ مرحوم، صفحہ ۲۔ ۳ مزاجؔ دہلوی ۱۹۰۷ء)

شبلی نعمانی: میر انیسؔ کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اس کے انھوں نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑوں مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم ہر درجہ کے الفاظ ان کو استعمال کرنے پڑے۔ تاہم ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کے کلام میں انسانی جذبات یا احساسات ایسے ہیں جہاں آکر انیسؔ کا اصلی جوہر کھلتا ہے اور یہیں ان کی شاعری کی حد ان کے ہم عصروں سے جدا ہوتی ہے۔ میر انیسؔ کا کلام شاعری کی تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کی جس قدر اصناف پائی جاتی ہیں اور کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتیں۔

اکبر الٰہ آبادی: انیسؔ کے کلام پر غور کرنا ذوق فہمی، نکتہ سنجی اور زبان شناسی کو فائدہ دیتا ہے۔

شادعظیم آبادی: ہر مرثیہ بلکہ ہر بند میں ایک لفظ کے مناسب دوسرا لفظ اس افراط واحتیاط سے لے آئے جس کی تعریف محال اور جسے دیکھ کر عقل گنگ ہوتی ہے۔ کہہ سکتا ہوں کہ قریب ایک لاکھ لفظوں کے جواہر اس خوبصورتی اور بے تکلفی سے چن کر بہ سلیقہ وترتیب جمع کر لیے تھے کہ اب جو چاہے اپنا دامنِ فکر بے کھٹکے بھر لے۔ فیاضِ مطلق کے دریائے فصاحت میں سے ایک ایک دُرِ بے بہا نکلا جس کی زرق وشرق سے ہمالیہ کی اونچی چوٹیوں سے لے کر بے آف بنگال تک دفعتاً جگمگا اٹھا۔ وہ کون۔ میر انیسؔ۔ بعض بعض سچے شعر میر تقی میر کے اور اس کے بعد حقیقت کا انشائے راز کرنے والے اکثر فطرتی اشعار انیسؔ کے اگر پڑھے جائیں تو اردو کا بینا کار اور انگریزی سے واقف کار شاید شیکسپیئر سے پیچھے ان دونوں بزرگوں کو نہیں رہنے دے گا۔

امجد اشہری: مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی تصویر کھینچنے کا کمال اُردو شاعروں میں میر انیسؔ کا حصہ سمجھا جائے۔ میر انیسؔ کی شاعری میں ایک بڑا کمال یہ ہے کہ جس موقع پر جو الفاظ خاص اثر دے سکتے ہیں وہی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میں نے میر انیسؔ کو لکھنؤ میں مرثیہ پڑھتے دیکھا ان کے اعجاز وضاحت کے اظہار میں میری زبان قاصر ہے۔ آنکھوں نے جو دیکھا اس کے لیے زبان نہیں جو وہ کچھ کہہ سکے اور زبان جو کچھ کہہ سکتی ہے۔ وہ اس کی ان دیکھی بات ہے۔

احسن لکھنوی: خدائے سخن میر تقی میرؔ کے چھ دیوانوں سے (۷۲) نشتر اربابِ بصیرت نے انتخاب کیے ہیں اور میر انیسؔ کے ترکش میں کتنے تیر ہیں یہ آج تک کوئی شمار نہ کر سکا۔

حامد علی خاں بیرسٹر لکھنوی: میر انیسؔ کی نسبت خدائے سخن سے کم درجے کے الفاظ بولنا سوئے ادب ہے۔

امداد امام اثرؔ: شعرائے نامی یعنی ہومر، ورجل اور فردوسیؔ میں ابوالشعرا ہومر ہی ہے جس کے ساتھ میر صاحب کا موازنہ صورت رکھتا ہے۔ ورنہ ورجل جو ہومر کا تتبع ہے میر صاحب کا ہرگز ہم پایہ نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ اُن کی ہم پائیگی کا استحقاق فردوسیؔ کو حاصل ہے۔ میر صاحب کو فردوسیؔ ہند کہنا میر صاحب کی ایک بڑی ناقدرشناسی ہے۔ راقم کی دانست میں میر صاحب کی کریکٹر نگاری ہومر کی کریٹر نگاری سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ وشک میر صاحب وہ الہامی شاعر ہیں کہ تائید غیبی کے بغیر میر صاحب کا کمال کوئی بنی آدم پیدا نہیں کرسکتا۔ میر انیسؔ کا موید من اللہ ہونا ایک امر یقینی ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد: آپ دیکھئے کہ حق تعالیٰ نے ایک اُردو شاعر انیس کو کیسی قدرت عطا فرمائی اور اس کے قلب پاک کو کیا نور بخشا ہے کہ وہ خاصان خدا کے ارواح پاک کی باتوں کو اس پاک وصاف طریقے سے نظم کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہی ارواح پاک بول رہی ہیں اور یہ بات بغیر الہام کے غیر ممکن ہے۔ اس لیے میری رائے میں اور شعراء دنیا میں آکر اپنے کسب علوم سے نامور ہوتے گئے۔ لیکن میر انیسؔ وہیں سے شاعر بنا کر بھیجے گئے تھے اور مدارج اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر گراہم بیلی:

"Anis employed an enormous number of words but preferred a simple, easy and flowing style. His family is famous for the use of pure and idiomatic Urdu. He had a wonderful power of description. This is seen best when he depicts human feelings, especially pathos and bravery or scenes of nature and fighting. He writes as if he had been present himself on the occasion which he describes and as if the people had spoken the very words which he has put down"

(History of Urdu Literature (P.60) by Dr. Graham Baily)

نظم طباطبائی: میر انیسؔ کے مراثی پر تبصرہ کرتے ہوئے طباطبائی نے مراثی کی اہمیت اور خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے: ''اس محفل میں یگانہ و بیگانہ، آشنا و نا آشنا، زباں داں و بے زباں سب اس کے مشتاق ہیں۔ کان اس آواز کو ڈھونڈتے ہیں جو دل دُکھادے۔ آنکھ اس رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی سماں دکھادے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوت بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر اور ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے مینہ نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں آتا۔ مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں، ہنسنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چورنگ لگانے کی کبادہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی، مگر ایک شخص ہے کہ اس کا وار خالی ہی نہیں جاتا۔ نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔'' اس کے بعد

نظم طباطبائی نے انیس کا یہ مصرعہ پیش کیا۔

ع: جان آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

پھر لکھتے ہیں: ''دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہے اور کتنے معنی اس مصرعے میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا۔ دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آئے تھے۔ ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہوگیا کہ یکا یک:

جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا
جاں آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے۔ کیا اس کے سحر حلال ہونے میں کچھ کلام ہے۔''
(مرثیہ کا مطلع ہے۔ ''ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں'' تقی)

مولانا عبدالحئی ندوی: ''انیسؔ نے بیان کرنے کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری میں بکثرت پیدا کر دیئے۔ ایک واقعہ کو سو سو طرح سے بیان کر کے قوت متخیلہ کی جولانیوں کے لیے ایک نیا میدان صاف کر دیا اور زبان کا ایک متعدد حصہ جس کو اب تک شاعروں کے قلم نے مس تک نہیں کیا تھا اور جو محض اہل زبان کے بول چال میں محدود تھا اس کو شعراء سے روشناس کر دیا۔''

پنڈت سندر نرائن مشران: ایک بزرگ شخص نے حضرت انیسؔ کے مرثیہ پڑھنے کا حال بیان

کیا کہ پہلے وہ جس وقت منبر پر جاتے تھے تو مجلس میں خاموشی اور سناٹا ہو جاتا تھا۔ کوئی بات کسی سے نہ کرتا تھا۔ پہلے وہ آستین چڑھاتے تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے دل ہلنے لگتے تھے۔ پھر جب وہ مرثیے کا بستہ ہاتھ میں لیتے تھے تو رقیق القلب سامعین کو رقت شروع ہونے لگتی تھی۔ صرف چشم و ابرو کے اشارے سے جذبات کو ادا کرتے تھے۔ انیسؔ کی فطرت شناسی، واقعہ نگاری، منظر کشی، انیسؔ کی رفعت تخیل غرض انیس کی شاعری کا ہر ہر پہلو ادبی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتا ہے۔ (خطبات مشران، صفحہ ۴۶، بزم اول مرتبہ نسیمؔ امروہوی مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ ۱۹۴۴ء)

برج نرائن چکبستؔ: زبان اور شاعری کی آئندہ اصلاح کے لیے میر انیسؔ کے انداز سخن اور رنگ بیان کا صحیح اندازہ کرنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ جس غیر صحیح مذاقِ سخن کی بنیاد پر ہم قدیم رنگ سخن کی قدر نہ کر سکے اس کی مدد سے ہم زبان و شاعری میں نئے جوہر نہیں پیدا کر سکتے۔ رام چندر جی پر طویل مثنوی میں چکبستؔ اقرار کرتے ہیں کہ ''انیسؔ سے انھیں وہ ادبی اور شعری تربیت اور ہدایات ملی تھیں جن کے بغیر وہ اپنے ایک ایک میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔''

ذکاء اللہ: شمس العلما مولوی ذکاء اللہ سابق پرنسپل عربی کالج الٰہ آباد لکھتے ہیں کہ میر انیسؔ کی وضاحتِ بیان اور ان کے طرزِ بیان کی دل فریب اداؤں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسا خوش بیان نہیں سنا اور نہ کسی کے ادائے بیان سے یہ مافوق العادت اثر پیدا ہوتے مشاہدہ کیا۔

امیرؔ احمد علوی: ایک دن وہ تھا کہ میر صاحب نے فرمایا تھا ؎

گر قدر داں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
جلدی مدد کریں گے شہِؑ آسماں جناب

اور ایک وقت وہ آیا کہ انیسؔ کی زبان سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ قدر شناس موتیوں اور جواہرات کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان کا کلام تحفہ کے طور پر دوسرے شہروں کو بھیجا جاتا تھا۔

عبدالحلیم شررؔ: میر انیسؔ میں ساری تکلف اور جذبات انسانی پر حکومت کرنے والی زبان کی وہ خوبیاں تھیں جو سوائے مبدائے فیاض کی عنایت کے سیکھنے سے نہیں آسکتیں۔ انھوں نے فنِ مرثیہ گوئی کو شاعری کی اور تمام اصناف سے بڑھا دیا اور اُردو ادب میں وہ نئی چیزیں پیدا کر دیں جن کو انگریزی تعلیم کے اثر سے طبیعتیں ڈھونڈنے لگی تھیں۔

سر تیج بہادر سپرو: انیسؔ ایک فطری اور پیدائشی شاعر تھے۔ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ پاکیزہ اور نکھری ہوئی اردو کے ماہر کی حیثیت سے ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ جدید ترکیبیں وضع کرنے کے نازک فن میں آج تک کوئی ان سے آگے نہ جا سکا۔ ان کی تشبیہیں اور استعارے فطرت، حیاتِ انسانی اور جذبات کی نامعلوم گہرائیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بلا کی آمد ہے۔ ان کی زبان اس قدر پُرشکوہ ہے اور ان کی شاعری فنی حیثیت سے اس قدر مکمل ہے کہ ناقد کو ان کے باب میں مجالِ سخن نہیں۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا

ہوں کہ کسی دوسرے مصنف نے ہمارے لئے انیسؔ سے زیادہ گراں قدر خزانہ نہیں چھوڑا۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ زبانِ اردو میں انسانی دماغ کے عمیق ترین خیالات و جذبات کے اظہار کا ذریعہ بننے کی کس قدر اہلیت ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اردو میں کتنی استعداد اور صلاحیتیں موجود ہیں۔

مخمور اکبر آبادی: ''یونانی میں جو درجہ ہومرؔ یا فارسی ادب میں جو مقام فردوسیؔ کا ہے وہی اردو میں انیسؔ کا ہے۔ انیسؔ سے پہلے مرثیہ صرف مذہبی و اعتقادی صنف نظم سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی نمایاں ادبی اہمیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ یہ فخر انیسؔ کا حصہ ہے کہ اردو زبان میں ایسے نئے اور پُر مغز باب کا ایسی قدرت اور حسن کمال سے اضافہ کیا۔ مرثیے میں پیکری حیثیت سے جو قوت و اثر لطافت و تازگی، سلاست و روانی انیسؔ نے پیدا کردی وہ اب تک متقدموں سے ممکن نہ ہوئی تھیں......... بہر عنوان مناظر کی نقاشی، میدان جنگ کی مصوری اور محبت کے علاوہ جرأت، ایثار، شرافت، انصاف، حق پسندی، حق گوئی جیسے بلند انسانی جذبوں کی مرقع کشی کے باب میں انیسؔ کے مرثیے ایلیڈ، اینیڈ، رامائن، مہابھارت اور شاہنامہ جیسی مقتدر اور مہتم بالشان لفظوں کے شاہکار ہیں جن سے اردو شاعری کا اخلاقی و تمدنی درجہ بہ مراتب بلند اور بہ منازل اہم ہوجاتا ہے۔''

(صحیفہ تاریخ اردو،
از سید محمد مخمور رضوی اکبر آبادی،
صفحہ ۲۲۷۔۲۲۹ سال اشاعت ۱۹۴۶ء)

جوش ملیح آبادی:

تیری ہر موجِ نفس روح الامیں کی جان ہے	تو مری اُردو زباں کا بولتا قرآن ہے
رزم کے میداں میں تو چلتی ہوئی تلوار ہے	بزم کی محراب در میں کلک گوہر بار ہے
اے امامِ کشورِ جادو بیانی السلام	اے کلیمِ طورِ الفاظ و معانی السلام

پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ: انیسؔ نے فن کو اس معراج پر پہنچا دیا کہ نقادکو ان کے باب میں مجال سخن نہیں۔ شاعری کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اس کے جو محاسن قرار دیے گئے ہیں اس کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کے اعتبار سے انیسؔ کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجے کی شاعری میں ہوگا۔ ایسی جامع صنف سخن انیسؔ مرثیے کے سوا اور کون ہے۔

جعفر علی خاں اثرؔ: کیا بے جا ہے اگر ہم انیس کو زبان اُردو کا محسن اور اس کو دنیا کی بڑی سے بڑی زبان کا ہم پلہ بنا دینے والا مانتے ہیں کہ ہم میں انیسؔ سا شاعر پیدا ہوا۔

ابوالکلام آزادؔ: دنیائے ادب کو اُردو ادب کی جانب سے میر انیسؔ کے مرثیے اور مرزا غالبؔ کی غزلیں تحفہ تصور کی جائیں۔ ادبیات اردو اور زبان اردو کو قعرِ گمنامی سے نکال کر مراثی انیسؔ نے بین الاقوامی ادبی سطح پر پہنچا دیا۔

پروفیسر احتشام حسین: میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی کے ساتھ ساتھ مرثیہ خوانی کو بھی ایک ایسی بلندی تک پہنچا دیا جس کا اب تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میر انیسؔ کی شاعری کے

وہ پہلو جس میں دنیا کے بہت کم شاعر ان کے مدِ مقابل قرار دیئے جاسکتے ہیں وہ ان کی انسانی نفسیات سے واقفیت اور اسی کی مصوری ہے۔

مولانا عبدالسلام ندوی: اردو زبان میں واقعہ نگاری کی بنیاد صرف مرثیہ گویوں نے ڈالی ہے اور میر انیسؔ نے اس کو معراجِ کمال تک پہنچایا جس کی مثال اردو کیا فارسی میں بھی مشکل سے ہی مل سکتی ہے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین: انیس کو زبان پر وہ قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر۔ جن الفاظ سے جس موقع پر جو کام لینا چاہتے ہیں وہ خادمانہ اطاعت کے ساتھ حکم بجالاتے ہیں۔

پروفیسر کلیم الدین احمد: انیسؔ روزمرہ کا استعمال نہایت خوبی سے کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی باتیں کررہا ہے۔ زبان میں روانی اور برش ذوالفقار کی سی تھی۔ اثر میں تیر ونشتر سے کم نہیں۔ اگر انیسؔ سے پہلے اور بعد کی شاعری پر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو اس بات کا صحیح اندازہ ہوگا کہ انھوں نے اردو شاعری کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ انھوں نے مرثیے کو اردو نظم میں بلند ترین مقام دیا اور یہی وہ صنف شاعری ہے جس نے ہماری زبان کو شائستہ زبان کا ہم پلہ بنادیا۔ اگر ارسطو کا یہ نظریہ تسلیم کرلیا جائے کہ شاعری دراصل مصوری ہے تاہم یہ بلا تامّل کہہ سکتے ہیں کہ میر انیس کو دنیا کے شعرا میں ایک اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری: میر انیسؔ اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ ان کے کلام

میں ایپک کی جملہ خوبیاں بدرجہ کمال پائی جاتی ہیں۔ انیسؔ کی رزم نگاری سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ وہ شاعر تھے۔ مورخ نہیں۔ انیسؔ کی خداداد صلاحیت کی بلندی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ انھوں نے ہر مرثیہ کے واسطے اُتنے ہی واقعات منتخب کیے جو ایک نظر میں سما سکتے ہوں اور پورے کے پورے ایک ہی نشست میں سنے جا سکتے ہوں۔

شاعر اہل بیت نجم آفندی:

جو اہلِ دل ہیں سمجھتے ہیں وہ مقامِ انیسؔ
ہے فن مرثیہ گوئی میں اہتمامِ انیسؔ
حسینیتؑ کی جو خدمت انیسؔ نے کی ہے
رہے گا تا بہ قیامت بلند نامِ انیسؔ

پروفیسر ایس جی عباس، کراچی

"Anis had the power of expressing one and the same thing in manifold ways. He was well. Versed in the art of expanding and compressing a passage, He had such a rich and inexhaustible stock of words which no other poet of Urdu, nor Probably any poet in any other language except John Milton, appears to have possessed. He was an accomplished master of synonyms which found a prominent place in his poetry, Similarly, he described an event either fully or partly and in a variety of ways but his descripition was highly natural and life-like. At the same time it never

tended to be heavy, monotonous and uninteresting. Similarly, the effect of his poetry was never lost even for a moment" (The Immortal Poetry and Mir Anis p164 by Prof. S.G.Abbas- Karachi, 1983)

صالحہ عابد حسین: میر انیسؔ نے صرف مرثیہ ہی کو معراج کمال پر نہیں پہنچایا بلکہ اردو کے خزانے کو بھی مالامال کیا ہے۔ ان کے ضخیم کلام میں ایسے ایسے کمالات زبان اور بیان کے ایسے ایسے معجزے ملتے ہیں جن کو سمجھنے اور پوری قدر کرنے کے لیے ابھی اور بہت وقت درکار ہوگا۔ اُن کے کلام کو جتنا پڑھتے جایئے اس پر جتنا غور و خوض کرتے جایئے بس ذہن خود اُن ہی کا یہ شعر دہراتا رہتا ہے۔

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

پروفیسر گوپی چند نارنگ: انیسؔ نے دراصل وہ کیا جو کسی بھی قوم یا کسی بھی ملک یا کسی بھی عہد میں کوئی بڑا شاعر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں عقیدے کی اصلیت کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے سماج کی سچائی کی نبض بھی چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ قاری اور تخلیق کی اس موافقیت سے انیسؔ کے کلام میں وہ شدتِ تاثیر پیدا ہوئی ہے جس پر اردو ناز کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانیت انیسؔ کے پورے کلام میں چاندنی کی طرح پھیلی ہوئی ہے اور اس کی بدولت بھی وہ ہمارے دلوں سے اس قدر قریب ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر شبیہ الحسن: میر انیسؔ کی فنی کرشمہ سازی کا ایک حیرت آفرین کمال یہ ہے کہ وہ اپنے مرثیوں کی بیت میں بڑی مہارت کے ساتھ رباعی کے چوتھے مصرعے کا سارا زورِ حسن پیدا کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ نازک ہنر ان کی فن کاری کی عظمت کا واضح ثبوت ہے۔

رام بابو سکسینہ: بہ حیثیت شاعر کے انیسؔ کی جگہ صفِ اولین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو اردو کے تمام شعرا سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور ان کو ہندوستان کا شیکسپیئر اور خدائے سخن اور نظم اردو کا ہومرؔ، اور ورجل اور بالمیکؔ خیال کرتے ہیں۔...... انیسؔ صحتِ محاورہ کا حد درجہ خیال رکھتے تھے اردو میں سیکڑوں نئے محاورے ان کے دم سے آئے اور سیکڑوں پرانے محاوروں کا بھی استعمال انھوں نے سکھایا۔

سفارش حسین رضوی: انیسؔ کا کلام زمان و مکان کی قید و بند سے آزاد ہے وہ رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ میر انیسؔ یعنی میر حسنؔ کے فن اور میر خلیقؔ کی زبان کے امتزاج سے تیار کیا ہوا مرکب جس میں شاعر کے ذہن کی آب اور طبیعت کی تاب ہے۔''

نسیم امروہوی:

انیسؔ چہرہ نویسِ نگاہ شعر و سخن — کمالِ فکر کا اک معجزہ انیسؔ کا فن

دماغ شعر ہے طبعِ انیسؔ سے روشن — کہ صدق و حق ہے تخیل میں اس کے جلوہ فگن

سخن میں جذبہ واحساس کو رواج دیا
ہر ایک نفس کو بالکل نیا مزاج دیا

سردار جعفری: میں انیسؔ کا شمار اردو کے چار عظیم شعرا میں کرتا ہوں۔ باقی تین میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ ہیں۔ مرثیے سے نظم نگاری تک ہر سفر میں انیسؔ کی شاعری نے میری بہت رہنمائی کی ہے۔ انیسؔ کے اثرات جوشؔ کے یہاں بہت واضح ہیں اور اقبالؔ کے یہاں بھی تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ بیسویں صدی کی نظم کی زبان کو انیسؔ انیسویں صدی میں مستند بنا چکے تھے۔ (مضمون انیسؔ کی معجز بیانی)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری: یوں تو انیسؔ کا شمار اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں ہوتا ہے لیکن کسی قدر تعجب کی بات ہے کہ ان کی زندگی اور فن پر کوئی جامع کتاب مرتب نہ ہوسکی۔ یہ انیسؔ جیسے صاحب کمال شاعر پر بہت بڑا ظلم ہے۔ میر انیسؔ سے ہماری بے اعتنائی کا یہ اثر ہوا ہے کہ وہ مجالس عزا اور عشرۂ محرم کے شاعر بن کر رہ گئے۔ ان کی وہ شاعرانہ بڑائی جس کے سبب ان کا نام دنیا کے بلند پایہ رزم نگاروں اور اردو کے ممتاز ترین شاعروں کے نام کے ساتھ کیا جاتا ہے نظروں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے۔

مولانا کوثر نیازی: انیسؔ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کے زوال آشنا اسلامی معاشرے میں ان قدروں کو مرثیہ کی شکل میں محفوظ کردیا ہے جو مذہب اسلام کی تہذیب وثقافت کا اصل مظہر ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا ادبی اور ثقافتی

کارنامہ ہے۔ ہماری نوجوان نسل اگر ان اخلاقی قدروں کو پورے شعور اور اعتماد کے ساتھ اپنا لے تو ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ انیس کی تراوشِ فکر نے جو مضامین نو کے انبار لگائے ہیں ان سے خوشہ چینی کے بغیر نہ اردو زبان آسکتی ہے اور نہ اردو ادب کا مطالعہ مکمل ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر ناظر حسین زیدی: اب تک انیسؔ کو محض مذہبی شاعر سمجھا گیا ہے اور اس کے کلام پر صرف ایک فرقہ کی اجارہ داری تسلیم کی گئی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے مذہبی شاعر سمجھنے کے بجائے آفاقی شاعر کی حیثیت سے دیکھا جائے اور شاعری کے مسلمہ عالم گیر معیاروں پر اس کا کلام جانچ کر اہل زمانہ کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ ادب کے مبصر اس کا صحیح درجہ پہچان لیں۔

مہاراجہ کشن پرشاد: اگر انیسؔ نہ ہوتے تو نئی شاعری کے لیے آزادؔ، حالیؔ، چکبستؔ اور کیفیؔ کو بڑے ہمت شکن تجربے کرنے پڑتے اور شاید کامیابی نہ ہوتی۔

لالہ سری رام: میر انیسؔ مرحوم صرف مرثیہ گویوں ہی کے سرتاج نہ تھے بلکہ زبان اردو کے ایک بڑے محترم اور مستند سرپرست، فن سخن کے مسلم الثبوت اور قادر الکلام استاد تھے۔

پروفیسر محی الدین قادری زورؔ: دنیا کی عظیم الشان نظمیں جن کی زبان اور خیالات نے اپنے اپنے ملک و قوم کی ذہنیت اور اخلاق و عادات کی اصلاح کی حسب ذیل ہیں۔

ایلڈ، مہابھارت، رامائن، پراڈائزلاسٹ، شیکسپیئر کے ڈرامے اور شاہنامہ۔
گوان تمام کے مصنفین زندۂ جاوید فلسفی، ممتاز شاعر اور بلند خیال معلم اخلاق
ہیں۔ ان کے دماغوں کی ساخت میں یکسانیت نمایاں ہے اور ان کے خیالات
میں اس درجہ وسعت نظر آتی ہے کہ ان کا کلام انسانی طاقت سے باہر نظر آتا ہے
لیکن ان سب شہکاروں پر ظاہری و معنوی دونوں حیثیتوں سے مراثی انیس کو
فوقیت حاصل ہے۔

ڈاکٹر مسیح الزماں: انیسؔ کا شمار اردو کے اُن عظیم شعرا میں ہے جن کے احسان سے اردو شاعری
کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

شارب ؔردولوی: یہ میر انیسؔ کی کردار نگاری کا عظیم کارنامہ ہے کہ وہ بنے بنائے اور تاریخی
کرداروں کو زندہ اور متحرک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ میر انیسؔ کردار کو زندگی کے
تقاضوں سے اس قدر ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ ان کی مثالی یا تاریخی ہونے
کا شبہ تک نہیں ہوتا اور سامع اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ یہ شخص اس کے قریب
کا کوئی آدمی ہے یہ اُن کے فن کا معجزہ ہے۔

امیر امام حرؔ: انیس کو اپنی ثقافتی تاریخ میں جو واقعہ غیرت دلانے اور ہمت بڑھانے کے لئے
نظر آیا تو وہ کربلا کا عظیم الشان اور جلیل القدر معرکہ تھا۔ اس میں انیس کو
اخلاقیات، نفسیات، خودداری، شجاعت اور صبر وحریت کے جوہر نظر آئے جنھیں
اس باکمال شاعر نے سلکِ نظم میں پروکر اردو ادب میں ایک غیر فانی اور گراں

مایہ اضافہ کردیا۔

شہید صفی پوری: اصول تنقید میں یہ امر مسلمہ حیثیت رکھتا ہے کہ کسی شاعر کے کلام کو سمجھنے کے لیے نقاد کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ زندگی کو اپنے نقطہ نظر سے نہیں بلکہ شاعری کے زاویۂ نگاہ سے دیکھے۔ مذہب اور شاعری کا ایک ایسا امتزاج جب مذہب، مذہب نہ رہے شاعری بن جائے اور شاعری شاعری نہ رہے مذہب بن جائے ایک معجزہ ہے اور ایسے معجزے روزانہ ظہور میں نہیں آیا کرتے۔ قدما کا ایسا سب سے پہلا شاعر ہومرؔ تھا اور متاخرین کا سب سے آخری شاعر انیسؔ تھا۔ مذہبی شاعری ہومرؔ سے شروع ہو کر انیسؔ پر ختم ہوگئی۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں: میر انیسؔ زبان کے بادشاہ تھے۔ ایک ایسے جوہری تھے جو الفاظ کو تراش کر استعمال کرتے تھے اور جس کی آب و تاب سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ میر انیسؔ نے فن مرثیہ گوئی کو حدِ کمال کو پہنچا دیا۔

انور سدید: اس سے بڑھ کر انیسؔ کے کلام کی قدر کی ناشناسی کی دلیل کیا ہوگی کہ ان کے فن کی تحسین موازنہ انیسؔ اور دبیرؔ سے آگے بڑھ نہ سکی۔ میر انیسؔ کے اشعار میں بے پناہ روانی اور تحرک ہے لفظوں قافیوں اور ردیفوں کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ لحظہ بہ لحظہ واقعات کے موتی اُگلتا ہے اور قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری ہے کہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے اور معنی و مفہوم کے عمیق باطن

میں غوطہ لگانے میں ہی اپنی عافیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ حرکت اور روانی میر انیسؔ کے فن کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ان کے مزاج کا ایک اہم زاویہ بھی ہے۔

ڈاکٹر نیر مسعود: بڑے اور حقیقی شاعر کی پہچان یہ ہے کہ اس کی اہمیت اس کے عہد سے لے کر بعد کے آنے والے ہر دور میں برقرار رہتی ہے۔ اردو میں اس معیار پر پورے اترنے والے شاعر میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے عہد سے لے کر آج تک اپنی اہمیت برقرار رکھی ہے۔ اصلی شاعری میں معنی اور آہنگ الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ شعر کی آدھی معنویت اس کے آہنگ میں آدھا آہنگ اس کی معنویت میں پوشیدہ رہتا ہے۔ اردو میں غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ کے یہاں معنی اور آہنگ کا ادغام کامل ہے اور انیسؔ کے یہاں اس ادغام کی جتنی مختلف النوع صورتیں نظر آتی ہیں اتنی تو غالبؔ اور اقبالؔ کے یہاں بھی نظر نہیں آتیں۔

ڈاکٹر فضل امام: انیسؔ نے اپنے فکر وفن کی وسعتوں سے صرف اردو مرثیہ نگاری کو ہی توانا اور موثر نہیں بنایا ہے بلکہ اردو شاعری کو باآبرو بنا دیا۔ اگر مراثی انیسؔ نہ ہوتے تو جدید نظم نگاری کی بنیاد اور ابتدا کا تصور ہی ایک امرِ محال تھا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ: انیسؔ کے کلام میں زخموں کے گلستان کھلے ہیں۔ وہ زخم اہل بیتؑ کے بھی ہیں اور ان کے اپنے دل کے زخم بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ میر تقی میرؔ رو کر اوروں کو صرف رلانا ہی جانتے ہیں۔ انیسؔ روتے اور رلاتے بھی ہیں مگر اس

طرح کہ رونے والا محظوظ بھی ہوسکتا ہے اور یہ حظ اس تہذیب غم سے پیدا ہوتا ہے جس نے انیسؔ کے مرثیوں کو دنیا کی شاعری میں ایک منفرد اور برتر مقام عطا کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر شان الحق حقی: انیسؔ کے مراثی میں ڈرامائی انداز اور ڈرامائی فضا اتنی عام ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انیسؔ کے ہاں ڈراما بیانیہ شاعری کے ساتھ ہی ساتھ موجود ہے اور بعض مرثیوں میں بیان پر حاوی نظر آتا ہے۔ یوں تو انیسؔ کا کوئی بھی مرثیہ مکالمے اور ڈرامائی مناظر سے خالی نہیں لیکن ایسے بھی مرثیے ہیں جو بیشتر تقریر و مکالمے پر مشتمل ہیں۔ انیسؔ اپنی طرف سے اتنا نہیں بولتے جتنا کہ ان کے کردار بولتے نظر آتے ہیں۔ انیسؔ کے مرثیوں میں مناظر کو اسٹیج پر برپا کرنے کی ضرورت یا کمی محسوس نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر وقار عظیم: انیسؔ کے فن کارانہ تصرف کے بعد قومی شاعری ایک مستقل سانچا بن گئی۔ حالیؔ کے مُسدّس اور اقبالؔ کے شکوہ اور جوابِ شکوہ میں اسی کا عکس ہے۔

فضل قدیر: میر انیسؔ ایک عظیم شاعر ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ انھوں نے مشاہدۂ حق کی گفتگو کی ہے لیکن باوضو اور پُر تقدیس انداز میں۔ ان کے کلام میں ایک بھی شعر ایسا نہیں جس میں مذہبی معتقداں پر اشارتاً بھی کوئی چوٹ کی گئی ہو۔ انیسؔ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کے سخت مخالف تھے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کو متحد اور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر فدا حسین: واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے تب اس کو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورے میں سین کھنچا کہتے ہیں اور یہ کمال فردوسیؔ اور انیسؔ ان دونوں ہستیوں پر ختم ہوگیا۔ جہاں بھی جو واقعہ بیان کیا گویا اس کی ایک زندہ تصویر پیش کردی۔

سید ہاشم رضا:

جہاں میں سطوتِ شاہی کو مختصر دیکھا — سخن میں تیری خدائی کو معتبر دیکھا
سند ہیں شعر ترے مستند زباں تیری — ترے ہنر کا ہے پرتو جدھر جدھر دیکھا
ہر ایک بحر میں تو نے گہر فشانی کی — ہر ایک بیت میں ہیروں کو منتشر دیکھا
خزانہ تو نے لٹایا ہے شعر و معنی کا — جسے بھی فکر ہوئی اس نے تیرا در دیکھا

حامد حسن قادری: "میر انیسؔ نے مرثیہ کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔ مرثیے کے تمام اجزا بہترین اسلوب کے ساتھ لکھے۔ مرثیہ کی جملہ خوبیاں زبان و ادب کے لحاظ سے ایسی پیدا کیں کہ ان سے بہتر تصور میں نہیں آسکتیں۔ خصوصاً مناظر و جذبات کی محاکات (تصویر کشی) میں تمام متقدمین و معاصرین سے ممتاز ہیں۔ بین اور الم کے مضامین بھی سب سے زیادہ دل گداز تھے۔"

(تاریخ و تنقید، صفحہ ۱۱۱ تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء آگرہ)

احسن فاروقی: انیسؔ شاعروں کا شاعر ہے اور جسے شاعری سیکھنی ہے اسے انیسؔ کے در کی جبہ سائی کرنی پڑے گی۔

سید عابد علی عابد: انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر صنف کے رمز سے فائدہ اٹھا کر مرثیے کو ایک ایسی چیز بنا دیا جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، ڈرامہ، داستان سب ہی چیزوں کا رنگ جھلکتا ہے اور اس کے باوجود اس صنف سخن کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔

آل احمد سرورؔ: اردو شاعری میں میر انیسؔ کا درجہ بڑے شاعروں میں بھی بہت بڑا ہے۔ پڑھنے والا انیسؔ کی خطابت ان کی جادو بیانی اور ان کی عقیدت کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر وحید اخترؔ: انیسؔ کا اثر بعد کی نسلوں پر گہرا ہے کہ اسے سمجھے بغیر اردو نظم کے لب ولہجہ کو سمجھنا ممکن نہیں۔ چکبستؔ کے مسدس تو صاف انیسؔ کا چربہ نظر آتے ہیں۔ اقبالؔ کے مسدسوں ہی میں انیسؔ کا پرتو نہیں بلکہ دوسری نظموں میں بھی انیسؔ کے اسلوب کا عکس جھلکتا ہے۔ جوشؔ جن کے لیے کہا جاتا ہے کہ اردو میں الفاظ کا اتنا بڑا جادوگر دوسرا نہیں ہوا انیسؔ ہی سے کسب فیض کرتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر: میر انیسؔ مرثیہ نگاری کو ایک ایسا ہمہ گیر اور بامقصد آرٹ سمجھتے تھے جو افادیت و مقصدیت اور سادگی و پرکاری اور بے خودی و ہوشیاری کا بہترین امتزاج ہو۔ اس لئے انیسؔ کے ساتھ "توصیف" اور "رقت" کے ساتھ تعریف کے التزام کو ضروری تصور کرتے تھے۔

احمد ندیم قاسمی:

جہانِ شعر کا اک ایک نامور دیکھا   انیسؔ تجھ سا نہ کوئی بھی باہنر دیکھا

ہیں متفق سبھی اہلِ ہنر کہ تیرا مثیل
نہ تیرے بعد ہی دیکھا نہ پیشتر دیکھا

سید فیضی:

پروردگارِ شعر خدائے سخن انیسؔ
نورِ تخیلات کا ہے بانکپن انیسؔ
مجلس انیسؔ بزم انیسؔ انجمن انیسؔ
منبر کی جان طرزِ خطابت کا فن انیسؔ
حکمت کی روشنی ہے وضاحت کا ذوق ہے
جادو بیاں انیسؔ دبستانِ شوق ہے

سید عاشور کاظمی: میر انیسؔ نے مرثیہ گوئی میں جو راہیں تراشی ہیں ان کے بعد آنے والے کم و بیش انھیں راہوں پر چل رہے ہیں، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مرثیے کا قافلہ جہاں پہنچا ہے وہ میر انیسؔ کے صدقے میں پہنچا ہے۔ جدید مرثیے کے ساتھ چلنے والوں نے بھی میر انیسؔ کی احسان فراموشی کبھی نہیں کی۔ میر انیسؔ کی عظمت نہ کبھی متنازعہ تھی نہ ہوگی۔

ڈاکٹر ہلال نقوی: انیسؔ اس لئے بھی اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کہلائے کہ ان کے مرثیوں میں ادبیت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ موجود ہے جس نے انسانی جذبات کو روشنی کی زبان دی۔ ان کی شاعرانہ عظمتوں کی وہ صفات جو انھیں تمام مرثیہ گو شعرا سے الگ کر دیتی ہے ان کے متعدد زاویے ہیں لیکن دو زاویے اس ذیل میں بہت اہم ہیں ایک تو کردار و واقعات کے ذیل میں ان کی نفسیاتی پیچ اور دوسرے ان کی زبان۔

فیض احمد فیض: قدیم شعرا میں ہمارا پسندیدہ شاعر کون ہے۔ ویسے اردو شاعری میں تو پہلا نام میرؔ ہی کا آتا ہے۔ میرے خیال میں غالبؔ سے ذہنی لگاؤ کی بنا پر اس کا نام میرؔ سے پہلے آتا ہے۔ جہاں تک زبان و اسلوب کا تعلق ہے اس میں میرؔ کا جو طرز بیان ہے اس سے استفادہ نہ کرنا اپنے آپ کو محروم رکھنا ہے۔ جہاں تک الفاظ اور ترنم کا معاملہ ہے ہم میر انیسؔ سے کسب فیض کرتے رہے اور جہاں تک آج کل کے ذہن و خیال کا تعلق ہے ہم بھی اقبالؔ سے متاثر ہیں۔ (فیض، مطبوعہ انٹرویو)

ڈاکٹر صفدر حسین: انیسؔ اس خانوادے کے ایک فرد تھے جس کی کم از کم چار پشتیں تو ضرور ہی محافظت زبان میں گزری تھیں۔ انیسؔ اپنے عہد میں اس تحریک کے سب سے بڑے محافظ اور پاسبان تھے جس کی خصوصیات صحت، صفائی، پاکیزگی، شگفتگی اور شیرینی تھیں۔ انیسؔ کے کلام میں سلاست، شیرینی اور شکوہ کے امتزاج سے رفعت بیان پیدا کی گئی ہے۔ یہاں ندرت تشبیہ و استعارات کا عمل بھی نمایاں ہے لیکن صنعتوں کا استعمال بھی بڑے حسین انداز سے ہوا ہے۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کی کوئی کمی نہیں جن میں حسن رعایت اپنے عروج پر ہے۔

اللہ ری خوشبو تنِ محبوب خدا کی
پھولوں کی مہک آگئی کلیوں سے قبا کی

(شاہکار انیس، ڈاکٹر صفدر حسین)

مولوی عبدالحق: انیسؔ کی زبان سنگم ہے۔ چند زبانوں اور مختلف قسم کے الفاظ کا جو ہمارے

شعرا کے یہاں کمیاب ہے۔ ہمارا ہر شاعر صرف ایک صنف پر عبور رکھتا ہے اور اسی کا وہ استاد یا شاعر کہلاتا ہے۔ اس کو مخصوص کسی ایک صنف سے متصف کیا جاتا ہے لیکن انیسؔ کا کلام مجموعہ ہے زندگی اور شاعری کے مختلف پہلوؤں کا۔

(فرہنگ انیس۔ نائب حسین نقوی)

مولوی سید احمد صاحب فرہنگِ آصفیہ: انیسؔ محاورات کا بادشاہ تھا۔

(فرہنگ آصفیہ۔ نائب حسین نقوی)

نائب حسین نقوی: میر انیسؔ کا مطالعہ عوام اور خواص نے حتیٰ کہ مرثیے کے شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس کا حق تھا۔ ایک طبقہ نے تو محض رونے رلانے کے پیش نظر پڑھا اور اس کے آگے کچھ سوچنے کی زحمت نہ کی لیکن میں عرض کروں کہ انیسؔ کے یہاں رثائیت کا عنصر تقریباً آٹھواں حصہ رہ جاتا ہے۔ باقی تمام کلام دوسرے اصناف و اقسام یا موضوعات و عنوانات سے مملو ہے۔ حمد، نعت، منقبت، مدح، قصیدہ، مثنوی، غزل اور اس کے ماورا عمرانیات جمالیات، سیاسیات، جنگ اور ان تمام موضوعات کے مختلف گوشے بھی ان کے پیش نظر رہے۔

افتخار عارف: حیرت ہوتی ہے کہ فی زمانہ انیس کو ویسا مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور ایک زمانے تک وہ جس کے حقدار سمجھے جاتے رہے۔ ہمارے بچپن میں میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ عظیم شعرا کی ذیل میں زیر بحث

رہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز وعروج میں نظیرؔ اکبرآبادی بھی اس فہرست میں شامل ہوگئے کہ ان کی جڑیں اپنی دھرتی اور اپنی عوام سے پیوست تھیں۔ پچھلے چند برسوں میں انیسیات میں کوئی بہت قابلِ ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ برادر گرامی قدر نیرؔ مسعود نے اپنے والد بزرگ استادالاساتذہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی روایت میں بلاشبہ جوگراں اضافے کیے اور مرحوم ومغفور سید جواد علی زیدی، شاربؔ ردولوی، پروفیسر گوپی چند نارنگ کے کچھ مضامین استثنا قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اب تو رثائی ادب کی تحریریں عزاخانوں کے مذہبی کتاب گھروں تک محدود ہوکر رہ گئی ہیں اور بڑے شہروں میں مراثی کے مجموعہ بہت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔

اودھ نریش شری رام چندر جی کو مرکز ومحور مان کر تو سوامی تلسی داس نے رام چرت مانس لکھی۔ اودھی زبان میں اور اودھ کی دھرتی پر۔ سو رامائن میں پوری ہندوی سبھیاسانس لیتی نظر آتی ہے۔ عظیم شاعر نے عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ انیسؔ نے اسی اودھ میں رہتے ہوئے اسلام کے ایک جلیل القدر گھرانے کے فرد نبیؐ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیؐ کے نواسے، علیؑ اور فاطمہؑ کے بیٹے حسینؑ اور باطل کے نمائندے یزید کے لشکر کے مقابل کربلا میں قیام کو موضوعِ شعر بنایا اور ایسی شاعری کی جس پر معجزے کا گمان ہوتا ہے۔ مرثیہ گوشعرا نے زبان کے تخلیقی ارتقا میں وہ کام کیے جو دوسرے شعرا انجام نہ دے سکے۔ انیسؔ جس کے سب سے اہم نمائندہ تھے۔ اس کا اعتراف واحترام واجب آتا ہے۔

(اقتباس از مکتوب افتخارؔ عارف بنام تقی عابدی)

□□□

maablib.org

میر انیسؔ کے سلاموں کا تجزیہ

یہاں ہم نے اردو سلام کے تاریخی اور تدریجی ارتقا پر اس لیے بھی گفتگو نہیں کی کہ یہ ایک بذاتِ خود طولانی اور وسیع موضوع ہے جس کو ہم نے اردو سلام نگاری کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صنف شاعری پر بہت کم کام ہوتے ہوئے بھی اتنا سارا تحقیقی اور تنقیدی مواد فراہم کیا جا چکا ہے کہ شعر و ادب میں اس کا مقام تعین کیا جا سکے۔ سلام ایک مستقل صنف سخن ہے جسے مرثیے کی توسیع میں شامل کر سکتے ہیں۔ عربی اور فارسی ادب میں سلام کا صنفی اور تخلیقی وجود نہیں، یہ مکمل برصغیر کی پیداوار ہے چناں چہ فارسی سلام بھی برصغیر ہی کے شاعروں نے یہاں کی عزاداری کی عام فضا سے متاثر ہو کر کہے ہیں۔ تاریخی حوالوں سے ثابت ہے کہ سلام کی ابتدا دکن سے ہوئی اور پھر اس کے ارتقائی مدارج شمالی ہند میں طے ہوئے لیکن سلام کا سنہری دور وہی زمانہ تھا جس میں رثائی ادب کے فلک پر انیسؔ اور دبیرؔ آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ سے لے کر آج تک ہر بڑے اور ممتاز شاعر نے اردو یا فارسی میں سلام کہے۔ سلام اگرچہ گذشتہ دو صدیوں سے غزل کی ہیئت میں کہا جا رہا ہے لیکن ابتدا سے اِسے ہر ہیئت میں برتا گیا۔ اسی لیے قدیم سلام، مربع، مخمس، مسدس، مثنوی، ترجیع و ترکیب بند کے علاوہ قطعات وغیرہ بھی نظم کیے گئے۔ سلام کے مطلعے میں پہلے سلام علیک، فاتحہ، سلام، سلامی، مجرا، مجرائی وغیرہ

جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے جو آہستہ آہستہ جدید سلام نگاروں نے متروک کر دیے۔ ابتدا میں سلام کا مقصد صرف حضور اکرمؐ اور بزرگان دین کی روحوں پر درود وسلام بھیجنا تھا چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ دوسری مذہبی اور انسانی قدریں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں۔ اگرچہ سلام ہیئت میں مقصدی غزل معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں غزل کی طرح رومانیت اور سوقیانہ الفاظ کی کھپت نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ یہاں بھی شاعر تعلّی اور فخر و مباہات کی گفتگو کرتا ہے لیکن اس کا لہجہ عجز و انکساری سے لبریز رہتا ہے۔ شاعری کے تمام محاسن سلام میں بھی قدر سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں تہذیبی، ثقافتی، علمی، اخلاقی اور انسانی قدروں کا ذکر نظر آتا ہے۔

سلام میں ماحول اور اپنے دور کے مسائل کی چھاپ سنائی دیتی ہے۔ موجودہ دور میں سلام نظم معرّیٰ اور آزاد نظم میں بھی لکھا جا رہا ہے بی بی آج کل سلام سے ثواب عقبیٰ کے علاوہ اخلاق سازی کا کام لیا جا رہا ہے۔ کتاب اخلاق کا شاید ہی کوئی درس ہو جو سلام میں موجود نہ ہو، لیکن ان تمام قدروں کو دیکھتے ہوئے اردو سلام میں واقعہ کربلا اور شہدائے کربلا کا ذکر ضروری ہے۔ کربلائی سلام کا محور امام حسینؑ کی ذات اور ان کی شہادت ہے جو ایک تحریک کی شکل میں اشعار میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ یہاں شخصیت امام حسینؑ ایک منارۂ روشنی ہے جو انسانوں کی طوفانی زندگی میں ظلم واستبداد سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

اس مختصری تمہیدی گفتگو کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میر انیسؔ کے سلام شاہکار نظمیں ہیں جن پر اس طرح کی توجہ نہ ہوئی جن کی وہ مستحق تھیں۔ میر انیسؔ کے جو سلام ہمارے درمیان موجود ہیں ان کی تعداد ایک سو سے بھی کم ہے۔ ہم نے سلام وکلام انیسؔ میں بعض ایسے بھی سلام شامل کیے ہیں جو اگرچہ میر انیسؔ کے مطبوعہ کلام میں ہیں لیکن دراصل ان کے بھائی میر نواب مونسؔ کے ہیں۔ اس احتیاط کی خاطر ایسے چھ آٹھ سلاموں کی ہم نے نشاندہی کی ہے اور انیسؔ کے سلاموں کے تجزیے میں انھیں شامل نہیں کیا۔ یہاں ہم نے

صرف سلاموں کے اشعار کو تجزیہ میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ مرثیوں، رباعیوں، قطعوں، تضمینات، مناجات اور جداگانہ منقبت کے شعروں کا جدا جدا تجزیہ کیا ہے تاکہ پڑھنے والے پر یہ روشن ہو جائے کہ اگر میر انیسؔ صرف سلام کے سوا کوئی اور صنف میں طبع آزمائی نہ کرتے تب بھی اقلیم سخن کے خدائے سخن ہی رہتے۔ انیسؔ نے کہا تھا۔

نظم ہے یہ یا در شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

میر انیسؔ کے سلاموں کا ذکر کرتے ہوئے بعض انیسیات اور ادبیات کے معروف شخصیتوں نے بڑے زور و شور سے یہ جملہ کہا ہے کہ اگر بعض سلام کے اشعار کو نکال کر غزل کے شعروں میں ڈال دیں تو غزل کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صنف سلام میں میر صاحب کی قوت متخیلہ اور قادر الکلامی کی بہت معمولی تعریف اور تشریح ہے، جیسا کہ ہم نے کہا ہے سچ تو یہ ہے کہ اگر میر انیسؔ سلاموں کے علاوہ کچھ اور نہ لکھتے تب بھی سلاموں میں موجود تغزل، نادر مضامین، طرز بیان اور قادر الکلامی ان کو اردو کے عظیم شعرا میں قرار دیتی۔

میر انیسؔ ایک واقعہ میں اپنی قوت متخیلہ کی وجہ سے سو باریک باریک جزئیات بیان کرتے ہیں یعنی جو بھی معمولی سا معمولی خیال ان کے ذہن کی فضا میں آجاتا ہے اس کو فوراً الفاظ کا لباس پہنا کر قرطاس کے قفس میں بند کر دیتے ہیں اس کام کے لیے وہ واقعہ کی نسبت سے ان الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جو اس موضوع کے لیے موزوں ہوں اور جو الفاظ مصرعے کے دوسرے لفظوں سے باہمی ربط رکھتے ہوئے اس واقعہ کے ایسے معنی پیش کریں جو پڑھنے

اور سننے والے کو متاثر کرسکیں۔ اسی عمل کا نام قادر الکلامی ہے جو صرف الفاظ و معانی کا نباض خداداد فطری جوش سے تکمیل کرتا ہے۔ اسی لیے تو ایک مقام پر انیسؔ نے کہا تھا۔ ع: جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں۔

شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے
خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

میر انیسؔ نے جب شاعری شروع کی تو غزلیں لکھنے لگے اور ان کی غزلیں مشاعروں میں مقبول ہونے لگیں۔ شفیق باپ میر خلیقؔ نے بیٹے سے کہا غزل کو سلام کرو۔ انیس نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ ایک تو پھر غزل نہیں لکھی۔ دوسری طرف سلام میں ایسے تغزل کے اشعار لکھے۔ وہ غزل سلام کی شکل ہوگئی جن میں پاکیزہ مطالب کے ساتھ ساتھ پاکیزہ الفاظ بھی شامل تھے جو کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے تھے۔ میر انیسؔ نے مرثیوں میں سراپا نگاری اور منظر کشی میں کھل کر عمدہ تغزل کا اظہار کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عرفانی اشعار، اخلاقی اشعار، انسانی قدروں کی جمالیات کے لیے بھی ایسے تغزل بھرے اشعار لکھے کہ وہ اگر نکال کر کسی غزل میں شامل کردیے جائیں تو غزل کے شعر لگیں۔ مرثیوں میں تلوار، گھوڑے وغیرہ کے مضامین کو بھی غزل کی رنگینی اور شگفتگی کے ذریعے خوبصورت بنادیا۔ ایک سلام کا مطلع دیکھیے۔

کچھ اور جز سخن نہیں اہل سخن کے پاس
مجرائی کیا زباں کے سوا ہے دہن کے پاس

کتنا صاف ستھرا اور شگفتہ شعر ہے جو سادگی اور حقیقت سے سجا ہوا ہے۔ پورا شعر روز مرہ میں ہے۔ صنعت مراعات میں سخن اہل سخن زبان اور دہن شامل ہیں۔ صنعت لف ونشر مرتب میں سخن زبان اور اہل سخن دہن ہیں۔

ٹپکے ہر موج نہ ساحل سے سر اپنا کیوں کر
پیاسا جب قتل شہ جن و بشر ہو جائے

حسینؑ یوں ہوئے اے مجرائی وطن سے جدا
کہ جیسے بلبل ناشاد ہو چمن سے جدا

میر انیسؔ ہر مقام اور موقع سے استفادہ کر کے مضمون کو نیا روپ دیتے ہیں۔ روز عاشور حضرت عباسؑ پیاسے بچوں کے لیے پانی لانے کے لیے نہر علقمہ کے محاصرے کو توڑ کر گھوڑے کو نہر میں اتار کر مشکیزہ بھرتے ہیں۔ ذیل کا شعر حضرت عباسؑ کے سراپا سے تعلق رکھتا ہے۔

دریا میں عکس روئے مبارک جو ہے پڑا
ہیں رشک گل حباب تو پانی گلاب ہے

خوبصورت چہرے کو گل سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ چنانچہ جب گل جیسا چہرہ پانی میں نظر آرہا ہے تو حباب جو آنکھ کی شکل ہونے سے دریا کی آنکھ ہیں وہ رشک کرنے لگے اور گل چہرہ پانی میں حل جانے کی وجہ سے پانی گلاب ہو گیا۔

اس شعر میں صنعت مراعات النظیر میں دریا، حباب، پانی اور گل وگلاب شامل ہیں۔ سراپا میں رنگ و بو کا اہتمام ایک ہی شعر میں آسان کام نہیں۔

ذیل کے ایک شعر میں "حباب" آنکھ نہیں بلکہ ایک لحظہ زندگی کا استعارہ ہے۔ بحرِ جہاں کی نادر ترکیب نے شعر کو زمین سے اٹھا کر فلک پر چڑھا دیا۔

سمجھاتے تھے عمر کو لب نہر شاہِ دیں
بحرِ جہاں میں زندگی مثل حباب ہے

میر انیس تشبیہ، استعارے اور کنائے سے شعر کی تاثیر میں اضافہ اور معنی میں کثرت پیدا کرتے ہیں جو معنی آفرینی کے لیے ضروری ہے۔ سچ یہ ہے کہ تشبیہ خود، استعارے اور کنائے کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے استعارے کی رمزی اور ابہامی کیفیت ہے جو معنی آفرینی اور جدت ادا کے لیے سازگار ہے۔ یہ بھی بڑی حد تک صحیح ہے کہ نظم میں بیانیہ اور مفصل مضامین تشبیہ سے سجائے جاتے ہیں جب کہ غزل میں استعارے اور کنائے سے۔ شاید اسی لیے میر انیسؔ نے استعارے اور کنائے کو اغلب سلاموں میں استفادہ کیا ہے اور تشبیہات کو مرثیوں میں۔

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطہ دے کے ناخن پر
نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی

خیال ہم سفری زلف شہ کا سودا واہ
چمن میں کیا مجھے سنبل پہ پیچ و تاب آیا

سلامی چشم میں آنسو ہیں یا دریا چھلکتا ہے — جگر میں داغ ہیں یا کھیت لالے کا مہکتا ہے
دم تحریر گل ریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر — صریر کلک ہے یا باغ میں بلبل چہکتا ہے

سپاہ شام سے نکلا جو حُر تو بولے شاہ
وہ آفتاب درخشاں ہوا گہن سے جدا

یہ جھریاں نہیں، ہاتھوں پہ ضعف پیری نے
چنا ہے جامہ اصلی کی آستینوں کو

میر انیسؔ کے یہاں استعارے صرف کلام کی تزئین کے لیے نہیں بلکہ تاثیراتی ہیں کیونکہ یہ معانی و بیان کی جان ہوتے ہیں اور یہی جذبات اور داخلی تجربوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ میر انیسؔ کے استعاروں کی ندرت توانی تازگی اور بلندی بتاتی ہے کہ یہ استعارے ایک بلند و عظیم شاعر کے ہیں۔ اگر کوئی اسکالر میر انیسؔ کے کلام میں علم بیان کے محاسن تلاش کرے تو میر انیسؔ کا جوہر اور عظمت سامنے آئے گی۔

ابروؤں پر شہ کی کیا زیبا ہے نورانی جبیں
خوش نما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر

مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسرو خاور بھرے ہوئے

قلب میں داغوں کے گل دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیہ لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

مجلس میں بہر نذر شہنشاہ کربلا
دست مژہ ہے سُبحۂ گوہر لیے ہوئے

یہ سچ ہے کہ پرانے مصرف شدہ اشارات، کبھی گھسے پٹے نہیں ہوتے۔ ایک قادرالکلام شاعر تخیل اور جذبات نگاری سے ان سے ہر موقع اور مقام پر نئے نئے معانی اخذ کرتا ہے۔

انیسؔ اگرچہ غزل نگار نہ تھے لیکن ان کے سو سے زیادہ سلاموں کے بعض اشعار اس خوبی اور کرشمہ سے مزین ہیں۔

جگہ نہ پائی جو کثرت میں سانس لینے کی   میانِ بحرِ فنا دم بخود حباب آیا

خیال ہم سفرِ زلفِ شہؑ کا سودا واہ   چمن میں کیا مجھے سنبل پہ پیچ و تاب آیا

پڑا جو سایہ گیسوئے پیچدارِ حسینؑ   تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

الفت یوسف زلیخا کو، ہمیں حبِ علیؑ   کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر تو کوئی چاہ پر

اس شعر کی خوب صورتی تلمیحات یعنی واقعہ یوسف، زلیخا اور اس کی رعایت سے وہ کنواں (چاہ) جس میں یوسف کو پھینک دیا گیا تھا۔ دوسری طرف علیؑ جو ساقی حوضِ کوثر ہیں۔

اس شعر میں صنعت لف ونشر غیر مرتب ہے۔ صنعت تنسیق الصفات میں الفت، حب کے علاوہ پیاسا، حوضِ کوثر، چاہ بھی ہے۔ صنعت تکرار نے شعر میں نغمگی بکھیر دی ہے۔

نقشِ پائے شاہؑ سے تشبیہ دیتے ہم ضرور
گر نہ ہوتا چھائیوں کا عیب روئے ماہ پر

یہ شعر صنعت رجوع کی عمدہ مثال ہے جس میں ایک بات کہہ کر کسی نکتہ کی وجہ سے اس سے انکار کرتے ہیں۔

ابروؤں پر شہ کی کیا زیبا ہے نورانی جبیں
خوش نما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر

جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم   مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے

ذکر خوش قامتیِ شاہ جو چل جائے ابھی   مجرئی! رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

آج کچھ کھلتا نظر آتا ہے جوبن مہر کا   غالباً بند نقاب روئے اکبرؑ کھل گیا

نہ گل میں محبت نہ بلبل میں انس   الٰہی یہ کیسی ہوا چل گئی

(سراپا)(ق) نہ سمجھو نقطۂ خال سیاہ ابرو پر کتاب حسن کی اک بیت انتخاب یہ ہے
خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک عرق نہیں گل رخسار پر گلاب یہ ہے
(سراپا)(ق) پکارے عدو دیکھ کر روئے اکبرؑ شبیہ پیمبرؐ عجب گل بدن ہے
یہ دنداں ہیں یا در شہوار گویا دہن ہے کہ درج عقیق یمن ہے
زہے نور رخسار و گیسوئے مشکیں یہ صبح حلب ہے وہ شام ختن ہے

سلام میں واقعہ کربلا کے ساتھ شاعر کی ذاتی واردات بھی شامل ہے۔

؎ انیسؔ عمر بسر کردو خاکساری میں کہیں نہ یہ کہ غلام ابوترابؑ نہ تھا
؎ یہ دوات و خامہ ہے ملک فصاحت کا نشان کون کہتا ہے کہ ہم طبل وعلم رکھتے نہیں
؎ چھیڑا سمند طبع کو تعریف شہؑ میں جب مضموں خود آیا سامنے لشکر لیے ہوئے
؎ روتا ہوں جب کہے کوئی ''مظلوم کربلا کیا بے کسی بھری ہے اس خطاب میں
؎ خاک سے ہے خاک کو الفت تڑپتا ہوں انیسؔ کربلا کے واسطے میں، کربلا میرے لیے
؎ مجرئی شاہؑ کا ہوں خلد میں ہے گھر میرا منتظر حوریں ہیں مشتاق ہے کوثر میرا
؎ کیسے ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیسؔ کس نے شبیرؑ سا آقائے غریباں دیکھا
؎ پنجتنؑ کا واسطہ دے کر انیسؔ جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا
؎ کیا بیاں ہو سکتی ہے شہؑ کی مصیبت اے انیسؔ جب پڑھے ہم نے مصائب غم کے دفتر کھل گئے
؎ رہ حسینؑ میں لازم ہے سر کے بل چلنا پسند آئی کمیت قلم کی چال مجھے
؎ فشار قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیسؔ رہے نہ خرہ خاک شفا کفن سے جدا

سلام میں غزل کے آرٹ کی طرح ایما اور اشاروں میں گفتگو ہوتی ہے جن میں واقعات اور جذبات شامل ہوتے ہیں۔

کتاب کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

ذوالفقار کہتی ہے:

وہ دریا ہوں جس میں دو عالم ہوں غرق
کنارے کا میرے کنارا نہیں
میں آتش ہوں سیماب ہیں اہل شر
کبھی قائم استار پارا نہیں

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

بحر جہاں میں قطروں نے کیا سر اٹھائے ہیں
دیکھیں کہ ان حبابوں میں کب تک ہوا رہے

قمریاں سرو پہ کوکو کی صدا دیتی ہیں
چھپ گیا خاک میں جب سے قد زیبائے حسینؑ

لکھی شہؑ کے خال معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کردیا

سلام بعض اوقات متفرق اشعار کا گلدستہ نظر آتا ہے جہاں اس کا ہر شعر جدا ہوتا ہے اور بعض سلاموں کے شعروں میں تسلسل ہونے کی وجہ سے سلام غزل کی طرح مسلسل غزل معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات شاعر سلام میں قطعہ بند رکھ کر سلام کے بعض حصوں اور شعروں

کو تسلسل سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

(ق)

لاشۂ بے سر پڑا ہے قبلہ رو　　دھوپ ہے خیر النسا کے ماہ پر
طائرانِ کربلا و نینوا　　سایۂ شہپر کئے ہیں شاہ پر

(ق)

شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہاں　　لوگ کیوں مرتے ہیں حُبِ جاہ پر
مال کیا ہے گر کوئی مانگے تو ہم　　جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر

(ق)

جب بڑھے شہؑ بہر استقبالِ حُر　　غل تھا صدقے سیّد ذی جاہ پر
حُر نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین　　سر کو رکھ دے جا کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک کبھی آتا نہیں　　دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر

(ق)

تھے علیؑ اکبر عجب رشکِ چمن　　کربلا کو رشکِ جنت مل گیا
بات کی جب پھول منہ سے جھڑ پڑے　　مسکرائے جب تو غنچہ کھِل گیا

(ق)

شہسوارِ دوشِ احمد کا پسر　　قید میں پیدل کئی منزل گیا
بیڑیوں سے پنڈلیاں زخمی ہوئیں　　طوق سے نازک گلا چھِل چھِل گیا

سلام میں مطلع اور مقطع کے علاوہ مطلع میں کلاسیک شعرا کے ہاں سلامی، مجرائی، مجرا وغیرہ جیسے مخاطبی الفاظ بھی نظر آتے ہیں جو آگے چل کر متروک ہو گئے۔ انیسؔ کے بعض سلاموں میں ان الفاظ کی رعایت نظر آتی ہے لیکن انیسؔ کے نواسے پیارے صاحب رشیدؔ

نے ایک نئے خیال یا پروجیکٹ کی طرح نہ صرف ان الفاظ کو استعمال نہیں کیا بلکہ اپنے شاگردوں کو بھی تاکید کی کہ یہ الفاظ ضروری نہیں۔

؎ اے سلامی تیغ دشمن کا اگر ہوتی نہیں — صرف خالق سے کوئی بہتر سپر ہوتی نہیں

؎ مجرائی فوج یوں تھی شہؑ کربلا کے ساتھ — ہو جس طرح سے لشکر آمیں دعا کے ساتھ

؎ کسی کو مجرئی ہمدم نہ ہنگام اجل پایا — علیؑ جب آئے تب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا

؎ سلامی در شہ پر گر جائیں گے — تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے

؎ مجرا اسے جو لاغر و رنجور تن بھی ہے — محبوس طوق بھی ہے اسیر رسن بھی ہے

؎ مجرا اسے جو کہتی تھی بابا چلے گئے — صحت ہو کیا کہ میرے مسیحا چلے گئے

انیسؔ کے سلام وکلام میں چمنستان، گلستان اور گلوں کے رمزی استعارے فراوان موجود ہیں جو ایک فطری شاعر کی داخلی دنیا میں قوت تخیل کی وجہ سے پہلے سے موجود رہتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی ذات سے باہر کی رنگینوں کا محتاج نہیں رہتا۔ میر تقی میرؔ صاحب کہتے ہیں:

سرو ولب جو لالہ و گل نسرین و سمن ہیں غنچہ ہے
دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا
اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے
اس راز کو ولیکن معدود جانتے ہیں

میر انیسؔ نے مرثیوں میں طولانی مضامین کے تسلسل کے لیے مرثیہ کا انتخاب اور تاثیراتی داخلی جذبات اور تخیل کے لیے غزل کی ہیئت میں سلام کو چنا ہے۔ اس طرح میر انیس نظم اور غزل دونوں کے شاعر ہیں اور دونوں اصناف میں مہارت رکھتے ہیں۔ اگرچہ تغزل جس میں داخلیت اور جذبات تخیل کا خمیر رکھتے ہیں اور جو میر انیسؔ کے سارے کلام میں نظر آتا ہے لیکن سلام کے اشعار میں خصوصی طور پر ان کے تجربوں میں تخیل اور جذبوں کی

آمیزش زیادہ ہے یعنی تغزل کے مقامات زیادہ ہیں جنھیں وہ رمز و ایما کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ تغزل صرف غزل کی ملکیت نہیں یا صرف غزل تک محدود نہیں بلکہ فطری شاعری جس میں جذبات نگاری ہو جزو لازم ہے۔

میر انیسؔ کے تقریباً تمام سلام غزل کی ہیت میں ہیں جن میں مطلع، مقطع کے علاوہ قافیہ اور ردیف کو مناسب بحر میں اس طرح جوڑا گیا ہے کہ نغمگی برقرار رہے۔ اسی لیے انیسؔ کے سلام آسانی کے ساتھ تحت اللفظ کے علاوہ سوز میں یعنی راگ میں پڑھے جا سکتے ہیں جس سے تاثیر کے علاوہ درد و گداز کا احساس بڑھ جاتا ہے جو مستحسن ہے۔ ارسطو کہتا ہے "جس شخص میں سوز والفت نہیں یعنی دردمندی نہیں وہ انسان لازمۂ انسانیت سے خارج ہے۔" انیسؔ کے سلاموں کے اخلاقی اشعار انسان سازی کے عمدہ نمونے ہیں۔

ایک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

میر انیسؔ کا یہ ادعا ان کے اشعار سے واضح ہے۔ ایک ہی سلام کے مطلع اور اس کے ایک شعر میں ایک ہی مضمون کو کس خوبصورتی سے باندھتے ہیں۔ ساقی کوثر اور اس کا خاندان پانی کا محتاج ہو جائے۔

مجرائی رن میں شہ پہ ستم بے حساب تھا
نایاب گھر میں ساقی کوثر کے آب تھا

خیمے میں اس ساقی کوثر کے ہے غضب
جز اشک دیکھنے کو میسّر نہ آب تھا

میر انیسؔ لفظوں کے مصرف پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ وہ دو لفظ جو تلفظ میں مشابہ یا

قریب ہوں استعمال کر کے مصرعوں کی نغمگی کو زیادہ کر دیتے ہیں۔

مثال:
گھرے رہے شہؑ والا ستم کے نیزوں میں
نہ آفتاب ہوا دوپہر گہن سے جدا
سپاہ شام سے نکلا جو حُرؑ تو بولے ملک
وہ آفتابِ درخشاں ہوا گہن سے جدا

دونوں شعروں میں آفتاب شہؑ والا اور حُرؑ کا استعارہ ہے جبکہ گہن جو ظلمت اور تاریکی ہے سپاہ شام کا استعارہ ہے۔ ایک شعر میں آفتاب گہن میں ہے اور دوسرے میں گہن سے نکل چکا ہے۔ ایک شعر میں جس طرح سورج کے اطراف کرنیں ہوتی ہیں اُسی طرح دشمن نیزے لئے حسینؑ کے اطراف تھے تو دوسرے شعر میں آفتاب جو تاریکی میں پھنسا تھا وہ روشن ہوا۔

اُسی سلام کا اور ایک شعر جس میں طوق حدید یعنی لوہے کی طوق جو کالی ہوتی ہے امام سجادؑ کی گردن میں ایسی تھی جیسے آفتاب کو گھیرے ہوئے گہن کا سایہ۔

گلے میں دیکھ کے طوق حدید کہتے تھے لوگ
یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

اس شعر میں صنعت حُسن تعلیل بھی ہے۔

□□□

maablib.org

انیسؔ کے سلام کی تنقیدی جھلکیاں

انیسؔ کو کیسے پڑھیں:

انیس کو پڑھنے سے پہلے شاعری کی قدروں اور خوبیوں سے واقفیت ضروری ہے۔ کیونکہ انیسؔ کے کلام کی عظمت اس وقت آشکار ہوتی ہے جب ذہن میں وہ مثبت
قدریں موجود ہوں۔ مسلّم حقیقت یہ ہے کہ آنکھ اس چیز کو دیکھ نہیں سکتی جس سے دماغ واقف نہ ہو۔

تنقیدی عمل میں ناقد اپنے ادعا کو شعری مثال سے ثابت کرتا ہے اور عموماً غزل میں چونکہ زیادہ تر ہر شعر اکائی کی حیثیت رکھتا ہے شعر کی دلیل سے ثبوت دیا جاتا ہے۔ لیکن میر انیسؔ کی بیانیہ شاعری کے لیے تسلسل اور مسلسل بندوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے جس سے تنقیدی اثر زائل ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ مشکل اغلب سلاموں میں نہیں لیکن قطعہ بند اشعار میں نظر آتی ہے۔

قادرالکلامی:

نازک، دقیق، نادر اور لطیف خیال جب فضائے ذہن میں پرواز کرتے تو میر صاحب اُسے فوراً لفظوں میں بیان کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

الفاظ کا انتخاب:

ایسے الفاظ جو خیال کی ترجمانی کے لیے موزوں ہوں۔ شادی کا ذکر ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ شہنائی بجا رہے ہیں۔ غم کا بیان ہو تو سیاہ پوش غمگسار اور اشکبار الفاظ نظر آتے ہیں۔ یہ الفاظ نہ صرف اپنی نشست اور محاوروں کے مقام سے واقف ہیں بلکہ ان کا باہمی ربط، اپنے اپنے صوتی اور صدائی ڈھنگ سے بھی آشنا ہے۔ ان کے معنوی رشتے ایک دوسرے کو معنی آفرینی میں مدد دیتے ہیں۔ الفاظ کے در و بست اور نشست و انتخاب کا نتیجہ سامع کے دل و دماغ کی کیفیت پر وہی ہوتا ہے جو شاعر پیدا کرنا چاہتا ہے۔

انیس کو الفاظ پر وہی قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر۔ انیسؔ مملکت الفاظ کا شہنشاہ ہے جس کے پاس کسی قسم کے الفاظ کی کمی نہیں۔ اسی لیے تو دقیق سے دقیق خیال کو نظم کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ کبھی مضمون کو سکڑ کر مصرعہ میں بھر دیا۔ کبھی اس کو پھیلا کر بند کی شکل میں صفحہ قرطاس میں بکھیر دیا۔ شاید ہی اردو شعر ادب کا کوئی دوسرا شاعر ایسا ہو جس کے پاس الفاظ کا اتنا بڑا خزانہ ہو جو ایجاز و اختصار، طول و تفصیل کو مضامین کی نوعیت سے نظم کرتا رہے۔

انیسؔ ایک ہی واقعہ، منظر، سانحہ، مکالمہ، مقابلہ کو درجنوں طریقوں سے ان کی جزئیات داخلی اور خارجی واردات، اشارات اور تفصیلات کے کم و بیش اختلافات کے ساتھ کہیں رنگ گہرا اور کہیں روشنی مدھم کر کے بیان کرتے ہیں کہ ہر وقت فکری اور ذہنی تصویر اور تصور بدلتا رہتا ہے۔ اس عمل میں تخیل کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے اور شاید کسی شاعر نے اس میدان میں انیس کی طرح سکہ نہیں جمایا۔ انیسؔ ایک عظیم فطری شاعر ہے اسی لیے ان کے کلام کی تاثیر ان کے ارادے کے تابع ہے۔

انیسؔ جزئیات کو دقیق پیش کر کے سہ بعدی (Three dimensional) نقشہ بنا دیتے ہیں۔

انیسؔ کی واقعہ نگاری کو تاریخ کی ترازو میں تولنے کی ضرورت نہیں۔ انیسؔ کی واقعہ نگاری شاعرانہ ہے جو تاریخی واقعات کی صحت کے ساتھ ساتھ تخئیل کی پیداوار ہے۔ کسی واقعے کو جوں کا توں پیش کرنا شاعری نہیں بلکہ منشی گری ہے جبکہ تاریخی حقائق سے اخذ کر کے جزئیات اور تفصیلات کو جذبات اور محاکات کی چاشنی کے ساتھ پیش کرنا فطری شاعری ہے جس میں انیسؔ نے یدِ طولیٰ حاصل کیا۔

جہاں تک جذبات نگاری کا تعلق ہے انیسؔ کے کلام میں مختلف درجات ہیں وہ ہر جذبہ کو انتہا پر پیش نہیں کرتے بلکہ مضمون اور شخصیت کے لحاظ سے اس کی گہرائی اور گیرائی ملحوظ رکھتے ہیں جس سے فطری جذبے کی تصویر نظروں کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے رزم و بزم کے مضامین کے علاوہ بین کے متعلقات میں انیسؔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ایسے الفاظ جڑ دیتے ہیں کہ وہ دلوں کے تار کو چھیڑ دیتے ہیں۔ انیسؔ کی مصائب نگاری اسی لیے دوسرے مرثیہ نگاروں کے مقابل مقبول ہے۔

منظر نگاری کوئی انیسؔ سے سیکھے:

منظر کی لفظی تصویر قابل تعریف ہو سکتی ہے لیکن وہ منظر نگاری قابل رشک و لطف ہے جہاں منظر کا بیان منظر سے کہیں زیادہ دل پذیر اور دل میں اترنے والا ہو جسے عقل سلیم قبول بھی کرے اور ذہن محظوظ اور متاثر بھی ہو۔ یہ مشکل ہنر تخئیل کی بوقلمونی اور داخلی اور خارجی تجربوں کے رنگارنگ امتزاج سے حاصل ہوتا ہے۔

احسن فاروقی لکھتے ہیں میر انیسؔ کے پاس جذبات نگاری کا فقدان ہے یہ بیان

آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔ اگر فاروقی میر انیسؔ کے کلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ جذبات نگاری میں کمال رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف جذبات فطرت کے مطابق دکھاتے ہیں بلکہ مختلف مرثیوں اور موقعوں میں ایک موقع اور مقام پر ایک شخص کے جذبات کم وبیش مختلف طریقوں سے دکھاتے ہیں یعنی جذبات کی جزئیات اور باریکی کو مختلف طریقوں سے اجاگر کرتے ہیں جو حسب مراتب کے تحت تغیر ہوتے رہتے ہیں۔ اسی لیے ضروری ہے کہ انیسؔ کے کلام کا عمدہ مطالعہ کیا جائے۔ ایک آدھ سلام یا مرثیے سے اقلیم انیسؔ کی وسعت اور اس کے تخیلی نظام کو سمجھا نہیں جاسکتا۔

جہاں تک حسن بیان کے لوازمات جن میں سادگی، روانی، سلاست، شگفتگی، روزمرہ اور فصاحت شامل ہیں میر انیسؔ کا ایک آدھ سلام یا مرثیہ پڑھنے والے کو مطمئن کرسکتا ہے کہ

ع: ''جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں''

میر انیسؔ مشکل سے مشکل مضمون کو آسان سے آسان الفاظ میں ایسی الفاظ کی تراکیب اور ترتیب سے جو روزمرہ اور قواعد کے مطابق ہو نظم کرتے ہیں کہ پڑھنے والا دنگ رہ جاتا ہے اور ان کی فصاحت اور بلاغت دو جداگانہ غیر ارتباطی خوبیاں نہیں بلکہ دونوں ایک ہی صورت حال کی دو حالتیں ہیں جن میں چولی دامن کا رشتہ ہے اور یہ دونوں خوبیوں کو الگ الگ خانوں میں نہیں رکھا جاسکتا یعنی بلیغ کلام کا فصیح ہونا ضروری ہے۔ فصیح کلام میں بلاغت کی قدریں اُبھری نظر آتی ہیں۔ اسی لیے تو انیسؔ نے کہا تھا:

نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کہ بلاغت میری

بعض ادیبوں نے انیسؔ کے کلام کو سادگی کی بنا پر فصیح اور دبیرؔ کے کلام کو مشکل پسندی کی وجہ سے بلیغ کہا ہے جو غلط ہے۔ ادق الفاظ باریک نکات دوراز فہم تشبیہات کا نام بلاغت

نہیں، بلاغت بھی وہ کلام ہے جو فصاحت کی طرح مقتضائے مقام کے موافق ہو جس میں کم الفاظ سے زیادہ معنی اخذ کیے جائیں۔ حسن بیان کی سادگی، شگفتگی سے معمور ہو۔ اس لحاظ سے میر انیس کا کلام اتنا ہی بلیغ ہے جتنا کہ فصیح ہے۔

فرہنگ آصفیہ کے مؤلف سید احمد نے صحیح کہا تھا کہ میر انیسؔ محاوروں کے شہنشاہ ہیں۔ میر انیسؔ صحت محاورے اور مقام محاورے کے رموز و نکات سے واقف تھے۔ وہ محاوروں کو مصرعوں میں ایسے الفاظ سے باندھ دیتے تھے کہ محاوروں کا لطف دوبالا اور ان کا معنوی اثر شدید ہو جاتا ہے۔

سلام کی فنی ہیئت اور سماجی افادیت:

ا۔ سلام وہ صنف سخن ہے جس کی آج کل ممتاز صوری شکل غزل کے مماثل ہے، یعنی عموماً اس کے اشعار میں باہم تسلسل نہیں ہوتا بلکہ ہر شعر مستقل اور جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر سلام کی تاریخی ہیئت پر روشنی ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صنف تقریباً ہر شعری ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مثنوی، رباعی اور قطعات کی صورت میں سلام کے نمونے نظر آتے ہیں مگر سلام کا رائج الوقت سکہ غزل کے سانچے ہی میں ڈھلا ہے۔

ب۔ اگر دکنی قدیم شاعر غواصی کے سلام تصنیف ۱۰۳۵ ہجری کو لیا جائے تو آج اردو سلام کی عمر چار سو سال سے زیادہ ہے۔

ج۔ قدیم نمونوں میں نعتیہ سلام، منقبتی سلام اور رثائی سلام کے تحت کچھ سلام ملتے ہیں خصوصاً نعتیہ سلام میں ''سلام علیک'' مشخص نظر آتا ہے جبکہ رثائی اور عزائی سلام میں مجرا، مجرائی، سلامی، مجرا وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں۔ موجودہ دور میں نعت، منقبت اور

سلام ہی کے عناوین کے تحت درجہ بندی کی جاتی ہے۔

د۔ اس دور میں اگرچہ مرثیوں میں کربلائی مرثیے اور شخصی مرثیے کی تقسیم اور تشخیص ہوتی ہے لیکن سلام صرف واقعات اور شہدائے کربلا سے اظہار عقیدت کے بیانات پر ہی منحصر ہوتا ہے۔

ہ۔ سلام برصغیر کے بطن سے پیدا ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ مرثیہ عرب سے ایران پھر ایران سے فارسی میں برصغیر میں آیا لیکن ایسی کوئی مستند روایت نہیں جو رثائی سلام کے وجود کو فارسی اور عربی میں ثابت کرے۔ قدیم اردو یعنی دکنی زبان میں سب سے پہلے سلام دکنی شعرا نے لکھے۔

و۔ سلام کے ارتقا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پہلے اخلاقی قدروں کے مضامین نظم کیے گئے اس کے بعد سماجی مسائل جو حریت آزادی، عزت نفسی، حقوق عبدو معبود، سخاوت، خیرات وغیرہ پر مشتمل تھے سلام کے اشعار میں داخل کیے گئے اس طرح سلام حصول ثواب کے ساتھ ساتھ نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اصلاحی مقاصد کا بھی حاصل ہو گیا۔ یہی ترقی مرثیوں میں بھی دکھائی دینے لگی اور رثائی اصناف صرف رونے رُلانے کا ادب نہیں بلکہ عزت نفسی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ادب جانا جانے لگا اور بالخصوص سلام کے اشعار زبان زدعام ہو کر سماج کا جزو ہو گئے۔

انیسؔ کے کچھ سلام کے اشعار ہماری بات کا ثبوت ہیں۔ انیسؔ براہ راست پندو نصیحت کے علاوہ بعض سخت مطالب خود اپنے پر ڈال کر ہمیں سبق دیتے ہیں جوان کی عجز و انکساری ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے
فقیر ہوں پہ نہیں عادت سوال مجھے

عقل و ہنر و جان اور ایماں
اس ایک کف خاک کو کیا کیا بخشا

گریباں مرا چھوڑ اے حرص دنیا
مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے

کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا
ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں

ملا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نان خشک کو وہ
اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

میر انیسؔ کے عموماً کلام اور خصوصاً سلام کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے غدر سے پہلے اور بعد اپنی شاعری کو سماجی قدروں کو اجاگر اور ابھارنے کے لیے مقصدی شاعری کے زمرے میں سب سے پہلے پیش کیا۔ انیسؔ نے اپنے کلام سے ان قدروں کو جو حقوق انسانی اور تربیت وارتقائے انسانی کے لیے ضروری تھیں لکھنؤ کے پُرآشوب ماحول میں لوگوں کے دلوں میں بسانے کی کوشش کی۔ انیسؔ نے جگہ جگہ مصرعوں اور بیچ مصرعوں میں یہ بتادیا کہ انسان صرف ان کاموں کا ذمہ دار نہیں جو اس نے کیے ہیں بلکہ اس کو ان کاموں کے نہ کرنے کا بھی جواب دینا پڑے گا جو اُسے کرنا چاہیے تھا کیونکہ حالات اور ماحول کا تقاضہ کچھ بھی ہو انسانی قدروں اور آدمیت کا تقاضہ کچھ اور ہی ہوتا ہے۔

انیسؔ کے کلام وسلام میں آفاقیت کے ساتھ عصری حسیت بھی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے آج کی اکیسویں صدی میں انیسؔ کے منتخب کلام اور سلام کے اشعار کی سخت ضرورت ہے تاکہ گلوبل ولیج میں اسلام کا وہ رخ پیش ہوسکے جو امن شانتی، اخلاص اور محبت سے پُر ہے۔ ہم جنگ میں سبقت نہیں کرتے لیکن اگر مورد تہاجم قرار دیے جائیں تو پھر ہم سیسا پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ نہر علقمہ کے ساحل پر حضرت عباسؑ کے مکالمے میں انیسؔ اسلامی قانون کی تشہیر یوں بھی کرتے ہیں۔

سبقت کسی سے ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

ز۔ ایسا کوئی درسِ اخلاق نہیں ہے جو انیسؔ کے سلاموں میں پڑھایا نہیں گیا۔ انیسؔ نے معاشرے کی اخلاق سازی جو انسان سازی کے لیے ضروری ہے لاشعوری طور پر

اپنے کلام میں نہیں بلکہ پورے حوصلے اور شعور کے ساتھ، صحیح وقت اور مقام پر جب برصغیر کے لوگوں میں تہذیب کا نگارخانہ ٹوٹ رہا تھا، جب مغربی قوتوں کے سازشی پروگرام سے معاشرہ بالخصوص مسلمانان برصغیر اپنی ثقافتی اخلاقی مذہبی اور سیاسی قدریں اور شناخت کھو رہے تھے، ان کی رگوں میں حریت، حرمت، عزت کا لہو خشک ہو چکا تھا، نئے ولولے اور جذبے کے خون کو رواں دواں کیا۔ بقول علامہ اقبالؔ:

از آں کشتِ خرابی حاصل نیست
کہ آب از خون شبیرؔ ندارد

اگر میر انیسؔ کے سلاموں کا مطالعہ اس لحاظ سے کیا جائے کہ شاعر کو اس کے ماحول سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ وہ کوئی ایسا ماحول پیش کر رہا ہو جو محلی اور مقامی اعتبار سے جدا ہو۔ چنانچہ میر انیسؔ کے سلاموں میں برصغیر کی دو بڑی قدریں شامل ہیں یعنی شانت رس اور ویر رس۔ شانت رس یعنی شانتی امن اور اخلاق پر مبنی شاعری جس میں تصوفی اور بھگتی نکات بھی شامل ہیں۔ ویر رس یعنی رزمیہ شاعری جو واقعۂ کربلا کا اہم حصّہ ہے۔

سلام کی شاعری کا سرمایہ تخیل، احساسات اور جذبات پر منحصر ہے۔ سلام میں اگرچہ شاعر کے لیے کہنے کی گنجائش زیادہ ہے مگر وہ اس کے سلیقے پر مبنی ہے۔

ط۔ کیوں کہ سلام نگار شاعر ہے۔ وہ مورخ نہیں اس لیے وہ صرف وہی مشاہدات اور واقعات کو نظم کرے گا جو سلام کے موضوع اور مزاج کے مطابق ہوں۔ اور وہ انھیں اپنے محسوسات اور قلبی تاثرات کے تحت بیان کرے گا۔

ی۔ سلام مضمون کے اعتبار سے خارجی اور داخلی واردات کے امتزاج سے بنتا ہے اور انھی دونوں وارداتوں کی آمیزش سے حیاتی شاعری بنتی ہے یعنی وہ شاعری جو ہمارے

حواسِ خمسہ کو متاثر کر سکے اور سننے یا پڑھنے والا ان محسوسات کی وجہ سے شاعر کی فکر کے ساتھ ہو جائے۔ اس احساساتی شاعری کے لیے شاعر اپنے اور قاری کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہاں اس عمل کے لیے شاعر عمدہ تشبیہوں، استعاروں، مذہبی تلمیحوں اور اصطلاحوں کا مصرف کرتا ہے۔

افسوس ہے کہ میر انیسؔ کے کلام کا جائزہ حسیاتی شاعری کے تحت نہیں کیا گیا۔ نہ جانے کتنے درِ شہسوار لولو و مرجان اس بحرِ بیکراں میں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور کسی غوطہ زن کے منتظر ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ کے سراپا کے دو شعر سنیے:

نہ سمجھو نقطۂ خال سیاہ ابرو پر
کتابِ حسن کی اک بیت انتخاب یہ ہے

خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک
عرق نہیں گل رخسار پر گلاب یہ ہے

آنسوؤں کی لڑی جو پلکوں پر جمی ہے:

مجلس میں بہر نذر شہنشاہِ کربلا
دستِ مژہ ہے سبحۂ گوہر لیے ہوئے

چھیڑا سمندِ طبع کو تعریفِ شہ میں جب
مضموں خود آیا سامنے لشکر لیے ہوئے

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
زوالِ طاقت و موئے سفید و ضعفِ بصر
انھیں سے پائے بشر موت کے قرینوں کو

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کار سازانِ جہاں
گرد اپنے منہ کے پانی آپ دھو سکتا نہیں

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

نمود و بود بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا

فلک پہ نالۂ سوزاں نے آگ بھڑکائی
دھواں جو آہ کا نکلا مری سحاب بنا

□□□

تاریخی تناظر میں
الفاظ اور معانی کے رشتے پر ایک نظر

عربی اور فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی الفاظ اور معانی کی بحث قدما کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک گروہ جو زبان اور بیان کا دلدادہ ہے۔ وہ صرف بلند و بالا اور اچھوتے معنی کے لیے سلیس، شگفتہ الفاظ اور نرم و دل نشیں اسلوب چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس گروہ میں خدائے سخن میر تقی میرؔ اور میر انیسؔ کے نام سرفہرست ہیں۔ دوسرا گروہ اختراعی معانی اور شوکت الفاظ کا حامی ہے۔ وہ سلاست زبان اور بیان کی زیادہ پروانہیں کرتا۔ ان کا مقصد شوکت الفاظ کے ساتھ اختراعی معانی ہے جس کی مثال مرزا رفیع سوداؔ اور مرزا دبیرؔ کا کلام ہے۔ اغلب شعرا نے ان دونوں گروہوں کے درمیان میانہ روی اختیار کی۔ چنانچہ حسب ضرورت الفاظ اور معانی دونوں کو برابر کا حق دیا۔

لفظ اور معنی کے مرتبہ کے بارے میں اردو شاعری میں جو نکات پیش کیے جاتے ہیں ان میں ابن رشیق اور ابن خلدون کے بیانات کو اہمیت حاصل ہے۔ ابن رشیق نے ”باب اللفظ و معنی“ میں لکھا ہے۔ عربی شاعری میں دو گروہ ہیں ایک الفاظ کو معنی پر ترجیح دیتا ہے اور دوسرا معانی کو الفاظ پر ترجیح دیتا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں کئی مختلف حلقے ہیں جن

میں ذیلی اختلافات ہیں۔ پہلے گروہ میں جو الفاظ کو معنی پر ترجیح دیتا ہے وہ شعرا جو پُرشکوہ الفاظ کو پرجوش طریقہ پر پڑھتے ہیں۔ انھیں "متشدق" کہتے ہیں اور وہ شعر جن میں غیر مانوس اور غریب گنجلک الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کو سمجھنے کے لیے لغت اور قاموس کی ضرورت پڑتی ہے انھیں "متقعر" کہتے ہیں۔

ابن رشیق کے مطابق اکثر علمائے شعر وادب الفاظ کو معنی پر فوقیت دیتے ہی وہ اس کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عوام کے پاس معانی یکساں ہوتے ہیں اور ہر ذہن الفاظ کے معنی سمجھنے کی بڑی حد تک قدرت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ شاعر کے الفاظ ہوتے ہیں جو اس کے شعر کو بلند و پست کرتے ہیں۔ اسی لیے تنقید نگار بھی ہمیشہ شعر کی تنقید الفاظ پر کرتا ہے کہ یہ لفظ کا مقام غلط ہے، اس کی ترکیب میں چستی نہیں، الفاظ میں ربط نہیں، الفاظ سلیس، شگفتہ، رواں، خوش نما وغیرہ وغیرہ بحث کا مرکز بن جاتے ہیں جب کہ معنی کی بابت اس قسم کی گفتگو نہیں ہوتی۔

ابن خلدون جو آٹھویں صدی ہجری کا ادیب، مورخ اور فلسفی ہے لفظ اور معنی کی بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ لفظ کو پیالہ اور معنی کو پانی سمجھو۔ الفاظ یا پیالے سونے، چاندی، شیشے اور مٹی کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن معانی یعنی پانی تو بہر حال ایک ہی ہوگا جو مختلف پیالوں کے ذریعہ نفس کی پیاس کو بجھائے گا۔ چنانچہ پیالوں کی قدر و قیمت اس پانی کی اہمیت میں اضافہ کرے گی اور اس طرح الفاظ اگر پُرشکوہ اور شاندار ہوں تو خیال کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ عربی، فارسی اور اردو کے عالموں نے اس نظریہ پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ پانی کا شیریں یا تلخ ہونا بھی خود ایک مسئلہ ہے جو سونے چاندی اور مٹی کے پیالوں میں پیش بھی کیا جائے تو پسندیا ناپسند نہیں ہو سکتا۔

اس موقع پر ابن رشیق کی تمثیلیں بھی شعر کے تعلق سے خارج از بحث نہیں۔ وہ کہتا ہے

شعر کو ایک گھر سمجھو جس کا فرش شاعر کی طبیعت یا اسلوب ہے۔ اس کی چھت روایت کا تحفظ یعنی اساتذہ اور متقدمین کے کلام سے وابستگی ہے۔ اس گھر کا دروازہ اس کی مشق اور ریاضت ہے اور اس کے ستون شاعر کا علم اور معرفت ہے۔ گھر کے لوگ شعر کے معانی ہیں چنانچہ مکان کی شان مکیں سے ہوتی ہے۔ اگر شعر میں معانی نہ ہوں تو کچھ بھی نہیں۔

یہ سچ ہے کہ کوئی اچھا شاعر صرف الفاظ کو سنوارنے کے لیے معنی کو تلف نہیں کرتا چونکہ شاعری درحقیقت الفاظ کی صناعی کا نام ہے۔ اس لیے بعض شعرا معانی کی صحیح تصویر کھینچنے کے لیے معانی کو عمدہ الفاظ اور الفاظ کو عمدہ ترکیب اور ترکیب کو عمدہ اُسلوب میں پیش کرنے کی کوششیں کرتا ہے جبکہ بعض شعرا الفاظ پر اتنی توجہ نہیں دیتے، معنی آفرینی ہی اُن کا اصلی مقصد ہوتا ہے۔

میر انیسؔ کے طرزِ بیان کی جدّتیں:

سخن میں جو رنگینی، شگفتگی اور سحر بیانی ہے اُس کی جان حُسنِ ادا اور اس کا بدن جدتِ ادا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ حُسنِ ادا اور جدتِ ادا پر سخن شناس، سخندان، سخن پرور جان لٹا دیتے ہیں۔ اسی لیے تو میر انیسؔ جیسا شاعر کہتا ہے:

ع: اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

کوئی کہتا ہے:

نوا بگوشت اگر مختلف رسد چہ عجب
کہ یک ترانۂ ما در ہزار آہنگ است

یعنی اگر تمھارے کانوں میں نغمہ کئی راگوں میں سنائی دے رہا ہو تو تعجب کی کیا بات ہے۔ ہم ایک نغمہ کو ہزار راگ سے باندھتے ہیں۔

اسی حُسن ادا اور جدت ادا پر بے خود ہو کر کسی نے سچ کہا:

یہ بات کیا ہے بتا تو ہی او بتِ کافر
ادا ادا سے تری کیوں ادا نکلتی ہے

جدت ادا صرف دو ہی طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک خیال میں دوسرے معانی میں۔ یعنی ایک اپنے یا پرائے خیال کو نئے انداز سے باندھنا دوسرے معانی کے گھسے پٹے اور قدیم مطالب چھوڑ کر نئے معنی پیدا کرنا۔

بڑے اور فطری شاعر کی شناخت اس کا منفرد انداز بیان اور نکتہ آفرینی کی استعداد ہے جو وہ ماں کے پیٹ سے اپنے ساتھ لاتا ہے لیکن ماحول، مشاہدے، مطالعہ اور تجربات سے اس کا خیال تخیل میں وسعت پاتا ہے اور مواد حُسن ادا یعنی تشبیہات، استعارات وغیرہ کی کثرت سے وہ جدت ادا کے مواقع نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہی حُسن ادا اور جدت ادا کی دین ہے کہ خدائے سخن، پیمبر سخن دوسرے عظیم شاعروں سے علاحدہ ہو جاتے ہیں لیکن بعض موقعوں پر ان کا اعتراف ہوتا ہے اور بعض کے حق میں ان کے حق کا استحصال ہو جاتا ہے۔ عربی شاعری میں یوں تو درجنوں شعرا مشاہیر ہوئے لیکن امراء القیسؔ، حسانؔ، فرزوقؔ، بحتریؔ، ابوتمامؔ، ابونواسؔ، متنبیؔ، ابن رومیؔ، سید رضیؔ، ابوالعلا معرّیؔ، وغیرہ سرفہرست رہے۔ لیکن ان میں سے انوریؔ نے تفریق کر کے بتایا کہ

شاعری دانی کدامیں قوم کردند آنکہ بود
ابتدا شان امرء القیس آخر شاں بوفراس

ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہرچند کہ لانبی بعدی

ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسیؔ، و انوریؔ، و سعدیؔ

ناظم ہروی نے فارسی شعرا کی فہرست بھی انہی کے نام کی جو حسن ادا اور جدت ادا کے ممتاز شاعر تھے جن میں عنصریؔ، فردوسیؔ، خاقانیؔ، نظامیؔ، سعدیؔ، خسروؔ اور جامیؔ اس گلستان کے گلہائے تر تھے اور پھر اس میں غالبؔ دہلوی نے عرفیؔ، طالبؔ اور غالبؔ کا اضافہ کیا۔

شنیدم کہ در دور گاہ کہن شدہ عنصریؔ شاہ صاحب سخن
چو اورنگ از عنصری شد تہی بہ فردوسیؔ آمد کلاہ مہی
چو فردوسیؔ آورد سر در کفن بہ خاقانیؔ آمد بساط سخن
نظامیؔ چو جام اجل در کشید سر چتر دانش بہ سعدیؔ رسید
چون اورنگ سعدیؔ فروشد زکار سخن گشت برفرق خسروؔ نثار
زخسروؔ چو نوبت بہ جامیؔ رسید ز جامیؔ سخن را تمامی رسید
ز جامیؔ بہ عرفیؔ و طالبؔ رسید ز عرفیؔ و طالبؔ بہ غالبؔ رسید

میں نے سنا کہ قدیم زمانہ میں شاعری کا بادشاہ عنصریؔ تھا جب تخت سلطنت شاعری اُس سے خالی ہوا تو تاج فردوسیؔ کے سر پر رکھا گیا اور فردوسیؔ کے مرنے کے بعد خاقانیؔ نے مملکت شاعری کی باگ سنبھالی اور پھر اس کے بعد سعدیؔ کے سر پر اس علمی منصب کی چتر رکھی گئی۔ جب سعدیؔ تخت سلطنت پر باقی نہ رہا تو خسروؔ کے سر پر سخن سجایا گیا۔ پھر خسروؔ کے بعد جامیؔ کی باری آئی اور جامیؔ پر اس مملکت سخن کا خاتمہ ہوا۔

لیکن غالب نے اس میں اضافہ کیا کہ یہ شاعری کا تاج جامیؔ سے عرفیؔ اور طالب تک پہنچا اور عرفیؔ اور طالبؔ سے غالبؔ پر خاتمہ ہوا یعنی غالبؔ پر مملکت شعر فارسی کا خاتمہ ہوگیا۔

اردو ادب کے چار عظیم شاعروں یعنی میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ، میر انیسؔ اور علامہ اقبالؔ میں یہی

حُسن ادا اور جدت ادا مشترک ہے۔ لیکن میر تقی میر کی جدت ادا اور حُسن ادا جو ان کا انداز ہے اور انھیں ان عظیم شاعروں میں بھی علاحدہ مقام عطا کرتا ہے اس کی تائید اور اعتراف کیا۔ میر انیسؔ نے ایک نجی گفتگو میں میرؔ تقی میرؔ صاحب کی شاعری کے بارے میں کہا کہ وہ غزل کے عظیم شاعر ہیں اور میں مرثیہ نگار۔ وہ خدائے سخن ہیں۔ یہاں تقابل کی گنجائش کہا؟! اگرچہ انیسؔ نے کسرنفسی سے کام لیا لیکن بہرحال میر کی طرح انیسؔ بھی خدائے سخن ہیں یہ اور بات ہے کہ اُس شدت سے نظم کی صورت میں اس کا اعتراف نہ ہوا پھر بھی درجنوں شعرا نے میر انیسؔ کے کمال کا سکہ مانا۔ بقول غالبؔ ''انیسؔ اور دبیرؔ کی طرح مرثیہ نگار نہ آج تک پیدا ہوا اور نہ آئندہ پیدا ہونے کی امید ہے۔'' حالیؔ اور شبلیؔ نے بھی میر انیسؔ کو اردو کا عظیم ترین شاعر قرار دیا ہے۔ جس کا ذکر ہم دوسرے مقامات کے لیے رکھتے ہیں۔ شاعر کا خون خشک ہوتا ہے تب جا کر ایک عمدہ آبدار شعر وجود میں آتا ہے۔ شاعر کی فکر اسے دن رات سوچنے اور تخیل کو ابھارنے میں مصروف رکھتی ہے تب ہی جا کر وہ لعل والماس اُگلتا ہے۔ آتشؔ لکھنوی فرماتے ہیں:

رہا کرتی ہے فکر شعر گوئی
کیا کرتے ہیں ہم خونِ جگر خرچ

میر انیسؔ کے سلاموں میں جدت ادا کے مضامین اتنے زیادہ اور نادر ہیں کہ ہم انھیں جدت ادا کا امام کہہ سکتے ہیں۔

□□□

سلیس لفظوں کی ثقالت

صرف الفاظ کا سلیس اور مانوس ہونا کافی نہیں بلکہ سلیس الفاظ ترکیب کے بعد بھی مصرعوں میں ہموار رہیں یہ بھی فصاحت کے لیے ضروری ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مصرعوں میں الفاظ کی باہم ترکیب سے ہموار لفظ ناہموار اور سخت بن جاتا ہے اور شعر کی سبک روی اور روانی پر اثر انداز ہوتا ہے اور بعض اوقات معنی آفرینی متاثر ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:

"کلام کی فصاحت میں صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب میں آئے، ان کی ساخت، ہیئت، نشست، ہلکی اور گرانی کے ساتھ اس کو خاص تناسب اور توازن ہو ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی۔"

میر انیس کا مصرع ہے: فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہیں اور دونوں فصیح ہیں، میر انیسؔ نے جا بجا ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے لیکن اگر اس مصرع میں صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا۔ میرؔ صاحب کا ایک شعر ہے:

طائر ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

یہاں جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرع پھُس پھُسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہیں اور برابر درجے کے فصیح ہیں لیکن میر صاحب کے اس شعر میں:

کھا کھا کے اوس، اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک میں مل جائے گی، لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے، اس مصرع میں:

شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

شبنم کے بجائے اوس لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائے گی۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ جو کہ ایک قسم کا سُر ہے، اس لیے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلے میں وہ ترکیب دیا جائے ان آوازوں سے اس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سروں کو ترکیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مفرد آوازوں یا سروں کا نام ہے، ہر سُر بجائے خود دلکش اور دل آویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سروں کو باہم ترکیب دے دیا جائے تو دونوں مکروہ ہو جائیں گے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا گر یہی ہے کہ جن سروں سے اس کی ترکیب ہو ان میں نہایت تناسب اور توازن ہو۔

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہیں، اس لیے ان کی لطافت اور شیرینی اور روانی، اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لَے میں ان کے مناسب ہوں۔

جب کسی مصرع یا شعر کے تمام الفاظ میں ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق

پایا جاتا ہے اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہیں تو وہ پورا مصرع یا شعر فصیح کہا جاتا ہے اور یہی چیز ہے جس کو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دل آویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

□□□

maablib.org

میر انیسؔ کے کلام کی فصاحت

علامہ شبلی موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ کے کمالِ شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ انھوں نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے اور سیکڑوں مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے، ہر قسم اور ہر درجے کے الفاظ ان کو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام میں غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہیں۔ اکثر جگہ عربی فارسی کے الفاظ، جو اردو زبان میں کم مستعمل ہیں، ضرورت سے لانے پڑے ہیں لیکن اس قسم کے الفاظ جہاں آئے ہیں فارسی ترکیبوں کے ساتھ آئے ہیں جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے۔ ورنہ اگر اردو کی خاص ترکیب میں ان الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلافِ فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم، رخ، بادہ، ثنا، حسن اور اس قسم کے سیکڑوں، ہزاروں الفاظ ہیں جو بجائے خود فصیح ہیں لیکن ٹھیٹ اردو میں ان کا استعمال نہیں ہوتا۔''

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہیں کہ لفظ سادہ، آسان، کثیر الاستعمال ہو، اس لیے لوگ مبتذل اور صوتی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں میں سفید و سیاہ کا فرق ہے۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہیں وہ مبتذل ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سیکڑوں الفاظ، عوام کے مخصوص الفاظ ہیں، لیکن سب میں ابتذال نہیں پایا جاتا۔ ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ مذاق صحیح خود بتادیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزوں اور ہر قسم کے جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ ان کی انتہا درجے کی قادرالکلامی ہے کہ پھر بھی ان کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہیں آنے پاتا۔

اس تحریر میں، ہم مثالیں صرف میر انیسؔ کے سلاموں سے پیش کر رہے ہیں اگرچہ ہم نے میر انیسؔ کی رباعیات کے مقدمہ میں صرف حوالے اور اشعار ان کی رباعیات سے فراہم کیے اور اسی طرح مرثیوں کے بارے میں تفصیل سے صرف مرثیوں سے ہی مثالیں پیش کیں تا کہ اوّلاً تکرار نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ وہ کلام جو نظروں سے مخفی رہا وہ پیش ہو، دوسرے میر انیس کی قادرالکلامی نہ صرف ہیئت مسدس بلکہ دوسری اصناف پر بھی واضح ہو سکے۔

مشاہیر شعرا جو فطری شاعر بھی ہوتے ہیں مضمون کی نوعیت سے نئے نئے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں تاکہ معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب میں جدید الفاظ کا بھی اضافہ ہو سکے۔ اس کام کے لیے دوسرے لفظوں کی ترکیبات سے غیر مانوس اور ناہموار کو ہموار الفاظ بنادیتے ہیں۔ اگرچہ صرف مانوس لفظوں کو استعمال کر کے حُسن شعر پیدا کرنا کمال سمجھا جاتا ہے لیکن اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ شاعر غیر مانوس کو مانوس بنادے۔ یہ وصف میر انیسؔ کی شاعری میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔

ے یہ جھریاں نہیں، ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے چنا ہے جامہ اصلی کی آستینوں کو

ے دہانِ کیسۂ زر بند رکھ پر اے منعم خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو

ـ محال ہے غلبہ اسفلوں کا اعلیٰ پر　　زمیں کا زور بھلا خاک آسماں سے چلے

ـ معاذ اللہ، رعب دلبرانِ حضرت زینبؑ　　علیؑ کا رعب چتون شیر کی آنکھیں غزالوں کی

ـ کہتے تھے دیکھ کر لب و دندان شہؑ کو لوگ　　ثمن دُرِ عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس

ـ کودکی، پیری جوانی دیکھ لی　　تین دن کی زندگانی دیکھ لی

ـ دانہ زد لوگوں سے پالا پڑ گیا　　جنس راحت کی گرانی دیکھ لی

ـ خوشا براق سبک رو کی تیز رفتاری　　اس آسمان سے گزرے اُس آسماں سے چلے

ـ کنج عزلت میں مثال آسیا ہوں گوشہ گیر　　رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

ـ نوا سنجیوں نے تری اے انیسؔ　　ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

ـ لکھی شہ کہ خال معنبر کی مدح　　قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا

ـ وہ زلف چوب سناں میں بندھی ہزار افسوس　　نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا

ـ ہمیشہ فرش مشجر پہ جو کہ بیٹھتے تھے　　نہ ان کی قبر پہ بھی سایۂ شجر دیکھا

ـ عطش نے گو دلِ سوزاں میں آگ بھڑکائی　　مگر زباں پہ نہ حرفِ سوالِ آب آیا

ـ شمع کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لیے　　خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے

ـ بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد　　کیسی راحت سے سو رہے ہیں

حالیؔ مقدمہ شعر و شاعری میں اردو زبان کو درستی اور صفائی کے ساتھ استعمال کرنے کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''پس اگر ہمارے ہم وطنوں میں کوئی شخص اپنی خاص زبان میں شعر کہنا چاہے تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ کیونکہ مادری زبان سے بہتر اور سہل تر کوئی آلہ اظہار خیالات کا نہیں ہو سکتا۔ لارڈ مکالے کا قول ہے کہ'' کوئی عمدہ کلام جو خیالات کا مجموعہ ہو، کبھی کسی شخص نے سرانجام نہیں کیا۔ مگر ایسی زبان میں جس کی نسبت اس کو مطلق یاد نہ ہو کہ کب سیکھی اور کیونکر

سیکھی اور جس کی گریمر جاننے سے پہلے وہ ایک مدت تک اس میں گفتگو کرتا رہا۔" وہ لکھتے ہیں کہ "روما کے بڑے بڑے لائق آدمیوں نے فرانسیسی زبان میں اشعار لکھے مگر ان میں سے کوئی شعر صفحہ روزگار پر یادگار نہ رہا۔ انگلستان کے بہت سے خوش فکر اور طباع آدمیوں نے لاطینی میں دیوان مرتب کیے مگر ان میں سے ایک دیوان بھی یہاں تک کہ ملٹن کا دیوان بھی شاعری کے لحاظ سے اول درجہ کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ دوسرے درجہ میں بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتا۔" پس جیسا کہ ملکۂ شاعری ایک فطری اور جبلی چیز ہے۔ اسی طرح اس کو کام میں لانے کے لیے ایسا آلہ استعمال زیادہ مناسب ہوگا۔ جو بمنزلہ فطری اور جبلی چیزوں کے ہو اور وہ مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں ہوسکتی۔

ہندوستان میں جیسا کہ عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ صرف دو شہر ہیں۔ جہاں کی اردو معتبر سمجھی جاتی ہے۔ دلی اور لکھنؤ۔ دلی کی زبان اس لیے ٹکسالی زبان سمجھی جاتی ہے کہ اردو کا حدوث اور نشو ونما اسی خطہ میں ہوا ہے۔ لکھنؤ کی زبان کو اس واسطے مستند مانا جاتا ہے کہ اس کے باشندے اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اہل زبان کے کلام کی مزاولت سے مثل اہل زبان کے سمجھے جائیں۔

اگرچہ دلی کے بہت سے عمدہ شاعروں کا کلام ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ جیسے خواجہ میر اثرؔ، شاہ نصیرؔ، میر ممنونؔ، معروفؔ، عارفؔ وغیرہ۔ حالانکہ ان بزرگواروں کے مبسوط اور ضخیم دیوان موجود ہیں۔ لکھنؤ میں بھی کچھ عجب نہیں کہ وہاں کے بعض مستند لوگوں کا کلام شائع نہ ہوا ہو۔ لیکن جن لوگوں کے دیوان اور کلیات شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اور ان میں سے خاص کر میرؔ، سوداؔ، دردؔ، جرأتؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، میر حسنؔ، ناسخؔ، آتشؔ، وزیرؔ، غالبؔ، ذوقؔ، ظفرؔ، شیفتہؔ، داغؔ، سالکؔ، شوقؔ، رندؔ، اسیرؔ، برقؔ، امیرؔ وغیرہ کا ہر قسم کا کلام خواہ غزل ہو، خواہ مثنوی، خواہ قصیدہ، خواہ قطعہ و رباعی خواہ واسوخت۔ دیکھنا چاہیے اور سب سے

زیادہ اہم اور ضروری خلیق، ضمیر، انیسؔ، دبیرؔ اور مونسؔ وغیرہ کے مرثیوں کا مطالعہ ہے۔

سلام انیسؔ میں ترتیبی اور ترکیبی خوبی

شعر میں نہ صرف الفاظ مانوس، سلیس، ہموار، شگفتہ یعنی فصیح ہوں بلکہ ان کی ترکیب بھی ان کی ہمواری میں مائل نہ ہو اور اس سے بڑھ کر کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے۔ وہ خود قائم رہے یعنی فاعل، مفعول، مبتدا، خبر اور متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ عام بول چال میں آتے ہیں اُسی طرح کی ترتیب شعر میں بھی برقرار رہیں۔ شعر کا حُسن یہ بھی ہے کہ اس کی بندش نثر سے قریب تر ہو یا بقول علامہ شبلیؔ "نظم کا در حقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہیں تو نہ ہو سکے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب شعر میں الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر میں معمولاً ہوا کرتی ہے۔ پس یہ معلوم ہوا کہ اگر نظم کی ترتیب اور ترکیب میں نظم نثر سے دور اور بعید ہو جائے تو وہ عیب ہے جس کو تعقید یا معاظلہ کہتے ہیں۔

موازنہ انیسؔ و دبیرؔ میں علامہ شبلی لکھتے ہیں: "اردو میں جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیسؔ سے زیادہ کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔"

پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ
جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا
کہتے تھے شہؔ مل گئے ہم خاک میں
اے فلک جتلا تجھے کیا مل گیا

عربی شاعر اور ادیب جاحظ کہتا ہے کہ مانوس الفاظ نہ عامیانہ ہوں نہ بالکل غریب اور وحشی بلکہ ایسے ہوں کہ مخاطب اور مخاطبین آسانی سے سمجھ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو سمجھنے میں ہر وقت لغات اور قاموس کی ضرورت ہو اور الفاظ ایسے بھی نہ ہوں کہ وہ زبان اور کانوں پر گراں ہوں۔

نادر تراکیب:

انیسؔ کے کلام میں نادر تراکیب کا ہجوم ہے۔ وہ نادر تراکیب سے نہ صرف شعر میں ندرت پیدا کرتے ہیں بلکہ معنی آفرینی بھی کرتے ہیں۔

ذیل میں صرف دو شعر جو سلاموں سے لیے گئے ہیں پیش کیے جاتے ہیں۔

کیسے ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیسؔ
کس نے شبیرؑ سا آقائے غریباں دیکھا

میں آتش ہوں سیماب ہیں اہل شر
کبھی قائم النار پارا نہیں

سلاموں میں نادر مضمون اور معنی آفرینی:

بڑے شاعر کی شناخت یہ بھی ہے کہ نئے نئے مضامین تراشتا ہے۔ زخم کو دہن کہنا ہم نے سنا ہے لیکن دیدۂ خوں بار کہنا یا دہن زخم سے لہو کے بدلے شکر کی صدا نکلنا جدید اور نادر مضمون ہے۔

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہن زخم بدن دیدۂ خوں بار نہ تھے

شعر عرفانی رنگ میں رنگا ہوا صنعت مراعات النظیر کا عمدہ شاہکار ہے جس میں بدن، لہو، دیدہ دہن خون اور زخم کو ایک شعر میں جمع کیا گیا ہے۔

شاعری میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ موضوع کو کیسے بیان کیا گیا۔ مقاتل گواہ ہیں کہ امام حسینؑ کا گلا خنجرؔ سے کاٹا گیا۔ ہزاروں اشعار اس مصیبت پر لکھے گئے۔ جب انیسؔ نے ا

اس موضوع کو ایک سلام کا مطلع بنایا تو شعر کے ہر لفظ سے قادر الکلامی، معجز بیانی، نغمگی کے علاوہ سلاست اور بہتے ہوئے پانی کی روانی بھی شامل ہوئی۔

آب خنجر سے گلا جب شاہ کا تر ہوگیا
پانی پانی اے سلامی غم سے کوثر ہوگیا

اس شعر میں جدید ترکیب آب خنجر ہے۔ پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔ کوثر تلمیح حوض کوثر کی ہے۔ مراعات النظیر میں آب، تر، پانی ہے۔ یہاں صنعت حسن تعلیل ہے۔ یعنی کوثر کا پانی پانی ہونا جبکہ خود حوض کوثر پانی سے بھرا ہوا ہوگا۔

دنیا کی بے ثباتی پر عمدہ مضمون جو نادر ہے اور منزل سفر مسافر اور وطن کے بیان سے مکمل کیا گیا ہے۔

سب منزل جہاں میں مسافر عدم کے ہیں
سب کا وطن ہے ایک ہی اور گھر جدا جدا

شاعر کہہ رہا ہے دنیا مسافر کے راستے کی منزل ہے۔ سب کا وطن عدم ہے جو مرنے کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اگر چہ ہر ایک کی قبر جدا جدا بنائی جاتی ہے جو اس کا گھر ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں منزل مسافر وطن اور گھر شامل ہیں۔ صنعت تضاد میں ایک اور جدا ہیں۔ صنعت تکرار میں جدا جدا ہے۔

بہر تصدق گلِ زہرا چمن میں ہیں
سب غنچے مٹھیوں میں لیے زر جدا جدا

میر صاحب کے سلام کے اس شعر کی تزئین دیکھیے۔ زہرا ایک پھول کا نام ہے۔ گلِ زہرا استعارہ ہے زہرا کے بیٹے حسین کا۔ غنچہ کی شکل بند مٹھی کی طرح ہوتی ہے جس میں زرد یا سنہری رنگ کا Pollen بھرا ہوتا ہے۔ اسلامی رسومات میں ممدوح پر نظر بد سے بچانے کے لیے

چاندی سونا صدقہ کیا جاتا ہے۔ اس شعر میں انیسؔ نے کوئی نام لیے بغیر استعاروں، حسن تعلیل اور ایہام کی صنعتوں میں پورے شعر کا مطلب پیش کر دیا جو بڑی شاعری کی علامت ہے۔

مقاتل میں لکھا ہے امام حسینؑ پر مختلف اسلحوں سے حملہ کیا گیا۔ کس کمال سے انیسؔ نے ایک شعر میں ان ہتھیاروں کو جمع کر دیا جس میں مصائب اور درد و گداز کی تڑپ بھی بھر دی۔

حضرت کی بے گناہی پہ دیں گے گواہیاں
تیغ و سنان و دشنہ و خنجر جداجدا

صنعت جمع میں تیغ و سنان و دشنہ و خنجر ہیں جو صنعت مراعات النظیر میں شامل ہیں۔

صنعت تکرار نے شعر میں اثر و تاثیر کو بڑھا دیا ہے۔

سلام کے مطلع میں تغزل اور غزل کا لہجہ بتا رہا ہے کہ پاکیزہ غزل کا رنگ بھی انیسؔ کے سلاموں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اشکوں کا شور ہے مری چشم پُرآب میں
دریا بھرے ہوئے ہیں سلامی حباب میں

چشم پرآب کو حباب کہہ کر اس میں دریا بھرنا اگر کوزے میں دریا بھرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ صنعت مراعات النظیر میں اشک، چشم پُرآب یا دریا اور حباب شامل ہیں۔

امام حسینؑ کو جو ظلم و ستم سے شہید کیا گیا اس کی داد خواہی کرنے ہر روز صبح سورج چہرے پر خون مل کر نکلتا ہے۔ شاعر جب کسی طبعی کیفیت یا حالت کو دوسرے معنوں میں لیتا ہے تو اُسے صنعت حسن تعلیل کہتے ہیں جو ذیل کے شعر سے ظاہر ہے:

مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسرو خاور بھرے ہوئے

مشرق کی نسبت سے مشرق کا پادشاہ (خسرو خاور) استفادہ کیا گیا۔ قدیم زمانے میں عرب مقامات پر مقتول کے رشتے دار کفن پہن کر یا چہرہ سرخ کر کے بازاروں میں نکلتے تا کہ مظلوم کی دادخواہی ہو سکے۔ سورج کے چہرے پر شفق کا رنگ لہو کی رنگت کا احساس دلا رہا ہے۔

اسی سلام کے ایک اور شعر میں مضمون کو دوسرے طریقے سے نظم کرتے ہیں لیکن یہاں تشبیہ سے کام لیا گیا ہے۔

جیسے شفق میں مہر منوّر ہو جلوہ گر
تھے خوں میں اس طرح علی اکبرؑ بھرے ہوئے

گر دقتِ نظر سے انیسؔ کے باریک مشاہدے پر نظر ڈالی جائے تو دونوں شعروں میں سورج کے سرخ اور سفید چہرے اور اس کے اطراف شفق کا لال رنگ کا الگ الگ وقت تعین کیا جا سکتا ہے۔

میر انیسؔ کی باریک بینی دقیق نظر اور مشاہدہ کی گہرائی پر کام نہیں ہوا کیوں کہ اغلب تنقید نگاروں نے بغیر مطالعے کے انیس کو مرثیہ اور صرف رونے اور رُلانے والا شاعر بتا کر اردو ادب کو اس گنجینہ سے محروم رکھا۔ لیکن یہ خزانہ بہرحال بازار میں پیش ہوگا کیوں کہ ع:
چھپ نہیں سکتا ہے شاعر شعر کے چھپنے کے بعد

چھیڑا سمندِ طبع کو تعریفِ شہؑ میں جب
مضموں خود آیا سامنے لشکر لیے ہوئے

یعنی جب حضور کی تعریف کا خیال ہوا تو مدحت کے مضامین کا لشکر سامنے آ گیا۔ اس شعر کا اصلی لطف سمندِ طبع کی جدید ترکیب اور اس کی مناسبت سے مضامین کا لشکر ہے۔ تخیل کو سمندِ طبع کہنا ندرت ہے لیکن چھیڑنا لطفِ شعریت ہے۔ یہاں شاعر یہ بتا رہا ہے صرف مدحت کی فکر کے ساتھ خود بہ خود مضامین کی آمد ہے یعنی یہ بھی فیضِ شاہِ کربلا ہے جن کی ذاتِ اقدس

فضائل اور کمالوں سے بھرپور ہے۔ اس شعر میں کسی فضیلت کے بیان کے بغیر مدحت سرائی کی گئی ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں سمندر اور لشکر اور طبع و مضمون رکھے جاسکتے ہیں۔

نیزے پہ تھا جو دھوپ میں سبط نبیؐ کا سر
سورج مکھی تھا مہر منوّر لیے ہوئے

سورج مکھی کا پھول خود سورج کی طرح گول ہوتا ہے اور سورج کی کرنوں کی مانند اس کی پنکھڑیاں اس کے گرد ہوتی ہیں۔ سورج مکھی دن بھر سورج کی حرکت کے ساتھ اپنے چہرے کا رخ بدلتا رہتا ہے اسی لیے ہمیشہ اس کا چہرہ سورج کے روبرو ہوتا ہے۔ اس شعر میں تشبیہ پر تشبیہ کو سجا کر شعر کی خوبصورتی اور تاثیر میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہاں تشبیہ اور استعارے کو محرک کر کے ایک دوسرے کی تاثیر کو بڑھایا جاتا ہے۔

کھلا یہ دو رنگی سے برگ حنا کی
یہ رنگ حسینؑ اور یہ رنگ حسنؑ ہے

انیسؔ نے حسن سبز قبا اور حسین سرخ قبا سے استفادہ کیا ہے۔ مشہور ہے کہ امام حسنؑ نے بچپن میں اپنے لیے سبز کپڑے اور امام حسینؑ نے سرخ کپڑے منتخب کیے تھے۔ یہ بھی سچ ہے کہ امام حسنؑ کو زہر سے شہید کیا گیا اور آپ کا پورا بدن ہرا ہو گیا تھا جبکہ امام حسینؑ کا سارا بدن خون سے بھرا تھا۔ حنا کی پتی جو ظاہراً ہری لیکن اس کی طینت لال ہوتی ہے۔ دونوں شہزادوں کے رنگوں کی نمایندگی کرتی ہے۔ یہ بہت نادر اور اچھوتا مضمون ہے۔

سلاموں میں مضمون خیز قافیہ نگاری:

قافیہ نگاری شعر کا اصلی حُسن ہے۔ یہ مشکل عمل ہے اور جب ردیف کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اُردو تنقید میں قافیہ پیمائی جو ایک مکروہ عمل ہے بعض شعرا سے

نسبت دی گئی ہے جس میں استاد ذوقؔ سرفہرست ہیں یعنی یہاں شاعر ہر قسم کے قافیہ پر شعر کہہ لیتا ہے اور عموماً اس میں قافیہ سے پورا شعر تیار ہوتا ہے جو عموماً معمولی اور آوردی کیفیت کا حامل ہوتا ہے اس کے برخلاف جب کسی شعر میں قافیہ شعر کی ضرورت سے چنا جائے تو اس میں قوت جوش اور فطری اپج کا آمدی مظاہرہ ہوتا ہے۔ اگر قافیہ کے ساتھ ردیف کا بھی التزام کیا جائے تو قافیہ نگاری سخت جانکاری مانگتی ہے چونکہ ردیف میں قافیہ کو اس طرح کھپ جانا چاہیے جس طرح چارپائی کی چولیں ایک دوسرے میں گتھ جاتی ہیں۔

شعر میں قافیہ کا وہی رتبہ ہے جو راگ میں تال کا۔ شاید اسی بنا پر شعر میں قافیہ کے محل وقوع کو عروض کی زبان میں "ضرب" کہتے ہیں جس طرح تال کی خوبصورتی راگ اور موسیقی میں مانی جاتی ہے اُسی طرح سے قافیہ کا حُسن بھی شعروشاعری میں مسلّم ہے۔ نثر مقفّیٰ ہو یا نظم عوام اور خواص دونوں قافیہ سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "شعر کی جان ہر زبان میں معانی ہوتے ہیں۔ الفاظ ان کو مجسم کرتے ہیں یعنی گوشت واستخوان بنتے ہیں۔ وزن کا قالب اُن میں اعتدال لاتا اور ان کے حسن و جمال کو بڑھاتا ہے۔ قوافی اُس کے خط وخال بن کر سونے پر سہاگے کا کام کرتے ہیں۔ عربی، فارسی اور اُردو میں اسی حُسن مجسم کو شعر کہتے ہیں۔ بس معلوم ہوا کہ شعر کے خط وخال سنوار کر شعر کو حُسن تمام عطا کرتا ہے۔ اگرچہ انگریزی زبان کی تقلید (بلینک ورس) میں اردو میں بھی نظم معرّیٰ قافیہ سے خالی ہے لیکن اس میں کلاسیک شاعری کی دلکشی، غنایت اور موسیقی کم ہے۔ میر انیسؔ نے بحروں کے انتخاب، ردیفوں کی ترکیب اور قافیوں کی ترتیب سے شعر میں معانی اور روانی کے ساتھ ساتھ اشعار کے آہنگ صورت کو سہ بُعدی (Three dimentional) صورت بھی دی ہے۔

ہم صرف سلاموں کے نگارخانہ سے چند اشعار قافیہ نگاری کے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

قافیہ نگاری کا ایک مشکل اور اہم مقام منفی ردیف کی وجہ سے شعر میں پیدا ہوتا ہے جہاں

شعر کی معانی آفرینی کا دارومدار اور شعر کی تاثیر کا مرکزی نقطہ مقفیٰ ردیف میں پوشیدہ رہتا ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے شعرا مقفیٰ ردیف کے لیے چھوٹی اور متوسط بحر کا انتخاب کرتے ہیں۔ میر انیسؔ کے سلاموں میں سات آٹھ سلام مقفیٰ ردیف میں نظر آتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں میں مقفیٰ ردیف کے ساتھ قافیہ سازی کا کرشمہ دیکھیے۔ میر انیسؔ کے پچیس شعروں کے سلام کی ردیف نہ تھا سے چند شعر یہ ہیں۔

بے ثباتی دنیا اور پانی کے بلبلے کے مانند زندگانی کی مرقع کشی صنعت شرطیہ میں دیکھیں۔

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کبھی جھونکا چلا حباب نہ تھا

بصری استعاروں میں کچھ لمحوں کی روشنی کو جوانی کے دور سے مثال دینا آسان کام نہیں۔

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

انیسؔ الفاظ کے انتخاب کا پروردگار ہے چشمک، لپک اور جھپک برق، شرر اور آنکھ کی نسبت سے اگر قادر الکلامی نہیں تو اور کیا ہے۔ الفاظ کے در و بست نے ایک مشکوک فضا شعریت میں پیدا کر دی جس کا سارا بوجھ "نہ جانے" سے شروع ہو کر "نہ تھا" پر تمام ہوا۔ پورے شعر میں ایک بھی اضافت اور ادق لفظ کا گزر نہیں۔

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

اس شعر کا محور روشنی ہے۔ "روشن دلو" انیسؔ کی تراش کاری کا نگینہ ہے۔ انیسؔ نے

یہاں بھی بصری علامتوں سے شعر میں حسن آفرینی بھر دی۔ خوشی راحت روشنی ہمیشہ نہیں رہتی سنت کائنات ہے کہ دن کو چاند اور رات کو آفتاب نہیں رہتا۔ صنعت تضاد میں طلوع وغروب اور سحر وشب شامل ہیں۔ صنعت مراعات النظیر میں طلوع غروب سحر شب چاند اور آفتاب جمع ہیں۔

اس سلام کے تین شعر جو امام حسینؑ، حضرت علیؑ اور پیغمبر اکرمؐ کے بیان سے مزین ہوئے ہیں۔ عربی فقرے، تلمیح اور توصیفی شاہکار ہیں۔

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت سوالِ آب نہ تھا

مشکل مضمون کو ادق الفاظ میں ایسا پیش کیا کہ شعر فہمی اور ابلاغ میں کچھ مشکل نہ رہی۔ شعر میں ''اے معاذ اللہ'' نے طلب آب کو پانی کر کے بہا دیا۔ یہ مضمون نگاری کی معراج ہے۔ میر انیسؔ ایک شعر میں وہ کیفیت اور مضمون باندھتے ہیں جو دوسرا شخص نثر میں پورے صفحے میں نہیں لکھ سکتا۔

کتابِ کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ
کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

بدر، خندق اور خیبر کا دلاور علی ہے۔ کتاب کفر کا شیرازہ کاٹا یعنی کفر کے نظام اور مقام کو درہم برہم کرنا ہے۔ ''فصل'' اور ''باب'' ایہام تناسب ربط ہیں۔ کتاب کی مناسبت سے فصل اور باب لایا گیا لیکن کسی کی فصل یا کسی کا باب کہہ کر سلف اور خلف کفر کی تاراجی کو بیان کیا۔ انیسؔ نے تاریخ فتوحات اسلامی کا مرکز فاتح خندق وخیبر علیؑ کو قرار دیا ہے۔

اُدھر تھی ذاتِ خدا اور اِدھر رسولِ خداؐ
بغیر آنکھ کے پردے کے کچھ حجاب نہ تھا

معراج کی آخری منزل کا ذکر آنکھ کے پردے اور حجاب کی گفتگو سے رمزیہ معنی خیزی اور بالیدگی فکر وشعور کی دلیل ہے۔ نعت کی منزل کے کئی راستے بقول عرفی شیرازی تلوار کی دھار سے باریک اور تیز ہیں۔ میر انیسؔ کی تخلیقی اُپج الفاظ کی موزونیت اور مناسبت سے اعجاز بیانی کا ہنر دکھا رہی ہے۔ منظر کشی میں ادھر اور اُدھر کے مابین بصارت کا پردہ حائل ہے۔ ذات اور رسول کی خدا سے ترکیب نے معبود اور عبد کے رشتے میں خط فاصل کھینچ دیا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ اس قطعہ بند کے پہلے شعر سے پہلے ذہن کو تیار کرلیا جائے اور پھر بحر معانی میں غوطہ لگایا جائے۔

زہے رسولؐ زہے قرب اور خوشا معراج
وہاں گئے کہ فرشتہ بھی باریاب نہ تھا

ہے کوئی دوسرا مائی کا لال شاعر جو نعت کے متبرک مضمون کو غیر مانوس الفاظ ''خوشا'' اور ''باریاب'' سے باندھے جس میں عربی الفاظ رسول قرب معراج فرشتہ وغیرہ کی کثرت کے باوجود سلاست، روانی اور نغمگی برقرار رہے۔ میر انیسؔ نے سچ کہا تھا۔ ''جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں۔''

میر انیسؔ کے تین چار سلام ایسے ہیں جن کی ردیف ''نہیں'' پر ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں شاعر کی مہارت الفاظ کی موزونیت اور نشست کی وجہ سے شعر کی سلاست کو مجروح ہونے نہیں دیتی جب ردیف ''نہیں'' ہو تو شعر میں تعقید کی گنجائش بڑھ جاتی ہے، روزمرہ شعر سے خارج ہو جاتا ہے اور خیال کی برجستگی متاثر ہوتی ہے۔ یہ انیسؔ کا کمال ہے الفاظ ان کی مخلوق معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ان سے جیسا چاہے ویسا کام لیتے ہیں۔ ایک اٹھارہ شعر کے سلام میں خود کہتے ہیں:

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدان سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملک فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

اور اس پر پُر گوئی اور زود بیانی دیکھیے۔

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھو گے انیسؔ
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

میدانِ سخن کی رعایت اور زور کی کارفرمائی سے دو استعاراتی نظام کو قطعہ بند میں ملاحظہ کریں۔ ایک میدان میں زور کی وجہ سے فتح حاصل کی نیزہ طبل علم اور ملک مراعات النظیر میں ہیں۔ دوسرے سخن میں زور طبیعت کی بنا ملک فصاحت کے ملک کو جیت لیا کیوں کہ نیزہ کی جگہ قلم اور طبل وعلم کی جگہ دوات وخامہ سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں بھی قلم دوات خامہ سخن فصاحت وغیرہ رعایت لفظی کا دفتر معلوم ہوتے ہیں۔ قلم اور علم کے قافیوں نے ردیف میں گھُر کر شعریت کو لطافت خیال کی شگفتگی بخشی ہے۔

اسی سلام کے تین متفرق اشعار جو قناعت توکل اور غرور کی مذمت میں ہیں سنیے؟

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

ایک کشکول توکل ایک نقد جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے ہیں

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

قدم اور درم کی قافیہ سازی کا پورا زور "نہیں" کے لفظ پر ضرب کاری کی طرح صرف ہوا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میر صاحب ہندی اردو کے چھوٹے معمولی لفظوں کے کاندھوں پر

آسمانوں کا وزن رکھ دیتے ہیں اور الفاظ کے پاؤں میں لغزش نہیں ہوتی۔ شاید یہی لفظ و معنی کی معجز بیانی اور مقصدی بلندی کو محسوس کر کے انیسویں صدی کا شاعر و ناقد مصاحب غالب اور محسن حالی مصطفی خاں شیفتہ نے انیسؔ کے مرثیے کے ایک مصرعہ کی داد و تحسین یوں کی تھی کہ میر انیسؔ نے سارا مرثیہ بے خود کیا یہی ایک مصرعہ ''آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے۔'' بذات خود مکمل مرثیہ ہے۔ یعنی لفظ ''کیا'' میں زمین و آسمان کی تنہائی پنہاں ہے۔ اللہ کا فقیر شاہوں کے دروازوں پر جہاں دیگران سر رگڑتے ہیں قدم تک رکھنا گوارا نہیں کرتا کیوں کہ اصل غنی وہی ہے جس نے اپنی نقدی جان کو کشکول توکل میں ڈال رکھا ہے۔ اگرچہ اس میں دام و درم نہیں ہیں۔ غرور کا سر نیچا نہیں بلکہ خاک کے ڈھیلوں کی طرح پیروں میں ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔ کیا یہ سلام اخلاق سازی کا شاہکار اور تعلیمات اسلامی و انسانی کا سبق نہیں تو پھر سلام کو اسلام کی تربیت سازی کا پیام کیوں قرار نہ دیا جائے؟

انیسؔ کے ایک اور چالیس شعر کے سلام جس کی ردیف ''نہیں'' مقرر ہے۔ ایک شعر نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جو صنعت حسن تعلیل میں ہے۔

غم شاہ سے گلشنِ دہر میں
گریباں کس گل کا پارا نہیں

انیسؔ نے ایک پندرہ شعر کے سلام کے مطلع اور مقطعے کے اشعار میں اپنا تعارف کروایا ہے۔

مرا راز دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں
وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں
کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروس سخن کو سنوارا نہیں

کیا اس محدود ردیف میں لامحدود مضامین موجود نہیں۔ کیا مطلع میں انیسؔ کی وسعت بیانی اور رمز آشنائی صداقت نہیں رکھتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انیسؔ کا کلام تمام اصناف شاعری کا گلدستہ ہے اور ایسا گلشن اور ایسا باغبان اردو شاعری میں انیسؔ ہے۔ انیسؔ کا رنگ جدا، ان کے کلام کی خوشبو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ انیسؔ جذبات نگاری کے پروردگار ہیں لیکن خود جذباتی اور سبک اخلاق نہیں وہ نازک مزاج ہیں لیکن تلخ رفتار اور گفتار کے حامل نہیں شیریں ہیں مگر شور نہیں۔ ساکت ہیں مگر شور نہیں مچاتے۔ اس مصرعہ میں صنعت ایہام تناسب ہے۔ آتش ہیں لیکن شرر انداز نہیں۔

میر انیسؔ کا ایک مشہور سلام جو ہر سال ہزاروں مجالس میں پڑھا جاتا ہے۔ "نہ چاہیے" کی ردیف میں ہے جس کی قوافی بھروسا، پھیرا، شکوا، پروا اور جھگڑا وغیرہ ہیں۔

مطلع میں تولا اور توکل علی اللہ ہے تو مقطعے میں ماتم حسینؑ کے داغ کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔

جز پنجتن کسی سے تولا نہ چاہیے — غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیے
مرقد چراغ داغ سے روشن رہے انیسؔ — شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

مطلع عقیدتی اور مذہبی قدروں سے لبریز ہے۔ مقطع میں قبر کی تاریکی اور اکیلے پن کو خوبصورت طریقے سے پیش کیا گیا ہے جو میر صاحب کے تخیل کی بوقلمونی ہے۔ چراغ داغ عمدہ کنایہ اور علامت ہے جو شعر کا محور ہے انیسؔ دلیل اور منطق سے اپنی گفتگو کو معتبر کردیتے

ہیں۔ایک اور سلام کے شعر میں داغِ ماتم یا داغِ غم حسین کی روشنی کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے۔

لحد میں دیکھیو داغِ غمِ حسینؑ کی ضو
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے

ردیف کی معنی آفرینی شاعر کی ذات اور سامعین کی محفل کو شامل رکھتی ہے۔

ذیل کے شعر میں صنعت حسن تعلیل کا عمدہ مصرف ہے۔شمع ثابت قدم کھڑی رہتی ہے اور روشنی پھیلاتی ہے۔شمع کو خاموش کرنے کے لیے اس کے سر کا شعلہ کاٹ دیتے ہیں اسی مشاہدے سے یہاں تخیل پروری کی گئی ہے اور شعر ندرت شبیہہ اور زود فہم تجرباتی تصویر کا مرکز بنا ہے۔

ثابت قدم رہے رہ حق میں مثال شمع
گردن سے سر جدا ہو تو پروا نہ چاہیے

آخیر میں اسی سلام کے دو اخلاقی شعر جس میں شکوا اور جھگڑا قوافی میں باندھا گیا ہے۔

پند ونصیحت کی راست گوئی کی خوشبو سے مہک رہے ہیں۔

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوا نہ چاہیے
اپنی زباں سے پوچھ خموشی کی لذتیں
جاہل سے اعتراض پر جھگڑا نہ چاہیے

ہم انیسؔ کے سلام کے اشعار نقل کر رہے ہیں۔کیا ان میں مقصدی شاعری، بلند اخلاقی قدریں آفاقیت، فکر وشعور کی نشوونما، معنی خیزی، بالیدگی روح اور حقیقت نگاری نہیں تو پھر کیوں اس اعلیٰ پیام سے دوری کی جائے اور اسے رونے رُلانے کی داستان سرائی کہہ کر اس سے گردن موڑ کر سرگرداں رہیں۔یہ مصرعے عزت نفس کے علاوہ ہمیں تجرباتی تقاضے اور فلسفانہ موشگافیاں سکھاتے ہیں۔ ع:"جاہل سے اعتراض پر جھگڑا نہ چاہیے۔" اگر صرف

اس مصرعہ پر عمل ہوتو ہماری محافل مجالس میں ہونے والے کئی جھگڑے خموشی کی لذت سے ہم کنار ہوجائیں گے۔

پس ردیف کے ساتھ قوافی کی ایجاز اور اعجاز بیانی کوئی انیسؔ سے سیکھے۔ یہاں قافیہ پیمائی نہیں بلکہ قافیہ نمائی ہے جس سے قافیے کی قدر وقیمت دوبالا ہوجاتی ہے۔ شر کی تاثیر دو آتشہ اور شعر کا سنگار سولہ سنگار بن جاتا ہے۔ کئی قافیے جب ردیف میں کھپ جاتے ہیں تو محاوراتی حُسن سے بھی آراستہ ہوجاتے ہیں۔

بعض قافیے غیر مانوس ادق اور گنجلک الفاظ ہونے کے باوجود اشعار کی لفظی ومعنوی زیر وبم کے آہنگ میں نرم شستہ اور دلکش بن جاتے ہیں جس سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ الفاظ ظاہری ناہمواری رکھتے ہوئے بھی ہموار اور صاف ہوجاتے اگر ان کو بحر کے مدو جزر میں صحیح جگہ دی جائے۔

حیرت اسی کی ہے کہ جیے کیسے اتنے دن
گر موت آگئی تو اچنبھا نہ چاہیے

اب اچنبھا کو پڑھ کر ہمیں ٹھسکہ نہیں لگے گا کیونکہ مصرعہ ثانی میں اس سے اچھا نباہ نہیں ہوسکتا۔

میر انیسؔ اردو کے وہ عظیم شاعر ہیں جنھوں نے (۸۲) ہزار اشعار کہے ہیں۔ وہ ایک ایک تنگ قافیے میں بھی کئی عمدہ مضمون نکال لیتے ہیں۔ میر صاحب کا ایک (۲۲) بائیس اشعار کا سلام جس کی ردیف ''ہمارا'' ہے اور اس میں سینہ، خزینہ، نگینہ، سفینہ، مدینہ، قرینہ اور مہینہ وغیرہ قافیے مصرف ہوئے ہیں یہاں صرف قافیہ ''نگینہ'' پر مضمون نگاری کے جوہر دیکھئے۔

دل صاف رکھتے ہیں ہم پاک طینت
نہیں جرم رکھتا نگینہ ہمارا

بجز پنجتن کچھ نہیں نقش دل پر
ان اسموں کا گھر ہے نگینہ ہمارا
ازل سے ہے نام علیؑ نقش دل پر
وہ درِ نجف ہے نگینہ ہمارا

شاید انہی اشعار سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؔ نے کہا ہے۔

ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؑ کا نام اقبالؔ
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینہ سے

پاک طینت لوگوں کے صاف دل کو بغیر جرم کا نگینہ کہنا عمدہ تشبیہ ہے۔ حضرت علیؑ کے مدفن نجف کی نسبت سے علیؑ کو درِ نجف کہنا اور اُسے ہمارا نگینہ کہنا کمال شاعری ہے۔ ان تمام شعروں کا لطف اس لیے بھی بڑھ جاتا ہے کہ مصرعوں میں غضب کی روانی، شگفتگی اور سادگی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مصرعوں میں قافیوں کا استعمال کوئی انیسؔ سے سیکھے۔ اسی سلام میں کئی قطعہ بند بھی ہیں تاکہ مکالمہ بیان ہو سکے۔

عمر سے کہا حُر نے ناجی ہمیں ہیں
پسندِ خدا ہے قرینہ ہمارا
تجھے حبِ دنیا ہمیں حُبِ حیدرؑ
وہ کشتی تری یہ سفینہ ہمارا

دوسرے مصرعے میں کیا قرینہ سے بہتر قافیہ لایا جا سکتا ہے۔ آخری شعر نہ صرف ذیل کے اشعار میں کمال، ہلال اور سوال کی قوافی دیکھیے۔

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے
کسی کے سامنے کیوں جاکے ہاتھ پھیلاؤں مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور اصطلاحات کو قافیہ کے طور پر لانا قادرالکلامی ہے جس میں ہر فن کار کامیاب نہیں ہوتا۔ حضرت علی اکبرؑ کا سراپا:

پکارے عدو دیکھ کر روئے اکبرؑ شبیہ پیمبرؐ عجب گل بدن ہے
یہ دنداں ہیں یا در شہوار گویا دہن ہے کہ دُرجِ عقیقِ یمن ہے
زہے نور و رخسار و گیسوئے مشکیں یہ صبحِ حلب ہے وہ شامِ ختن ہے

آخری شعر میں صنعت لف ونشر مرتب بھی ہے۔

آخری شعر کے مصرعہ ثانی میں مجازِ مرسل اور تلمیحات بھی ہیں۔ حلب کا آئینہ مشہور ہے جس سے نورو رخسار کو تشبیہ دی گئی۔ ختن کے آہو کا مشک جو سیاہ رنگ کا معطر مادہ ہوتا ہے اُس سے گیسوئے مشکیں کو نسبت دی گئی۔ اس مصرعہ کا کمال سونے پر سہاگہ ہے یعنی حلب یا آئینہ کی صبح جو بہت روشن ہو اور مشک کی شام جو بہت تاریک ہو اس مصرعہ میں صنعت تضاد صبح اور شام بھی ہے۔

میر صاحب کا ایک مشہور سلام جس پر اُس زمانہ میں کئی شعرا نے بھی اس طرح پر شعر کہے جن میں مونسؔ، اوجؔ، اور مشیرؔ، واجد علی شاہ شامل تھے قافیہ نگاری کا نگار خانہ معلوم ہوتا ہے۔

میرؔ صاحب کے سلام میں چونتیس (۳۴) شعر ہیں اور اٹھارہ (۱۸) قافیے۔ تکرار کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے — چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے بھی انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
مزہ یہ طرفہ ہے مضمون دستیاب نہیں — مقابلے پہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو
غلط یہ لفظ وہ بندش بری یہ مضمون سست — ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو
دہانِ کیسۂ زر بند رکھ پر اے منعم — خدا کے واسطے وا کر جبیں کی چینوں کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہردم — انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

جب لکھنؤ میں اسی طرح میں سخت مقابلے ہوئے تو دبیرؔ کے فرزند اوجؔ پر چوٹ کرتے ہوئے انیسؔ کے بھائی مونسؔ نے کہا:

بھلا تردد بے جا سے ان میں کیا حاصل
اٹھا چکے ہیں زمیں دار جن زمینوں کو

اس مصرعہ سلام کی انتہا اُس وقت ہوئی جب دبیرؔ کے شاگرد مشیر نے ایک ایسا قافیہ ''احمق الذینوں'' کا باندھا جو ان بزرگواروں کے لیے گستاخی تو تھا لیکن اردو ادب میں پھر ایسا عجیب اور پُر معنی قافیہ جو خود مشیر لکھنوی نے ایجاد کیا تھا دوبارہ دیکھا نہ سنا۔

جلی کٹی مرے استاد سے کرے کوئی
تو پھونک دوں مع خرمن میں خوشہ چینوں کو
ہزار بار سزا پا کے منہ پہ چڑھتے ہیں
مشیرؔ کیا کہوں ان ''احمق الذینوں'' کو

نادر اور مشکل قافیے:

میر انیسؔ نے حُر کی شہادت کی منزل کی تصویر کشی بڑے جذباتی اور اچھوتے طریقے پر

کی ہے جو صرف وہی شاعر کرسکتا ہے جو تخیل کے ساتھ الفاظ کا استعمال بھی جانتا ہو۔ یعنی قادرالکلام ہو۔ انیسؔ نے مرثیے میں اس آخری ملاقات کے مکالمے میں حُر کے دل کی اطمینان بخش حالت کو پیش کیا تھا۔

ع: کچھ اوڑھا دیجیے مولاؑ مجھے نیند آتی ہے

حُر کو باور نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے آخری وقت اس کا سر حسینؑ کے زانو پر ہے۔

پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِؑ والا کی طرف

ایک سلام میں انیس کہتے ہیں:

سرِ حُر گود میں شہؑ نے لیا اللہ اللہ
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

انیسؔ سلام میں بالکل دوسری طرح سے مضمون کو نورانی بنا دیتے ہیں۔ نیا قافیہ "مالک الرقاب" جو غلاموں کا مالک جوان کی گردنوں پر حاکم اور اسی وجہ سے مصرعۂ اولیٰ میں گردن کا لفظ بھی رکھا۔ سلام کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

حسینؑ و حُر کی ملاقات تھی کہ عالمِ نور — اُدھر سے ماہ بڑھا تھا کہ آفتاب آیا
صدا یہ آئی کہ گردن اٹھا کے دیکھ ذرا — معانقے کے لیے مالک الرقاب آیا

کتنا نادر مضمون ہے۔ ماہ آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے۔ انیسؔ کا کلام کمال ہے یعنی اگرچہ دونوں شعر بالکل جدا جدا ہیں، دونوں میں مضامین بالکل الگ ہوتے ہوئے بھی الگ نہیں۔ پہلے شعر میں حُرِ خوش نصیب کو چاند کا درجہ عطا کیا اور دوسرے شعر میں غلام کی دل جوئی کے لیے گلے لگانے کا مژدہ دیا۔ اسی لیے تو میر انیسؔ نے کہا تھا:

اٹھ گیا لو! شعر تو پڑھ کر انیسؔ
کیوں؟ طبیعت کی روانی دیکھ لی

معراج کے ان تین شعروں میں قافیہ کا حُسن، معنی آفرینی اور ردیف کی اہمیت دیکھیے:

دیر آئے پر بہ جلد آئے رسولؐ — دور لاکھوں کوس سایا رہ گیا
اللہ اللہ قربِ معراجِ رسولؐ — دو کماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا
اٹھ گئے مابین سے سارے حجاب — بس فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا

انیسؔ کے ایک سلام کی ردیف ''کھینچتے ہیں'' مشکل اور مطالب کی نوعیت سے محدود ہے۔ قافیہ نگاری کی مصوری دیکھیے۔ خود انیسؔ نے اس سلام کے مقطع میں اس کا اقرار کیا ہے:

انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیت قلم کی عناں کھینچتے ہیں

شبیہ امام زماں کھینچتے ہیں — تصور میں تصویر جاں کھینچتے ہیں
جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر — زمیں پر شہِ دیں نشاں کھینچتے ہیں
زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن — وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں
نہ ہوگی صفت خالِ رخسار شہؑ کی — عبث خفتیں نکتہ داں کھینچتے ہیں
کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابدؑ — یہ لنگر کہیں ناتواں کھینچتے ہیں
پکاری سکینہؑ دہائی ہے بابا — ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں

اس سلام میں جو قافیے استعمال ہوئے اُن سے یہ ظاہر ہے کہ پہلے شعر کا مضمون تیار ہوا اور پھر اس کی مناسبت سے قافیہ سادہ یا ترکیب سے باندھا گیا۔ اوپر کے چند اشعار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس سے بہتر قوافی ان اشعار کے لیے ممکن نہیں۔ میر صاحب کے اس سلام میں بیالیس (۴۲) اشعار پچیس (۲۵) قافیوں کی تکرار سے کہے گئے ہیں۔ بعض قافیے عمدہ تراکیب یعنی رنگیں بیاں، سوئے جناں، ایذا رساں، آتش فشاں، آبِ رواں، وغیرہ کے ساتھ اور بعض نادر اور مشکل ہیں جیسے استخواں، ابلہاں اور لامکاں وغیرہ۔

اردو شاعری میں جگہ جگہ ایسی ردیفیں نظر آتی ہیں جن کو اگر شعروں سے نکال بھی دیا جائے تو شعر اور مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسے ردیف "ہے" میں قافیہ کہیں اور "نہیں" چناں چہ "نہیں ہے" میں "ہے" حشو یا زائد اور بھرتی کا لفظ ہے۔ لیکن میر انیسؔ کے کلام میں قافیہ اور ردیف ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ادھورا ہے۔

شعر میں موسیقی اور غنائیت کو زیادہ کرنے کے لیے شاعر زم اور مترنم قافیوں کو ڈھونڈتا ہے یہاں شعری مضمون سے قافیہ پیدا ہوتا ہے یعنی قافیہ سے مضمون نہیں نکلتا۔ فارسی کے بعض الفاظ کو اردو میں "وں" لگا کر جمع بنا لیتے ہیں۔ جیسے اس سلام میں میر صاحب نے گل سے گلوں، کمال سے کمالوں، نہال سے نہالوں، خال سے خالوں، ہلال سے ہلالوں، خیال سے خیالوں، غزل سے غزالوں جیسے خوبصورت قافیے تراشے ہیں۔ جمال سے جمالوں، نالہ سے نالوں کو دوسرے اردو کے الفاظ والوں، بالوں سے باندھ کر خوبصورت سلام تیار کیا ہے۔

سلام کا مطلع، مقطع اور کچھ منتخب شعر یہ ہیں:

زباں پہ مدح ہے باغِ علیؑ کے نونہالوں کی
گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی

(صنعت مراعات النظیر۔ باغ، نونہالوں، گلستان، رنگین)

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطہ دے کے ناخن پر
نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہؑ کے خالوں کی

(عمدہ صنعت حسن تعلیل ہے۔ صنعت مراعات النظیر قلم، نقطہ، معنی آفرینی اختراع بھی ہے یعنی تشبیہ اور استعارے سے اچھوتے معنی نکالنا)

معاذ اللہ رعب دلبران حضرت زینبؑ
علیؑ کا رعب چتون شیرؑ کی آنکھیں غزالوں کی

(صنعت جمع میں دوسرا مصرعہ ہے۔ استعارے اور سراپا نگاری ہے)

اٹھائے یہ سکینہ نے جفائے شمر کے صدمے
کہ رنگت ہوگئی تھی سوسنی اُن گل سے گالوں کی

(اس شعر میں صنعت حسن تعلیل اور معنی آفرینی بھی ہے۔ سوسن ہلکے نیلے رنگ کا پھول ہے اور سکینہ کے گال شمر کے طمانچوں سے نیلگوں ہو گئے تھے۔ یہی کمال میر انیسؔ کا ہے جو درد کی باتوں سے دل کے تار چھیڑ دیتے ہیں اور قلب کو رقیق کر دیتے ہیں۔)

جب آئی لوٹنے کو فوج خیمے میں ہوا محشر
صدا پہنچی فلک پر فاطمہ زہراؑ کے نالوں کی

انیسؔ اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں
رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

سادے اور مجرد لفظوں کے قافیے دیکھنے میں آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں معنی آفرینی پیدا کرنا انیسؔ جیسے عظیم فن کار کا کرشمہ ہے جو دراصل نگینہ جڑنا اور موتی پرونا ہے۔ خود انیسؔ نے کہا تھا:

نظم ہے یہ یا در شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

یہاں دھو، بو، ہو کی نگارش دیکھیے:

شبیرؑ کے غم میں رو رہے ہیں
منہ آب گہر سے دھو رہے ہیں
گندم گندم سے جَو سے جَو ہے
کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں
کیا آب حیات اے خضرؑ
ہم جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں

کیں جن پہ ریاضتیں وہی گل کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں
روتے نہیں بزم میں گناہ گار فردیں عصیاں کی دھو رہے ہیں
بہتا ہے انیسؔ خونِ انصاف مضمون مرے قتل ہو رہے ہیں

ان اشعار میں روزمرہ کا استعمال اتنا زیادہ ہے جیسے کوئی بات کررہا ہے۔ زیادہ تر مصرعوں میں الفاظ کی ترتیب اسی طرح کی ہے جیسے عام بول چال میں ہوتی ہے۔ اس سونے پر سہاگہ یہ بھی ہے کہ اکثر مصرعے محاوروں میں ہیں جیسے گندم گندم ہے جو جو ہے۔ جو بوئیں وہیں کاٹیں گے، جان سے ہاتھ دھونا، کسی کے حق میں کانٹے بونا، اور انصاف کا خون ہونا وغیرہ۔ ان شعروں میں قدرتی طور پر لاشعوری عمل کے تحت کئی لفظی اور معنوی صنعتوں کا ظہور بھی ہے۔ صفت ایہام میں "منہ آب گہر" سے دھونا یعنی منہ آنسوؤں سے دھونا۔ آنسو کو گہر سے تشبیہ دے کر آب گہر یعنی موتی کی چمک کے بجائے آنسوؤں کے قطروں کو دکھاتا ہے۔ صنعت تکرار میں جو، جو اور گندم گندم نے تمثالی کیفیت پیدا کی ہے۔ صنعت تلمیح میں شبیر کا غم، آب حیات، خضر، فردیں عصیاں کی وغیرہ شامل ہیں۔ صنعت تضاد میں گل، کانٹے اور تقریباً ہر شعر میں صنعت مراعات النظیر کی جھلک ہے۔ جیسے گندم، جو، بو، کاٹیں۔ آب حیات، خضر، جان وغیرہ۔ اس شعر میں ضلع جگت کی خوبصورتی ہے۔

کیں جن پہ ریاضتیں وہی گل
کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں

یہاں ریاضتیں، محنتوں اور مشقتوں کے معنی میں آیا ہے جبکہ ریاض کے معنی باغ کے بھی ہیں۔ اسی طرح وہی گل یعنی وہی دوست واقربا، یعنی یہاں گل ریاض کی نسبت سے لایا گیا ہے اور پھر شکایت کہ وہی افراد انیسؔ کے حق میں حق فراموشی کر رہے ہیں۔ تمام شعر استعاروں، محاوروں اور صنعتوں میں ڈھلا ہوا ہے۔

یہ روز مرہ میں ہے بلکہ تقابلی جائزہ ہے جس میں حُب کی تکرار، تضاد کا کرشمہ جو تجھے ہمیں، تری ہمارا اور وہ یہ سے دکھایا گیا ہے معجز بیانی ہے جہاں معمولی مکالمہ نگاری معجز بیانی ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں صنعت تکرار، تضاد کے علاوہ صنعت مراعات النظیر میں کشتی اور سفینہ شامل ہے۔

انیس کے تقریباً تمام سلام مردف ہیں۔ میر انیس کے اغلب مرثیے بھی ردیف کے ساتھ نظم ہوئے ہیں لیکن قدیم مرثیے صرف قافیے پر تمام کیے گئے ہیں۔ انیس نے اشعار میں قافیے اور ردیف کے حسن استعمال سے شعر کے حسن اور تاثیر میں اضافہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر غیر مانوس اور مشکل قافیوں اور ردیفوں کو ایسا شعر میں گتھ دیا ہے کہ اس کے مشکل ادق یا اجنبی ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ انیس کی ردیف میں زیادہ تر ہر شعر جداگانہ معنی رکھتا ہے جو ان کی قادرالکلامی کی دین ہے۔

انیس محاوروں کا بادشاہ:

محاورہ دو یا زیادہ لفظوں کا وہ مجموعہ ہے جو مصدر سے مل کر اور اپنے حقیقی معنی سے ہٹ کر مجازی معنی میں بولا جائے۔ بعض اوقات محاورہ ضرب المثل کا کام دیتا ہے۔ ''ضرب المثل'' خود ایک جملہ کامل ہوتا ہے۔ جو محاورے کی طرح دوسری عبارت کا محتاج نہیں ہوتا اور اس میں الفاظ کی تقدیم اور تاخیر جائز ہے۔ ضرب المثل اس تجربہ کی مختصر ترین صورت ہے جسے اہل زبان نے کئی تجربات کے بعد حاصل کیا ہے۔ محاورے، ضرب المثل سے ملتا جلتا فقرہ یا جملہ ''مقولہ'' ہوتا ہے جس میں الفاظ اپنے حقیقی معنی دیتے ہیں اور مقولہ ایک عام اصول یا نصیحت ہونے کی بنا پر عوام پسند ہو جاتا ہے۔ محاورہ، ضرب المثل، مقولہ سے مختلف ''روز مرہ'' ہوتا ہے جس میں اہل زبان کی بنائی ہوئی الفاظ کی خاص ترتیب ہوتی ہے اور الفاظ اپنے حقیقی

معنی دیتے ہیں۔

میر انیسؔ کے سلاموں میں صحت محاورہ اور مقام محاورہ کی خوبصورتی دیکھیے جو شعر کے معنی کو دوبالا کر دیتی ہے۔ اسی لیے تو فرہنگ آصفیہ کے مؤلف احمد دہلوی نے انیس کو محاوروں کا شہنشاہ کہا جہاں میر تقی کا کلام بھی اس خوبصورتی پر نہ پہنچ سکے۔ چند مثالیں سلاموں کے مصرعوں سے یہ ہیں۔

تیری سختی پر فلک پتھر پڑیں
چور ہوکر دل کا شیشہ رہ گیا

(پتھر پڑنا۔ دل کا شیشہ چور ہونا)

کوئی اپنی جان سے یوں ہاتھ دھو سکتا نہیں

(جان سے ہاتھ دھونا)

ایسا سلام نظم کیا تو نے اے انیسؔ
جو اہل فہم اس کو سنے وہ اچھل پڑے

(اچھل پڑنا)

پوچھا زینبؑ نے ہوئی فتح تو سرور نے کہا
سر کٹادوں تو مہم عشق کی سر ہوجائے

(مہم سر ہونا)

صدف طبع سے گوہر اگلتا ہے انیسؔ
قدر داں ہوتا تو منہ موتیوں سے بھر دیتا

(منہ موتیوں سے بھرنا)

آب خنجر سے گلا جب شاہ کا تر ہوگیا
پانی پانی اے سلامی غم سے کوثر ہوگیا

(پانی پانی ہونا)۔

اے فلک افسوس خشکی میں بھی تو
فاطمہؑ کا گھر ڈبوتا ہی رہا

(گھر ڈبونا)

چھپانے لگے ہم سے منہ قبر میں
انھیں جب خدا نے جواں کردیا

(منہ چھپانا)

ع: الٹ گیا تھا زمانہ یہ انقلاب نہ تھا (زمانہ الٹ گیا)

ع: بات کی جب پھول منہ سے جھڑ پڑے (منہ سے پھول جھڑنا)

کہتے تھے شہؑ مل گئے ہم خاک میں
اے فلک بتلا تجھے کیا مل گیا

(خاک میں ملنا)

سرِ حسینؑ گیا شام میں جو وقتِ سحر
ہوا یہ شور کہ نیزے پہ آفتاب آیا

(نیزے پر آفتاب ہونا)

ورق الٹ گیا دنیا کا یک بیک کیوں چرخ
یہ کس طرح کا زمانہ میں انقلاب آیا

(ورق الٹنا)

روزِ عاشور الٹا دشت میں سرسبز چمن
خاک میں مل گئے کیا کیا گلِ رعنائے حسینؑ

(خاک میں ملنا)

ع: یہ مہم جب تک نہ سر کٹ جائے سر ہوتی نہیں (مہم سر کرنا)

ع: ہل گیا عرشِ خدا زینبؑ نے جب فریاد کی (عرش ہلنا)

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اُڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

(رنگ اڑنا)

ع: خاک ہونے کو یہ مشت استخواں پیدا ہوئے

(خاک ہوجانا، مشت استخواں)

میر انیسؔ کے ایک مختصر سلام میں جو تیرہ اشعار کا ہے چھ سے زیادہ محاورے نظر آتے ہیں۔

یاد آیا دامنِ مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

(پاؤں پھیلانا)

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر
سنتے سنتے قلب پتھر ہوگئے

(قلب پتھر ہونا)

موت آئی ہے مجبو الفراق
آج سب وعدے برابر ہوگئے

(وعدہ برابر ہونا)

عالم فانی میں ہم کو کیا ملا
اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

(گرہ سے کھونا)

ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر
دست و پا عابدؑ کے ٹھنڈے ہوگئے

(دست وپا ٹھنڈے ہونا)

خون گردن سے جو نکلا گرم گرم
بھر کے آہ سرد ٹھنڈے ہو گئے

(آہ سرد بھرنا)

انیسؔ بیچ کے جاں اپنی ہند سے نکلو
جو توشۂ سفر کربلا نہیں رکھتے

(جان بیچنا)

فصل پیری میں ہوس دنیا کی توبہ کر انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

(کس منہ سے جاؤں)

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

(نیا محاورہ۔ کند چھری سے حلال کرنا)

تڑپ کر ذوالفقار حیدری خود میان سے نکلی
علیؑ کے لال کے ابرو پہ جب غصے میں بل پایا

(ابرو پر بل آنا)

جب لگا پھیرنے خنجر کو گلوئے شہ پر
احمدؐ پاک کو انگشت بدنداں دیکھا

(انگشت بدنداں ہونا)

حیراں ہوں میں کہ کیوں نہ قیامت بپا ہوئی
چوب یزید اور لب شبیرؑ دیکھیے

(قیامت بپا ہونا)

لاش اکبرؑ پہ عجب حال سے آئے شبیرؑ
دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے آئے

(ہاتھوں سے کلیجہ تھامنا)

ان میں اکبر کو لگی دیر تو ماں کا اس کی
تھا یہ نزدیک کہ سو ٹکڑے جگر ہو جائے

(جگر ٹکڑے ہونا)

مرنے والوں کو تو درکار نہیں ہیں ڈھالیں
چاہیے جنگ میں سینہ ہی سپر ہو جائے

(سینہ سپر ہونا)

پوچھا زینبؑ نے ہوئی فتح تو سرورؑ نے کہا
سر کٹا دوں تو مہم عشق کی سر ہو جائے

(مہم سر ہونا)

بدلے شربت کے پیا دولھا نے آبِ خنجر
خون میں قاسمِ ناشاد کے نہائی مہندی

(خون میں نہانا)

سبز تھی سرخ ہوئی ہاتھ میں نوشہ کے انیسؔ
خوش ہوئی ایسی کہ پھولے نہ سمائی مہندی

(پھولے نہ سمانا)

ع: بارش ہے خوں کی چشمِ فلک اشک بار میں (خون کی بارش ہونا)

maablib.org

بجھ گیا ہے دل نہیں غم سے فراغ
گر مراد آئے تو روشن ہو چراغ

(چراغ بجھ جانا)

انیسؔ نے متروک الفاظ کیوں ترک نہ کیے:

مشہور واقعہ ہے کہ میر انیسؔ کے کلام کو سن کر شیخ ناسخؔ نے ان کا تخلص حزیںؔ سے انیسؔ کر دیا تھا۔ میر انیسؔ شیخ ناسخؔ اور خواجہ آتشؔ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ دبستان ناسخؔ اردو زبان کو ٹکسالی اور فصیح تر بنانے پر تلے ہوئے تھے اور دن بہ دن متروکات کی فہرست میں اضافہ ہو رہا تھا۔ فلاں لفظ غلط، فلاں بندیش اشتباہ، فلاں محاورہ منسوخ، بہر حال اس ظاہری زبان سازی کے دور میں ناسخؔ کے شاگردوں نے استاد سے زیادہ سخت رویہ اختیار کر رکھا تھا لیکن میر انیسؔ ان خود ساختہ مشکلات اور متروکات میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ الفاظ کو شعر و شاعری میں برتنا اور ہر لفظ کو اس کے صحیح مقام پر لکھنا اور صحیح محاوروں کو جو صدیوں سے زندہ تھے استعمال کرنا تھا چنانچہ ان کا کلام ان تمام الفاظ کا عمدہ نمونہ ہے۔ اگرچہ متروک لفظوں کی فہرست طویل ہے لیکن ہم یہاں کچھ لفظوں کو بیان کرتے ہیں جو میر انیسؔ کے کلام میں موجود ہیں۔ جیسے آخرش، بتلانا، دکھلانا، پہنانا، سمیت، مت، تلک، سدا، مرا، ترا، اک، پہ، کیجے، دیجے، لیجے وغیرہ۔

یہی نہیں بلکہ بعض الفاظ جو خارجی زبان سے تعلق رکھتے ہوں وہ اصل زبان کے لغت کے خلاف بولے جائیں جیسے موسَم، موسِم کے لیے، نشا، نشہ کے لیے، قران، قرآن کے لیے یا بعض الفاظ اصل وضع کے خلاف استعمال ہوں جیسے غشی، غش کے لیے، غلطی، غلط کے لیے، فضولی، فضل کے لیے، سلامتی، سلامت کے لیے، حضوری، حضور کے لیے، زیادتی، زیادت

کے لیے، مدارا، مدارات کے لیے، مسلمان، مسلم کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ حالیؔ نے مقدمہ میں سچ کہا ہے کہ

''لیکن فی الحقیقت یہ ایک غلطی ہے جو اکثر ہمارے عربی دانوں کو علم لسان کی ناواقفیت سے پیش آتی ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں منتقل ہو کر کبھی اصلی صورت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ الا ماشاء اللہ دور کیوں جاؤ۔ ہماری اردو ہی میں ہزاروں لفظ سنسکرت، پراکرت اور بھاشا کے داخل ہیں۔ باوجود اس کے شاذ و نادر ہی ایسے الفاظ نکلیں گے جو اپنی اصلی صورت پر قائم ہوں۔ مثلاً گھڑ گھڑا۔ اُجلا۔ آدھا۔ اندھیرا۔ آسرا۔ آنکھ۔ آگے۔ انگلی۔ یہ تمام الفاظ سنسکرت کے مفصلہ ذیل الفاظ بگڑے ہوئے ہیں یعنی گرھ۔ گھٹ۔ اجل۔ اردھ۔ اندھکار۔ آشرے۔ اکھی۔ اگر۔ اگرو۔ اسی طرح پراکرت اور بھاشا کے صدہا لفظ اپنی اصل کے خلاف ہماری زبان میں مستعمل ہیں۔ مگر چونکہ ان کی اصلیت سے واقف نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو صحیح سمجھ کر بے تکلف بولتے اور برتتے ہیں۔ لیکن عربی یا فارسی جس سے کہ ان کو فی الجملہ واقفیت ہے جہاں اس کا کوئی لفظ اصل زبان کے خلاف کسی کی اردو نظم یا نثر میں دیکھا اور فوراً ناک چڑھائی۔ اسی طرح جہاں تک استقرا کیا جاتا ہے کسی زبان کے الفاظ دوسری زبان میں جا کر اپنی اصلی وضع پر قائم نہیں رہتے۔ بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو جو کہ عربی یا فارسی یا انگریزی سے اردو میں لیے گئے ہیں اور اصل وضع کے خلاف عموماً مستعمل ہوتے ہیں یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کہ وہ موجودہ صورت میں عربی یا فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں نہیں بلکہ ان کو اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیے جو اصل کے لحاظ سے عربی یا فارسی یا انگریزی سے ماخوذ ہیں۔

عام غلطی اور عوام کی غلطی میں بہت بڑا فرق ہے جو غلط الفاظ خاص و عام دونوں کی زبان پر جاری ہو جائیں۔ وہ عام غلطی میں داخل ہیں۔ ایسے الفاظ کا بولنا صرف جائز ہی نہیں

بلکہ صحیح بولنے سے بہتر ہے۔ ہاں جو غلط الفاظ صرف عوام اور جہلا کی زبان پر جاری ہوں نہ کہ خواص اور پڑھے لکھوں کی زبان پر۔ البتہ ایسے الفاظ کو ترک واجب ہے جیسے مزاج کو مجاز کہنا۔ منکر کو نامنکر۔ خالص کو نخالص۔ ناحق کو بے ناحق۔ دروازہ کو درروزہ۔ نسخہ کو نخسہ وغیرہ وغیرہ۔

ان کے سوا بہت سے ایسے الفاظ واجب الترک بتائے ہیں جو شعرائے متقدمین نے عموماً استعمال کیے ہیں اور دہلی کے بعض شعرا اب بھی استعمال کرتے ہیں اور اگر روزمرہ کی بول چال کے لحاظ سے دیکھا جائے تو آج تک دلّی کے خاص و عام برابر بولتے رہے ہیں۔

یہ سچ ہے میر انیسؔ نے زبان کے دائرہ کو بہت وسیع کیا، وہ دہلوی بھی تھے لکھنوی بھی تھے اور سب سے بڑھ کر اردو ادب کے مسیحا تھے اور اسی لیے اپنے لیے بہت صحیح کہا:

مری قدر کر اے زمین سخن
تجھے بات میں آسماں کردیا
سبک ہورہی تھی ترازوے شعر
مگر پلّہ ہم نے گراں کردیا

میر انیسؔ فطری شاعر تھے ان کے پاس سوقیانہ اور غیر مہذب الفاظ نہ تھے بلکہ ہر لفظ معتبر تھا۔ چنانچہ وہ دبستان ناسخ کے اس ضمن میں پیرو نہ تھے۔ ناسخیت کے زیر اثر جو فہرست دبستان ناسخ کے شعرا نے متروک الفاظ کی مرتب کی وہ ساری فہرست میر انیسؔ کے کلام میں نظر آتی ہے۔ میر انیسؔ کے بعض شاہکار اشعار متروک الفاظ سے مزین ہیں۔

''سدا'' کا لفظ متروک بتایا گیا ہے۔ میر انیسؔ فرماتے ہیں:

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائیں ہیں ان زمینوں کو

(سدا)

اہل دولت سے نہیں مطلب انیسؔ
یاں توکل ہے سدا اللہ پر

(سدا)

امیر مینائی لکھتے ہیں میر صاحب کی طرح مجھے سدا کا لفظ اچھا لگتا ہے جسے میں استعمال کرتا رہتا ہوں۔ ''تلک'' جس کے معنی تک ہیں متروک بتایا گیا ہے۔ میر انیسؔ کے اس سلام میں ''تلک'' ردیف ہے جس میں خوبصورت اشعار نکالے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یاں، واں وغیرہ کا بھی فراوان مصرف ملتا ہے۔

کیا شہؑ کو اپنے نانا کی امت کا پاس تھا
شکوے کا حرف دل سے نہ آیا زباں تلک (تلک)
شبیرؑ پر فنا ہوئے کھا کھا کے تیغ و تبر
کیا جاں فشاں تھے پیر سے لے کر جواں تلک (تلک)

یہ انقلاب غضب کا ہے یا علیؑ فریاد
کہ مسجدیں تھیں جہاں، واں شراب خانہ ہوا (واں)

ع: الٹ کے سب مرے مضموں پڑھے مرے آگے (مرے)

بعض الفاظ جیسے ''اخی'' یعنی ''میرے بھائی'' کے معنی میں استعمال ہونا ضروری ہے۔ ''اخی'' بھائی کے معنی میں جو بعض شاعروں نے باندھا ہے غلط ہے۔ میر انیسؔ کے پاس ''اخی'' کا صحیح مصرف دیکھیے:

سکینہ پکاری ، بندھا جب گلا
''اخی'' اب تحمل کا یارا نہیں

حالیؔ نے تقریباً سو سال قبل جو پیش گوئی کی تھی وہ لفظ بہ لفظ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں حالیؔ لکھتے ہیں:

''جو لوگ اپنے تئیں اردو زبان کا مالک سمجھتے ہیں یعنی اہل دہلی یا اہل لکھنؤ ان کو اس بات پر فخر کرنا نہیں چاہیے کہ ہماری زبان کا لوگ اتباع کرتے ہیں اور ہمارے روز مرہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ اپنی زبان کی خبر نہ لیں گے اس کے محفوظ رکھنے کے وسائل بہم نہ پہنچائیں گے۔ اس کے الفاظ و محاورات کو نہایت احتیاط کے ساتھ فراہم اور مرتب نہ کریں گے اور اس کی نظم و نثر کو زمانہ کے مذاق کے موافق ترقی نہ دیں گے تو ان کی زبان کا وہ حصہ جس پر ان کو فخر ہے اور جو ان کی اور تمام ہندوستان کی اردو میں مابہ الامتیاز ہے وہ حرف غلط کی طرف صفحۂ روزگار سے محو ہو جائے گا اور یہی بُری بھلی اردو جو عام اختیارات اور جدید تصنیفات کے ذریعے سے ملک میں پھیل رہی ہے اور جس کو وہ اب تک حقارت کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نصف صدی میں یہی ملک کی ٹکسالی اور فصیح زبان قرار پا جائے گی۔

ادھر حالیؔ مقدمہ شعر و شاعری میں شبلیؔ، آزادؔ، امداد اثرؔ، چکبستؔ اور درجنوں عظیم مشاہیر اردو شاعری میں سب سے زیادہ انیسؔ، دبیرؔ اور مونسؔ کی شاعری کی تعریف اور زبان برتنے کے انداز سے واقف ہونے کے لیے ان کے کلام کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں جیسا کہ حالیؔ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ...... ''اور سب سے زیادہ اہم اور ضروری خلیقؔ، ضمیرؔ، انیسؔ، دبیرؔ اور مونسؔ وغیرہ کے مرثیوں کا مطالعہ ہے۔ تو دوسری طرف بعض مقامات پر مرثیے کے تعلق سے ضد و نقیض مطالب بھی پیش کرتے ہیں جس کا تذکرہ یہاں بے موقع ہے۔

ع: اے فلک جتلا تجھے کیا مل گیا (جتلا)

ع: نکلیو نہ بدلی سے اے برقِ خاطف (نکلیو)

جائے گا تو انیسؔ مقرر بہشت میں
سن کہ حیدرؑ کرار لے گئے

(مقرر بمعنی یقیناً، لیجیو

ہراک آن یاں زندگی موت ہے
جئیں گے جو واں جا کے مرجائیں گے

(یاں۔واں)

شہ نے عباسؑ سے فرمایا کہ لڑیو نہ کہیں
پانی ہاتھ آئے تو لے آئیو تدبیر کے ساتھ

(لڑیو۔آئیو)

میر انیسؔ کی زبان: واللہ یہ خلیقؔ کی ہے سربسر زباں:

میر انیسؔ کے کلام کا جائزہ لینے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی زبان جس پر وہ فخر کرتے تھے اور بھری بزم میں کہتے تھے:

ع: ''حقا کہ یہ خلیقؔ کی ہے سربسر زبان''

کا مطالعہ ضروری ہے۔ یہ وہی زبان ہے جس کے بارے میں مرثیہ پڑھتے وقت کہتے۔ ''حضرات یہ میرے گھر کی زبان ہے۔ اہل لکھنؤیوں نہیں بولتے۔'' میر انیسؔ کی زبان دلّی اور لکھنؤ کی ٹکسالی تھی۔ میر انیسؔ کے گھر میں میر حسن دہلوی جوان کے دادا تھے۔ ان کی زبان و لہجہ رواں دواں تھا، لکھنؤ میں رہنے سہنے کی وجہ سے لکھنؤ کی بول چال اس میں مل چکی تھی۔ چنانچہ جہاں ہمیں میر انیسؔ کے کلام میں دہلی کی زبان کی چاشنی اور بعض مخصوص الفاظ کی جلوہ گری نظر آتی ہے اُسی طرح لکھنؤ کے دبستان کی فارسیت بھی نمایاں طور پر ملتی ہے گویا دونوں

دبستانوں کا امتزاج انیسؔ کی شاعری کا کمال ہے۔ شاید اسی لیے الطاف حسین حالیؔ نے کہا تھا:

دلّی کی زباں کا سہارا تھا انیسؔ
اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیسؔ
دلّی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار
دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیسؔ

زبان اور بیان کے نقادوں نے میر انیسؔ کے کلام میں بعض الفاظ کو متروک اور بعض کو غلط بھی قرار دیا ہے۔ جو ان کی ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ یہ الفاظ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں رائج تھے اور اہلِ لکھنؤ اس سے واقف نہ تھے۔ یہ سچ ہے کہ کلام کی ضرورت کے تحت بعض لفظوں میں کچھ تصرف بھی کیا گیا جو جائز ہے۔ شاعر ہمیشہ زبان کے دائرہ کو وسعت دیتا ہے۔ ذیل میں کچھ لفظوں کی فہرست دی جاتی ہے جس سے ہمارا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔

کمتی	کمی کے بجائے	کیوں کر	کیوں کے بجائے
صفا	صفائی کے بجائے	اجیالا	اجالا 〃
نازکی	نزاکت کے بجائے	جاگہ	جگہ 〃
کبھو	کبھی 〃	تلے	نیچے 〃
تمامی	خاتمہ 〃	مجئی	ملی 〃
ذری	تھوڑی 〃	سُسرا	سُسر 〃
راس	راست 〃	تلک	تک 〃
نُوں	لو 〃	مرا	میرا 〃
خوشی	خوش 〃	ترا	تیرا 〃

جھوکا	جھونکا	؍؍	یاں	یہاں	؍؍
سبھوں	سب	؍؍	ڈرونی	ڈراونی	؍؍

توحید، حمد اور مناجاتی شعر:

اسی کا نور ہر اک شئے میں جلوہ گر دیکھا
اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا

بشر کو چاہیے دنیا میں اس کے حُسن عشق
کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

اس کا ادائے شکر ہو کس طرح اے انیسؔ
جس نے اٹھا کے خاک سے انساں بنادیا

خدا کی راہ کے سودے میں لب کو بند نہ رکھ
بڑی ہے خیر اگر کام کچھ زباں سے چلے

ہند میں ہوں پہ شب و روز دعا ہے یہ انیسؔ
قبر ہو متصل قبر معلائے حسینؑ

یا علیؑ! حق میں انیسؔ زار کے کیجے دعا
میرے مولا! اب کسی صورت بسر ہوتی نہیں

فلسفہ دعا میں وسیلہ کی بڑی اہمیت ہے۔ جتنی وسیلہ کی ذات خداوندی سے قربت زیادہ

ہوگی دعا جلد مستجاب ہوگی۔ اِسی لیے لوگ برگزیدہ شخصیتوں کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے ہیں۔

طبع میں مولا روانی دیجیے تحفۂ کوثر ہوں پانی دیجیے
طاقت رنگیں بیانی دیجیے دل کو شوق مدح خوانی دیجیے

اب مدد کیجے دم امداد ہے
یا امیر المومنین فریاد ہے

انیسؔ آچکے تھے تہِ تیغ مرگ
سپر مومنوں کی دعا ہوگئی

سلاموں میں نعتیہ اور معراج کے مضامین:

دیر آئے پر بہ جلد آئے رسولؐ دور لاکھوں کوس سایا رہ گیا
اللہ اللہ قرب معراجِ رسولؐ دو کماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا
اٹھ گئے مابین سے سارے حجاب بس فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا

ان نعتیہ اشعار میں میر صاحب فرماتے ہیں اگرچہ رسول معراج پر آخری عمر میں گئے لیکن بہت تیزی (رفتار) سے عرش پر پہنچے۔ حضور تو عرش پر تھے لیکن لاکھوں میل دور آپ کا سایا یعنی حیدر کرار فرش پر تھے۔ حضور ختمی مرتبت کا اگرچہ ظاہری سایا نہ تھا لیکن بقول راقم:

کس نے کہا رسولؐ کا سایا نہ تھا کوئی
حیدرؑ تو تھے ہمیشہ پیمبرؐ کے ساتھ ساتھ
(تقی)

دوسرے شعر میں ''اللہ اللہ'' کی تکرار کو بطور مدحت اور معراج میں رسول کا اللہ سے

قرب کے رشتے کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مصرعہ دوم میں کمان اور ادنیٰ سے آیت مراد ہے۔

دوسرا شعر ذوالِلّسان صنعت یعنی مصرعہ اولی فارسی اور دوم اردو میں ہے۔ اس میں اصطلاحات اور تلمیحات ہیں۔ اگر چہ دونوں مصرعوں میں غیر مانوس الفاظ موجود ہیں لیکن ان لفظوں کو ارد گرد کے لفظوں سے ایسا جوڑا گیا ہے کہ وہ غیر مانوس سے مانوس، سلیس اور رواں معلوم ہوتے ہیں۔

خدا اور رسولؐ کے درمیان کے تمام حجابات اُٹھ گئے، سوائے دیدارِ ذات باری کے، کیوں کہ ذات اقدس مجسّم نہیں ہے۔ مصرعہ ''بس، فقط آنکھوں کا پردا رہ گیا۔'' پر شعر کی سبک روی، روانی اور شگفتگی صدقے ہوتی ہے اور کہتی ہے:

ع: جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

انیسؔ خود کہتے ہیں:

لکھی شہؑ کے خالِ معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کر دیا

سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے — جمالِ پاکِ رخِ سید البشرؐ دیکھا
ورائے کرسی و عرشِ عظیم و لوح و قلم — وصی کا نور ہر اک شئے میں جلوہ گر دیکھا
کہاں تلک کہوں نکلا جو ہاتھ پردے سے — تو صاف دستِ ید اللہ نامور دیکھا
ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچا — علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا

معراج کے اس قطعہ بند میں واقعہ نگاری کی جزئیات، سلیس شگفتہ مصرعوں کی روانی، چست بندش، اور روزمرہ کے علاوہ صنائع لفظی اور معنوی نے مصرعوں میں نکھار پیدا کیا ہے۔

کرسی، عرش، لوح اور قلم کو صنعت جمع، صنعت مراعات النظیر، صنعت تنسیق الصفات میں رکھ سکتے ہیں۔ دوسرے شعر کا مصرعہ دوم صنعت تقسیم میں ہے۔ تیسرا شعر تلمیحات سے سجایا گیا۔ اس شعر کی خوبصورتی اور شاعر کی قادرالکلامی یہ بھی ہے کہ اس میں عربی ''ید'' فارسی ''دست'' اور اردو ''ہاتھ'' کو بڑی فنکاری سے نظم کیا گیا ہے۔ یہاں ''یداللہ'' اللہ کا ہاتھ حضرت علیؑ کے نام کی جگہ آیا ہے اور اسی طرح پہلے مصرعہ میں ہاتھ پردے کی نسبت سے روزمرہ کا جزو بن گیا ہے۔ دبستان ناسخؔ کی کھلی مخالفت تو انیسؔ نے نہیں کی لیکن ناسخیت کی غیرضروری پابندیوں کی پروا بھی نہیں کی۔ چنانچہ متروکات کی فہرست کے بہت سے لفظ انیسؔ نے مسلسل استعمال کیے۔ یہاں تک کا جو مزا شعر کی موسیقی اور معنی آفرینی سے ملتا ہے شاید کوئی دوسرا لفظ اسے مشکل سے دے سکے۔ چوتھا شعر جس میں مسندالیہ کی تکرار ہے کلام کی قیمت کو دوبالا کرتا ہے۔ پورا شعر سہل ممتنع میں ایجاز سے سنوارا گیا ہے۔ معراج کے جزوی واقعات کو ایک کُل میں جمع کردیا گیا ہے۔ اس شعر کی نثر کرنا اس لیے بھی مشکل ہے کہ یہ خود نثر کی ترکیب پر نظم کیا گیا ہے جو شاعر کی مہارت کا پتہ دیتی ہے۔ پورے شعر میں صنعت تکرار دلی، ولی، جہاں، جہاں، علیؑ، علیؑ اور جدھر، جدھر نے شعر کو موسیقی میں ڈبو دیا ہے جو بڑی شاعری کی علامت ہے۔

ـــ زہے رسولؐ زہے قرب اور خوشا معراج | وہاں گئے کہ فرشتہ بھی باریاب نہ تھا
ـــ اُدھر تھی ذاتِ خدا اور اِدھر رسولؐ خدا | بغیر آنکھ کے پردے کے کچھ حجاب نہ تھا
ـــ جب آفتاب میں نکلے محمدؐ عربی | تو چتر بن کے سرِ پاک پر سحاب آیا
ظہور نور محمدؐ ہوا خلیل کے بعد | چھپا جو چاند زمانے میں آفتاب آیا
ـــ احمدؐ مرسلؐ نے دنیا میں جو کی فاقہ کشی | رزق ہر ممکن کا واجب ہوگیا اللہ پر
ـــ لکھا ہے یہ کہ محل تھا وہ اُمِّ ہانی کا | رسولؐ جانب معراج جس مکاں سے چلے

خوشا براق سبک رو کی تیز رفتاری
اس آسمان سے گزرے اس آسماں سے چلے

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے

محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

کہا سُرخ اور سبز ہیں کیوں یہ دونوں
دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے

کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر
یونہی مرضیِ حضرتِ ذوالمنن ہے

کروں مختصر عرض ہے طول اس میں
یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

ہاں اے سوارِ دوشِ محمدؐ سوار ہو
روح الامیں کا ہاتھ ہے تری رکاب میں

نبیؐ کا عزّو شرف بوتراب سمجھے ہیں
علی کی قدر رسالت مآب سمجھے ہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

سحر کو اٹھ کے زباں سے یہ کام لیتے ہیں
خدا کے بعد محمدؐ کا نام لیتے ہیں

یوں نور تھا رسولؐ کا آدم کی صلب میں
ہوتی ہے جس طرح سے خبر مبتدا کے ساتھ

مسکرانے میں جو دندان پیمبر کھل گئے
صاف گویا عرش نورانی کے اختر کھل گئے

فلک نے سر پہ رکھا ہے بنا کے جس کو ہلال
سمند صاحب معراج کی رکاب ہے یہ

سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو   لحد کو اس کی میسر نہ شامیانہ ہوا
وہ زلف چوب سناں میں بندھی ہزار افسوس   نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا
شہسوار دوشِ احمدؐ کا پسر   قید میں پیدل کئی منزل گیا
قد و قامت وہی زلفیں وہی رخسار وہی   کیا محمدؐ سے مشابہ تھا سراپائے حسینؑ
اپنی آغوش میں رکھتے تھے محمدؐ دن بھر   سینۂ فاطمہ پر رات کو تھی جائے حسینؑ
مختصر حال یہ بچپن کا ہے پر قتل کے بعد   رہ گیا دھوپ میں عریاں تن زیبائے حسینؑ
حق کے محبوب نبیؐ ہیں یہ نبیؐ کے محبوب   پوچھے احمد سے کوئی رتبہ اعلائے حسینؑ
قبر سے ختم رسل چاک گریباں نکلے   رن میں جس وقت کفن پہنے ہوئے آئے حسینؑ

سلاموں میں منقبتی اشعار:

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

کتاب کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ
کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

یہ پورا شعر نادر تخیل اور عمدہ زبان کا نقیب ہے۔ شیرازہ کتاب کی پشت کا وہ دھاگا جو پورے صفحات کو جوڑتا ہے چنانچہ کتاب کفر کو علیؑ نے تلوار سے پارہ پارہ کر دیا جس کے بعد نہ اس میں کوئی باب نہ فصل باقی رہی۔ صنعت مراعات النظیر اور صنعت تنسیق الصفات میں کتاب، شیرازہ، فصل اور باب شامل ہیں۔ کافروں کو علیؑ کی تلوار نے اس طرح غارت کیا کہ ان کے ابتدا اور انتہا تمام ہو گئے۔ یہ شعر صنعت تفریق، صنعت حسن تعلیل میں بھی ہے۔

رخ حسینؑ سے میں نے کبھی نہ دی تشبیہ — چمک کے سامنے سو بار آفتاب آیا
زمیں کا زور چلا خاک بھی نہ وقتِ فشار — مری زباں پہ جو نامِ ابو ترابؑ آیا
حُب حیدرؑ چاہیے کیسی خطا کیسے گناہ — بخش دینا جُرم کیا دشوار ہے اللہ پر

میر انیسؔ کے ایک سلام جس کی ردیف نجف ہے اور جس میں گیارہ اشعار ہیں درحقیقت منقبت ہے کیوں کہ اس میں کوئی رثائی مضمون نظر نہیں آتا۔ فارسی شعرا کی طرح اردو کے مشاہیر شاعروں نے بھی مکہ، مدینہ، نجف، کربلا اور مشہد مقدس کی فضاؤں میں سانس لینے اور وہاں کی خاک میں دفن ہونے کی تمنائیں کی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرفیؔ شیرازی کے بعد تقریباً ہر بڑے اور چھوٹے شاعر نے کسی طرح سے اس مضمون کو باندھا ہے اس لیے ہم اس مقام پر نجف پر مختلف شعرا کے کلام کو پیش کرنے سے پہلے عرفیؔ شیرازی کی داستان کو مستند حوالوں سے پیش کرتے ہیں۔

سر دیا اور نہ دیا ہاتھ میں میخوار کے ہاتھ
واہ کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا رائے حسینؑ

حضرت معین الدین چشتیؒ کی رباعی ہے:

سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

سید محمد حسین عرفی شیرازی جو عبدالرحیم خان خاناں کے دربار کا عظیم شاعر تھا جس کی رسائی اکبر اعظم کے دربار کے علاوہ شاہزادہ سلیم کے لطف خاص کا مرکز رہی۔ چھتیس (۳۶) سال کی عمر میں شہر لاہور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ واقعہ یہ ہے کہ عرفی نے اپنی زندگی میں کہا تھا:

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند بخاکم کند اگر بہ تتار

(میں اپنی پلکوں پر چلتا ہوا قبر سے نجف پہنچوں گا، اگر چہ مجھ کو ہندستان میں دفن کیا جائے یا تتار میں)

جب ۹۹۹ ہجری میں عرفی کا انتقال ہوا تو فوراً اسے لاہور میں میر حبیب اللہ کے مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ عرفی نے اپنے مجموعہ کلام کا مسودہ مرنے سے چند دن قبل اپنے محسن نواب خان خاناں کے پاس بھیجا تھا چنانچہ نواب خان خاناں نے عرفی کے کلام کو سراجای اصفہانی کی کوشش اور محنت سے تدوین و ترتیب دے کر کلیات کو ۱۰۱۲ ہجری میں منظر عام پر پیش کیا۔ جب عرفی کے کلام کی شہرت ہوئی تو عوام اور خواص کو عرفی کی پیش گوئی اور دیرینہ آرزو سے آشنائی ہوئی۔ چنانچہ ملکہ نور جہاں کے والد اعتماد الدولہ غیاث بیگ طہرانی کے وزارت خانہ سے وابستہ عرفی کا قدرداں میر صابر علی صفاہانی نے عرفی کے مرنے کے اٹھائیس (۲۸) سال بعد اس کے تابوت جنازہ کو ایک قلندر کو روپے دے کر نجف روانہ کیا۔ اس قلندر نے راستے میں چونکہ مشہد مقدس سے گزرنا ضروری تھا جنازہ کو مشہد میں دو مہینوں کے لیے دفن کیا اور پھر ۱۰۲۷ ہجری میں نجف میں لے جا کر حضرت علیؑ کے روضہ کی حصار کے باہر واقع قبرستان جسے ''بحیرہ'' کہتے تھے اُس کے ایک خاص مقام صاحب الزماں میں ہمیشہ کے لیے دفن کیا۔ سفینۂ خوشگو میں رشید کاشی کے قول کے مطابق اس دن نجف کے نقیب سید حسین حسنی نے عرفی کے دفن کے بعد خیرات اور ضیافت کا انتظام بھی کیا اور قبر پر عمارت بنانے کا ارادہ بھی

ظاہر کیا۔

تذکرہ میخانہ تالیف ملا عبدالغنی قزوینی ۱۰۲۸ ہجری میں لکھا ہے کہ مولانا رونقی ہمدانی نے عرفی کی پیش گوئی کے مصرعہ ثانی سے نجف اشرف میں مدفن کا قطعہ تاریخ نکالا جو یہ ہے:

یگانہ گوہر دریای معرفت عرفی
که آسمان پی پرورشش صدف آمد

چو عمر او بسرآمد ز گردش گردون
شکست برصف دلہای پر شعف آمد

بگوش چرخ رسانید حرف جانسوزی
که عمرم از تو چو در معرض تلف آمد

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
فگند تیر دعائی کہ برہدف آمد

رقم زد از پی تاریخ رونقی کلکم
"بکاوش مژہ از ہند تا نجف آمد

۱۰۲۷ ہجری

عرفی جو معرفت کے سمندر کا بے مثال موتی تھا جس کی آسمان نے صدف بن کر پرورش کی تھی۔ جب اس کی عمر چرخ دوراں کے ظلم سے تمام ہوئی جس کے غم سے لوگوں کے دل ٹوٹے اور جب آسمانوں میں اس کا گداز نغمہ پھیلا کہ چرخ بے وفا نے اس سے وفا نہ کی۔ اُس نے کہا تھا کہ مژگان کے قدموں سے قبر سے نجف تک جاؤں گا۔ چنانچہ وہ دعا کا تیر اپنے نشان پر بیٹھا۔ اور رونقی کے قلم نے قطعہ تاریخ لکھا کہ عرفی مژگان کی کاوش سے ہندوستان سے نجف پہنچا۔ شبلی نعمانی شعر العجم جلد سوم میں لکھتے ہیں: "مآثر رحیمی میں لکھا ہے کہ میر صابر اصفہانی نے جو اعتماد الدولہ غیاث بیگ (وزیر اور خسر جہانگیر) کا درباری تھا ایک قلندر کو رقم کثیر دی کہ عرفی کی ہڈیاں لاہور سے نجف لے جائے۔ بہرحال عرفی کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی۔

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار

نوٹ: اس شعر کے مصرعہ ثانی میں شبلی نعمانی سے سہو ہو گیا ہے لفظ ''بخا کم'' یعنی ''دفن کرنا'' ہے۔ ''ہلاکم'' یعنی ہلاک کرنا نہیں)

اس واقعہ کا یہ نکتہ بھی عجیب ہے جس کا تذکرہ عبدالنبی قزوینی نے تذکرہ میخانہ میں کیا ہے کہ عرفیؔ کے شعر کو پڑھ کر خراسان کے ملک الشعرا مرزا فصیحی نے ۱۰۲۷ ہجری میں ایک شخص کو ہرات سے لاہور بھیجا تا کہ عرفیؔ کے جنازے کو منتقل کیا جا سکے لیکن دس روز پہلے عرفیؔ کا جنازہ نجف کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

ع: لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

مرزا دبیرؔ نے درجنوں اشعار نجف پر لکھے ہیں جس کو راقم نے ایک مضمون کے تحت لکھا ہے۔ یہاں پر صرف دو رباعیات پر اکتفا کرتا ہوں جس میں نجف میں دفن ہونے کی آرزو بھی ہے۔

روضہ ہے بہشت اے شہِ مرداں تیرا
مشتاق زیارت ہے ثناخواں تیرا
ہستی میں بلا کہ بعد مرنے کے بلا
یہ بھی احسان ہے وہ بھی احساں تیرا

خالص زر ایماں کو جو ہونا ہوگا
تو خاک درِ علیؑ بچھونا ہوگا
گر خواب اجل نجف میں آئے گا دبیرؔ
اکسیر مرے حق میں یہ سونا ہوگا

تعشقؔ لکھنوی نے نجف کی ردیف میں ایک طولانی قصیدہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ

ہیں:

ملک دیکھ لیں بو ترابی ہوں میں
کفن میں بھرا ہے غبار نجف

خدا سے تعشق کی ہے یہ دعا
کہ ہو جسم خاکی غبارِ نجف

مرزا غالبؔ نے بھی اپنے فارسی کلام میں عرفی کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے یہی آرزو کی ہے کہ وہ بھی نجف اشرف میں دفن ہوں۔ غالب کہتے ہیں اگر عرفی پلکوں سے نجف تک گیا ہے تو میں آنکھوں سے جاؤں گا اگر یہ دہلی کا دل شکستہ باشندہ نجف کی مٹی میں مل جائے۔

من این کار برخود گرفتم بچشم
بموگان گر او رفت رفتم بچشم
کہ دل خستۂ دہلوی مسکنی
زخاک نجف باشدش مدفنی

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کرم کرم کہ غریب دیار ہے اقبالؔ
مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

انشاء اللہ خاں متوفی ۱۸۱۸ء کہتے ہیں:

من بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم
لانا بجا کہ چین ہو مجھ بے قرار کو
لے جاوئیے برائے زیارت نجف تلک
رکھیو نہ خاک ہند میں اس خاکسار کو
یا کربلا میں روضہ اقدس کے سامنے
دیجو فشار اس مرے مشتِ غبار کو

میر انیسؔ کے سلام سے صرف تین شعر یہاں پیش کرتے ہیں:

مریض کے لیے اکسیر ہیں یہ دو نسخے
غبار مرقد شبیرؑ اور ہوائے نجف

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی تھا نگیں جیسا
نجف برائے علیؑ تھا علیؑ برائے نجف

ادھر سے کوشش کامل ہے اُس طرف سے کشش
انیسؔ ہم نہ رہیں گے کہیں سوائے نجف

تینوں اشعار لاجواب ہیں۔ آخری مقطع کا شعر تمام مشاہیر شعرا کے اشعار پر حاوی ہے۔ تمام مضمون سلیس روزمرہ میں اور اس پر عشق کی طلب اور اطمینان کامل کہ ہم سوائے نجف کے کہیں اور نہیں رہیں گے۔

خاک شفا اور ہوائے نجف یہ دونوں نسخے مریض بیماری اور مریض عشق کی دوا کے نسخے

ہیں۔ دوسرے شعر میں استعارے انگوٹھی اور نگینہ یعنی نجف اور حضرت علیؑ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لف ونشر مرتب کے علاوہ صنعت عکس جو مشکل صنعت ہے استعمال ہوئی۔ میر صاحب کا پورا شعر استعاروں، تلمیحات، صنعت لف ونشر میں ہے۔

ع: ''صنعت گر است اما شعر رواں ندارد'' لیکن یہاں انیسؔ صنعت گر بھی ہیں اور شعر رواں بھی کہتے ہیں اسی لیے تو مملکت سخن کے خدائے سخن کہلائے۔

انیسؔ لکھتے ہیں:

علیؑ کو حق نے اُتارا تو عین کعبہ میں
کھلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا

یہ شعر فصیح اور بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ روزمرہ میں ہے۔ الفاظ کی ترکیب تقریباً وہی ہے جو نثر میں ہوتی ہے۔ اس شعر میں الفاظ فصیح ہیں صاف، شستہ اور نرم اور اگر ایک لفظ غیر مانوس ''عین'' استعمال ہوا ہے تو وہ بھی کعبہ کے ساتھ مل کر شگفتہ اور مانوس ہو گیا ہے۔ میر صاحب نے اس لفظ میں عین کو اس شعر کا محور بنایا ہے جس پر شعر کی پوری شعریت گھوم رہی ہے۔ اس لیے اس کے اردگرد وہ الفاظ رکھے جو اسے ادق سے سہل اور سنگین سے سبک رو بنادیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں بلاغت سے مراد کلام مقتضائے حال ہو یعنی مطابق احوال ہو اور معنی آفرینی کے ساتھ ساتھ کم الفاظ میں زیادہ معانی ومطالب پیش کر سکے اس کے لیے میر انیسؔ اشعار میں تلمیحات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چناں چہ اس ایک شعر میں یہ تمام مطالب پیش کیے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت علیؑ کی ولادت کعبہ میں ہوئی تھی۔ یہاں ''عین کعبہ'' کی نسبت حضرت علیؑ کا لقب ''عین اللہ'' ہے اور ''عین'' کے دوسرے معنوں یعنی ''دُرست کعبہ'' میں یا ''کعبہ کی آنکھ'' میں یا ''حقیقی کعبہ'' میں ہوئی تھی۔

ب۔ علیؑ کو قرآن ناطق بھی کہتے ہیں چناں چہ مصرعہ اول میں ''حق نے اتارا'' اسی کا بلیغ اشارہ ہے۔

ج۔ آنکھ کھولنا محاورہ ہے ''پیدا ہونا'' مصرعہ ثانی میں ''کھلی جو آنکھ'' اور ''دیکھا'' مصرعہ اوّل کی ''عین'' جس کے معنی خود آنکھ بھی ہیں بلاغت کو دو آتشہ بنا رہی ہے اور قدرتی طور پر ''عین''، ''آنکھ''، ''کھلی'' اور ''دیکھا'' صنعت مراعات النظیر میں ڈھل جاتے ہیں۔

د۔ قرآن میں کعبہ کو ''اوّل بیت'' یعنی پہلا گھر قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے مبارک اور ہدایت کے لیے بنایا گیا۔ مصرعہ ثانی میں پہلے خدا کا گھر ایک لطیف سا اشارہ بھی ہے۔ یہاں بھی حق، کعبہ، خدا صنعت مراعات النظیر کی مثال ہیں۔

میر انیسؔ منقبت میں نہ صرف نئی ترکیبیں بناتے ہیں بلکہ ان ترکیبوں کو مضمون کی نوعیت سے معراج دیتے ہیں۔ ذیل کے دو شعروں میں دو نئی ترکیبیں تیغ عصیاں اور داغ عزا کو سپر اور برج قمر سے جوڑ کر شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

ہمیں کچھ نہیں تیغ عصیاں کا ڈر
علیؑ کی محبت سپر ہوگئی

تہِ خاک چمکا جو داغ عزا
لحد صاف برج قمر ہوگئی

عرش پر دست علیؑ نکلا حجاب نور سے
شیر کا کاسہ جب آیا مصطفیؐ کے سامنے

میر انیسؔ کے سلام کے چند متفق اشعار پر بات ختم کرتے ہیں۔

دو عالم دو ورق ہیں اک کتاب وصف حیدرؑ کے
یہ مجموعہ وہ ہے جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے

کیفیتیں اٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا — نشہ چڑھا ہوا ہے شراب غدیر کا
واقف خمار غم سے نہیں دل فقیر کا — پیمانہ کش ہوں بادۂ خم غدیر کا
دیکھو کرم رسولِ خدا کے وزیر کا — قاتل کو بھی سخی نے دیا جام شیر کا

سلاموں کے پُر درد رثائی مضامین:

رثا کے معنی ہی درد اور مرنے والے کی خوبیوں کی باتوں کا تذکرہ ہے۔ اسی لیے میر انیسؔ نے کہا تھا۔ ع: ''مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے''

سلام چونکہ مرثیہ کی توسیع اور رثائی ادب کا اہم جزو ہے اس لیے اس میں درد وغم کا ذکر لازم ہے۔ میر انیسؔ کے سلاموں کا جائزہ بتاتا ہے کہ اکثر سلام جو سوز میں پڑھے جاتے ہیں جن کی بحروں میں نغمے کی لہریں زیادہ ہیں مبکی یا بکائی مضامین رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ سلام جو تحت اللفظ طریقے پر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی درد وگداز، اشک وگریہ سے خالی نہیں لیکن یہ مضامین مبکی سلاموں کی نسبت کم ہیں۔ میر انیسؔ کے مرثیے ہوں، سلام یا نوحے ان کا رثائی بیان اور رجحان بیشتر نفسیاتی اور احساساتی عمل کے تحت رہتا ہے وہ دلوں کے تار کچھ اس طرح چھیڑ دیتے ہیں کہ آنکھوں سے خود بہ خود آنسو رواں ہوجاتے ہیں ان کے مبکی اشعار میں مصائب میں شدت نہیں بلکہ حسیت ہوتی ہے اور یہ بھی کلام انیسؔ کی ایک شناخت اور انفرادیت ہے۔

ذکر سید الشہدا میں ہر شاعر نے آنسوؤں کا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ حسینؑ کے

مصائب پر اشک ریزی ثواب دارین کی حامل ہے۔ اردو کے تمام عظیم شاعروں نے اپنے جذبات بیان کیے ہیں آج بھی علامہ اقبال کی آواز گونج رہی ہے:

رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا در مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

میر انیسؔ سلام کے مطلع میں فرماتے ہیں:

ذکر شہؑ کر کے محبوں کو رُلایا میں نے
اپنا گھر مجرئی جنت میں بنایا میں نے

شاعری جذبات نگاری کا نام ہے۔ انسانی جذبات کی تقسیم اور تفہیم پر سنسکرت کے قدیم شعرا اور ادیب نے جو گفتگو کی ہے وہ آج بھی دنیائے ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ جذبات یا رس جو سات آٹھ قسم کے انسان سے متعلق ہیں ان میں جذبۂ غم یا دکھ رس سب سے شدید اور پُرتاثیر ہے۔ اسی لیے اردو شاعری کی تقریباً تمام اصناف میں عموماً اس کا عمل اور ردِ عمل نمایاں ہے جب کہ رثائی شاعری میں خصوصی طور پر اس کا بیان موجود ہے۔ گریہ و اشک باری، ماتم اور نوحہ خوانی کے مضامین کو میر انیسؔ نے اپنی قوت تخلیق سے نت نئے طریقوں سے پیش کیا ہے۔ ہم صرف سلام میں موجود چند مقامات کو بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔

تیر گردن پر جو کھایا دھوپ میں
بھر کے ٹھنڈی سانس بچاؐ رہ گیا

حضرت علی اصغرؑ جو صرف چھ مہینے کا طفل تھا حرملہ کے تیر سے شہید ہوا۔ ٹھنڈی سانس بھرنا محاورہ ہے، اطمینان۔

بچھا ہے قاف سے تا قاب جس کا خوانِ کرم
نصیب اُسے کئی دن تک نہ آب و دانہ ہوا

اسلامی اقدار کے لحاظ سے یہ کائنات محمد وآل محمدؐ کے طفیل میں بنی۔ چناں چہ قاف سے قاب تک یعنی کوہ قاف (ایران) جو پریوں کا مسکن ہے سے لے کر قاب و قوسین جو عرش کی انتہائی منزل ہے حسینؑ کی وجہ سے سجائی گئی ہے اور اُسی حسینؑ نواسہ رسولؐ پر تین دن تک کھانا پانی بند کیا گیا۔ اس شعر میں تلمیحات، قاف، خوان کرم کے علاوہ صنعت مراعات النظیر میں خوان، آب اور دانہ شامل ہے۔ قاف اور قاب میں تجنیس کی صنعت بھی ہے۔

تازہ جوان شرمیلے اور کم سخن ہوتے ہیں اور محفلوں میں بزرگوں کے ساتھ کم بیٹھتے ہیں۔ انیسؔ محاورے کی زبان میں اور حسنِ تعلیل کے ذریعہ دل کے تاروں کو چھیڑ کر آنسو بہاتے ہیں۔ اکبرؑ کے جنازے پر ماں کا بین دیکھیے۔

چھپانے لگے ہم سے منہ قبر میں
انھیں جب خدا نے جواں کردیا
کہتے تھے شہؑ مل گئے ہم خاک میں
اے فلک! بتلا تجھے کیا مل گیا

جس کی مادر کا اٹھا شب کو جنازہ افسوس
دن کو خلقت نے اسے باسر عریاں دیکھا

اس شعر میں کوئی خاص نام نہیں لیکن شعر کے ابلاغ میں اور اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں۔ یہ شعر ثانی زہرا حضرت زینبؑ کی بے چادری اور بلوے بازاروں اور درباروں میں سر ننگے موجودگی پر اظہار غم وغصہ ہے۔ حضرت فاطمہ کا جنازہ رات کی تاریکی میں اٹھایا گیا تھا تا کہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے لیکن زمانہ ایسا پلٹا کہ اس کی بیٹی کو بے پردہ بازاروں میں پھرایا گیا۔ شعر میں صنعت تضاد شب اور دن ہے۔

اے فلک افسوس خشکی میں بھی تو
فاطمہؑ کا گھر ڈبوتا ہی رہا

دل میں بانو کے سدا اکبر کا غم
نوک برچھی کی چبھوتا ہی رہا

(حضرت علی اکبرؑ کی شہادت سینے میں برچھی کی انی پیوست ہونے سے ہوئی۔ شاعر نے یہاں اسی مصیبت کو شعر کا محور بنایا ہے۔)

ذیل کا شعر تلمیحات سے بنا ہے۔ یہاں رسولؐ کی محبت اپنے نواسے حسینؑ سے شاعر بتا کر انقلاب زمانہ دکھا رہا ہے۔ پورا شعر مضمون کی ندرت اور نفسیاتی تحریک سے بھرا پڑا ہے۔

وہ زلف چوب سناں میں بندھی ہزار افسوس
نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا

یعنی جن بالوں میں حضورؐ اپنی انگلیوں سے کنگھی کرتے تھے وہ زلفیں نیزہ پر کٹے سر کو باندھنے میں استعمال ہوئیں۔ یہاں حضور اکرمؐ کے دستِ مبارک کو پنجۂ مژگاں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ انیسؔ اہلبیت نبیؐ کی مصیبت کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں تخیل کی بوقلمونی اور اثر پذیری کو مدنظر رکھتے ہیں۔ میر انیسؔ کے مکی شعر بھی سپاٹ نہیں ہوتے۔

لحد میں دیکھیو داغ غم حسینؑ کی ضو
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے

انیسؔ خود روتے ہیں اور رُلاتے بھی ہیں:

گریہ وزاری عزا کی مجالس کا مآل سمجھا جاتا ہے۔ اشک عزا داغ ماتم ثواب دارین کا

سرمایہ سمجھا گیا ہے۔اس پر چند اشعار نمونے کے طور پر یہ ہیں:

ذکر شہؑ کر کے محبوں کو رُلایا میں نے
اپنا گھر مجرئی جنت میں بنایا میں نے

غم حسینؑ میں رو مجرئی ثواب یہ ہے
سمجھ ہر اشک کو رشکِ در خوش آب یہ ہے

بکا میں کٹی شب، سحر ہوگئی | یوں ہی عمر اپنی بسر ہوگئی
ہوا ماتم شاہ دیں کا یہ جوش | کہ دریا مری چشم تر ہوگئی
تہِ خاک چمکا جو داغ عزا | لحد صاف برج قمر ہوگئی

چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اتر جائیں گے

قلب میں داغوں کے گل دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیہ لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

روئیں گے ہم لپٹ کے مزار حسینؑ سے
گر شہؑ کے در پہ طالع بیدار لے گئے

ہوجائے غرق جوئے خجالت میں اے انیسؔ
دیکھے اگر سحاب مری چشم نم کی شان

اشکوں کا شور ہے مری چشم پر آب میں
دریا بھرے ہوئے ہیں سلامی حباب میں

چشم پُر آب میں اشکوں کا شور اور حباب میں دریا کا بھرنا قادر الکلامی اور نادر مضمون نگاری ہے۔ انیسؔ ایک ہی مضمون کو کئی رنگوں میں پیش کرتے ہیں جو ان کے تخیل کی گیرائی اور گہرائی سے منسلک ہے۔ ذیل کا پورا شعر سہل ممتنع میں ہے۔

روتا ہوں جب کہے کوئی ''مظلوم کربلا''
کیا بیکسی بھری ہوئی ہے اس خطاب میں

زندگی بہت چھوٹی مدت ہے۔ ذیل کے شعر میں بحر جہاں کی رعایت سے حباب لایا گیا ہے جس کی عمر لحظہ کے برابر ہے۔

شبیرؑ کو رولیں کہ ہمیں بحرِ جہاں میں
مہلت ہے حباب لب دریا کے برابر

امام حسینؑ کے قاتل ظاہراً مسلمان تھے وہ نبی کا کلمہ پڑھ کر نبیؐ کے نواسے کو قتل کر رہے تھے۔ انیسؔ نے اس سخت مقام کی جا بجا نشان دہی کی ہے جو غم وغصہ کے جذبات کو مہمیز کرنے کے لیے کافی ہے۔

سوار دوش رسولؐ خدا کی چھاتی پر
چڑھا ہے شمر زمانے کا انقلاب یہ ہے

مصرعہ اوّل میں غضب کی شعریت ہے۔ حسینؑ جو دوش رسول کا مکین ہے اسکی چھاتی پر شمر ملعون چڑھا ہے اس سے بڑھ کر زمانے میں انقلاب کیا ہو؟

ایک اور موقع پر انقلاب کا مضمون دوسرے منظر سے باندھتے ہیں۔

یزید تخت کے اوپر ہو اور تلے سر شاہ
انیسؔ دیکھ زمانے کا انقلاب یہ ہے

انیس کئی مقامات پر علامتوں، رواتیوں اور تلمیحوں سے دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں۔

ہے غضب اس کا پسر نہر پہ پیاسا ہو شہید
مہر میں جس کے برائے خلق کا دریا ہوئے

حلّے بہشت کے جو پہنتا تھا اس کی لاش
بے غسل بھی ہے ہائے غضب بے کفن بھی ہے

سمجھے نہ ہمیں اپنے پیمبر کا نواسا
کاٹی گئی گردن دمِ تکبیر ہماری

صنعت حسن تعلیل میں شعر دیکھیے۔ پرانے زمانے میں عرب اور ایران میں مقتول کے خاندان کے افراد کاغذی پیرہن پہن کر اپنے چہرے کو خون سے لال کر کے داد خواہی کو دربار اور بازار میں جاتے تھے۔ اس تہذیبی علامت کا استفادہ دیکھیے:

مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسرو خاور بھرے ہوئے

طلوع کے موقع پر آفتاب سرخ نظر آتا ہے۔ خسرو خاور، سورج کے علاوہ مشرق کا بادشاہ کون ہے۔ اس شعر میں رعایت لفظی نے مضمون کو فلک بوس کر دیا ہے۔ خسرو خاور، مشرق، سحر، مراعات النظیر میں، مشرق اور خاور صنعت ترجمے میں، شعر کی اثر پذیری اور گھلاوٹ میں اضافہ کر رہی ہیں۔

بے پردگی اہلبیتؑ:

رثائی اور مسکی سلاموں کا ایک اہم موضوع اہلبیتؑ نبی کی بے پردگی ہے۔ یزیدی ظالموں نے بعد قتلِ شاہ آلِ محمدؐ کے خیمے جلائے، ان کے بچوں کو طمانچوں اور نیزوں سے اذیت پہنچائی اور پردہ نشین برگزیدہ خواتین کو ذلیل کرنے کے لیے انھیں بے چادر و مقنع کیا۔ اس جبری بے نقابی پر کئی دردناک شعر انیسؔ کے کلام بخصوص سلام میں موجود ہیں۔ کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ دختر رسول اکرم کا جنازہ رات کی تاریکی میں نکالا گیا تا کہ نامحرموں کی نگاہیں جنازے پر بھی نہ پڑ سکیں لیکن فاطمہؑ کی بیٹی زینبؑ اور چھوٹی بیٹی کلثومؑ کو بے چادر کر کے بازاروں اور درباروں میں برہنہ پھرایا گیا۔

جس کی مادر کا اٹھا شب کو جنازہ افسوس
دن کو خلقت نے اسے باسرِ عریاں دیکھا

یہ انیسؔ کا کمال ہے کہ صرف تین لفظوں میں حضرت فاطمہؑ اور بنت فاطمہؑ کا ذکر بغیر کسی نام کے کر دیا۔ اسی شعر میں واقعات کے علائم اور تفاصیل شامل ہیں۔ کچھ اور اشعار یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

بعد قتلِ شہؑ دیں شور یہ تھا شہر بہ شہر
ہم نے کنبے کو محمدؐ کے کھلے سر دیکھا

بانوؑ کہتی تھی میں زہراؑ کی بہو ہوں اے شمر
چھین سر سے نہ ردا، لے زر و زیور میرا

سجادؑ غرقِ تھے عرقِ شرم میں انیسؔ
کنبہ نبیؐ کا بلوے میں جب بے نقاب تھا

سر ننگے انھیں دیکھتی ہے کوفہ کی خلقت
جن کا کبھی خورشید نے سایا نہیں دیکھا

جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسولؐ
پھر جہاں میں کس کا پردہ رہ گیا

اس مقام پر راقم میر انیسؔ کے چھوٹے بھائی مونسؔ لکھنوی کا ایک الہامی شعر پیش کر رہا ہے۔ عرب دشمنی میں مغلوب عورتوں کے سر سے چادر چھیننا فتح مانی جاتی تھی۔ چادریں لوٹنے کی دو اہم وجوہات تھیں۔ ایک تو اُس خاتون اور اس سے وابستہ خاندان کو خوار و ذلیل کرنا تھا اور دوسرے اس زمانے میں چادروں میں سونے چاندی کے تار اور موتی ٹانکے جاتے تھے۔

مونسؔ لکھنوی کا شعر دیکھیے جس نے لٹیروں کو پشیمان کر دیا کہ ہم نے کس کی چادر لوٹی ہے۔ یہ تو بنت زہراؑ کی چادر ہے یہ رسولؐ کی نواسی کی چادر ہے اس میں چاندی سونا اور موتی نہیں بلکہ پیوند ہیں۔

ردائے بنت زہراؑ لوٹنے کو لوٹ لی لیکن
پشیماں بھی ہوئے پیوند چادر دیکھنے والے

اسی کو کہتے ہیں حق کی ظاہری شکست بھی دراصل جاودانہ فتح ہوتی ہے۔

آنسوؤں کی عظمت اور قیمت پر متفرق سلاموں کے اشعار کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔

رونے والوں کا بھی کیا رتبہ ہے سبحان اللہ
جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے

چشموں میں اشک ہیں جو سراسر بھرے ہوئے
دامن میں مجرئی کے ہیں گوہر بھرے ہوئے

کس کو فشار قبر کی دہشت ہے قبر میں
آنسو ہمارے ساتھ ہیں ٹکڑے کفن کے ساتھ

میر انیسؔ کے ایک چھوٹی بحر کے سلام میں کئی شعر اشک عزا پر ملتے ہیں جن میں سوز و گداز، احترام وعقیدت، خلوص اور ندرت کے علاوہ تخیل کی قلم کاری بتاتی ہے کہ تخلیق کار عظیم ہے۔ مطلع اور اس کے بعد یہ چند شعر ہمارے بیان کی صداقت ہیں۔

اک نہ اک نیرنگ ہوتا ہی رہا
پر سلامی شہ پہ روتا ہی رہا

(یعنی ہر دور میں عاشق حسینؑ گریہ وبکا میں مصروف رہا)

جس نے چاہا خاک سے موتی اُگیں
وہ یہ تخم اشک بوتا ہی رہا

(نادر مضمون، موتی، اشک، تخم بونے کی رعایت سے لایا گیا ہے تخم اشک نئی ترکیب ہے)

جو ہوا تر دامنی سے منفعل
اشک سے دامن بھگوتا ہی رہا

(شاعر کا عقیدہ ہے غم حسینؑ میں اشک بہانے سے دفتر عصیاں دھل جاتا ہے انسان تر دامنی سے نجات حاصل کرسکتا ہے اس شعر کی بالیدگی تر دامنی اور دامن بھگونے کے عمل اور اشک سے ہے)

جس نے دیکھی سجدۂ پاک حسینؑ
اشک پلکوں میں پروتا ہی رہا

(عجیب نادر شعر ہے۔ اس شعر کے کئی معنی ہیں۔ ایک خاکِ شفا سے بنی ہوئی تسبیح جس کا ہاتھ میں لینا اور دیکھنا ہی اشک کے موتیوں کو پلکوں پر پرو دیتا ہے۔ یہی بڑی شاعری ہے کہ مضمون سے مضمون پیدا کیا جائے)

قاتلانِ شہدائے کربلا کے نام:

میر انیسؔ مقاتل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ چناں چہ ان کے سلاموں میں مستند حوالے ڈھونڈے جاسکتے ہیں۔

شمر کہتا تھا کہ یوں آلِ نبیؐ کو لوٹو
نہ کسی پاس ردا چھوٹے نہ زیور چھوٹے

(شمر)

کہتے تھے شہ عمر سعد اگر دے مہلت
آج کی رات عبادت میں بسر ہوجائے

(عمر وسعد)

جمال نے قلم کیے مرنے پہ شہ کے ہاتھ
کیا سنگ دل تھا بدعت بے پیر دیکھیے

(جمال)

دانستہ حرملا نے خطا کی ہزار حیف
حلقِ صغیر دیکھیے اور تیر دیکھیے

(حرملہ)

بولا یزید دیکھ کے دندان شاہؐ دیں
بے قدر ان کے سامنے در عدن بھی ہے
(یزید)

پھر یہ نوفل سے کہا بڑھ کہ لگا اک تلوار
ایک ہی ہاتھ میں بیکار یہ شانا ہوئے
(نوفل)

اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا
کہ کنبہ علیؑ کا اسیر محن ہے
(خولی)

چلتی تلوار تھی اور دل میں تھے کہتے قاسمؑ
زیں سے ارزق کو اٹھالوں جو کمر ہاتھ لگے
(ارزق)

مارا اکبر کو تو کہتا تھا یہی ابن نمیر
آج تصویر محمدؐ کو مٹایا میں نے
(ابن نمیر)

سب کو دکھلا کے سناں ابن انس کہتا تھا
شکل ہے اس سے پیمبرؐ کی مٹائی مجھ کو
(ابن انس)

□□□

maablib.org

مبکی سلام

صنف سلام میں وہ سلام جن میں صرف رثائی مضامین نظم ہوتے ہیں مبکی سلام کہلاتے ہیں۔ یہ سلام عموماً سوز کے سلام ہوتے ہیں جن کو ترنم میں پڑھا جاتا ہے اور بعض راگ اور آلاپ درد و گداز سے بھرے ہوئے ہیں جن میں انھیں خوش گلو افراد بغیر کسی ساز و آلۂ موسیقی کے پڑھتے ہیں اور مجالس و محافل میں واقعہ کربلا اور شہدائے کربلا کا تذکرہ کر کے گریہ وزاری جو مآلِ مجلس اور عمل ثواب سمجھا جاتا ہے حاصل کرتے ہیں۔ میر انیسؔ کے سلاموں میں بکا کے مضامین کی کمی نہیں لیکن بعض ایسے بھی سلام موجود ہیں جو مطلع سے مقطع تک صرف مصائب سے بھرے ہیں۔ ان سلاموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں کئی قطعہ بند ہوتے ہیں جن میں کئی افراد کی گفتگو مکالے کی صورت میں نظم کی جاتی ہے، تاریخی واقعات، مقاتل کی روایات و حکایات تخیلات کی نفسیاتی اور احساساتی طرز ادا میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک سلام سے کئی سلام بنائے جاسکتے ہیں یا ایک سلام کو کئی مجلس و محافل میں پڑھا جاسکتا ہے۔

میر انیسؔ کا ایک مبکی سوز کا سلام جس کا مطلع ہے:

مجرئی شاہ کا ہوں خلد میں ہے گھر میرا
منتظر حوریں ہیں مشتاق ہے کوثر میرا

اس سلام میں تینتیس (۳۳) اشعار اور تین قطعات ہیں لیکن آٹھ افراد کی گفتگو یا بیانات ایک ایک شعر میں موزوں کیے گئے ہیں۔ جن ہستیوں اور افراد کی بات چیت، بین، ارشادات نظم ہوئے ہیں ان میں روح محمدؐ، فاطمہؑ، حسینؑ، بانوؑ، عباسؑ، جبرئیل، سکینہؑ کے علاوہ شمر لعین کا بیان بھی شامل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان تمام روایات، حکایات واقعات اور مکالمات کا تاریخ سے مستند جواز پیش نہیں کیا جاسکتا مگر عقل سلیم سے ان کا انکار بھی نہیں ہوسکتا۔ شاعر مورخ نہیں بلکہ تخلیق کار ہے اور وہ اپنے سے مضمون تراشی کرتا ہے جو شاعر کے عقیدہ میں صحیح ہے۔ دنیا کی تمام بڑی شاعری اسی تخیل کی دین ہے۔ دنیائے ادب کے دوسرے فرضی قصوں میں سب سے مستند، حقائق پر مبنی اور اہم واقعہ کربلا ہے جو لاکھوں افراد کا چودہ سو برس کے محیط پر پھیلا جانگزا واقعہ ہے اسی لیے اس کو مرکزیت اور آفاقیت حاصل ہے۔

ذیل میں اسی سلام کے چند مفرد اشعار اور ایک قطعہ بند مکالمہ پیش کرتے ہیں جو امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت سکینہؑ، حضرت بانوؑ اور حضرت جبرئیلؑ کی زبانی نقل کیے گئے ہیں۔

کہتے تھے تھامے کمر لاش علمدار پہ شاہؑ
ہائے رستم مرا حمزہ مرا جعفر میرا

شاہؑ فرماتے تھے کیا قتل کروں امت کو
میں ہوں شمشیر خدا صبر ہے جوہر میرا

کٹ گئے ہاتھ تو بولا یہ علم دار حسینؑ
مرتبہ ہوگیا جعفر کے برابر میرا

(جعفر طیارؓ کے جنگ میں دونوں ہاتھ قطع ہوگئے تھے)

کہتی تھی بالی سکینہؑ کہ بچاؤ بابا
بد گہر چھینے لیے جاتا ہے گوہر میرا

(یہاں بدگہر کے گہر اور گوہر میں صنعت تجنیس ہے)

با تو کہتی تھی کہ "جنگل میں ڈرے گا لوگو
کبھی تنہا نہیں سویا علی اصغرؑ میرا

(مکالمہ قطعہ بند)

لاش شبیرؑ پہ جبریلؑ نے آکر یہ کہا — خاک پر سوؤ نہ حاضر ہے یہ شہپر میرا
شہ نے فرمایا نہیں فرش سے کچھ کام مجھے — سنگ بالش ہے اب اور خاک ہے بستر میرا

سلام میں مکالمہ نگاری:

انیسؔ نے اپنے سلاموں میں بہت مقامات پر مکالمے نظم کیے ہیں۔ زیادہ تر مکالمے افراد کی درمیان ہیں ایک مکالمہ جو عاشق و معشوق کے درمیان یعنی حسینؑ اور اس کے پروردگار کے درمیان ہے۔ انیسؔ کی زبانی سنیے کہ اس اہم اور نازک مرحلے کو وہ کیسے نظم کرتے ہیں۔ جب حسینؑ کے سات حملوں سے میدان کارزار ذوالفقار حیدری کی بدولت خون سے بھر گیا، حسینؑ کی کہنیوں سے خون کی دھاریں۔ بہنے لگیں۔ اس وقت:

آئی صدا یہ چرخ سے شہ کو دم وغا
حملے کی تیرے کس کو زمانے میں تاب ہے
حیدرؑ کی ذوالفقار کو جلدی غلاف کر
ورنہ بنائے ہستی عالم خراب ہے
تجھ کو جلال ہے تو ہمیں بھی جلال ہے
غصہ ترا حسینؑ ہمارا عتاب ہے

تین شعروں کے زیادہ تر مصرعے روزمرہ میں ہیں جیسے کوئی بات کر رہا ہے وہ بھی اتنے

سیدھے سادہ طریقے پر نظم ہوئے ہیں کہ ان کی نثر مختلف نہیں ہوسکتی۔ بندہ اور معبود کے درمیان مکالمے کو مناسب ترین الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ میر انیسؔ کے کلام کا یہ بھی کمال ہے کہ سخت اور پیچیدہ مضمون کو آسان لفظوں میں ایسا ادا کرتے ہیں کہ کہیں وہ سہل ممتنع ہوجاتا ہے اور کہیں سحر حلال۔ آخر شعر میں جلال، غصہ اور عتاب کی نشست کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ عبد اور معبود کے رشتے کو کیسے نبھایا گیا ہے۔

اردو شعرا اور ادبا کو میر انیسؔ سے بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔ مگر اس درس کے لیے انیسؔ کے مکتب میں بیٹھنا پڑے گا۔ خود انیسؔ نے کہا ہے:

دردِ سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

پروفیسر مسعود حسن ادیب نے بہت صحیح لکھا کہ گفتگو اور مکالمے کے لکھنے میں کوئی شاعر انیسؔ کا مقابل نہیں ہوسکتا۔ یوں تو گفتگو کا نظم میں ہونا ہی خلاف فطرت ہے لیکن نظم میں اور بالخصوص مسدس میں جس قدر فطرت کی مطابقت ممکن ہے اتنی انیسؔ کے یہاں موجود ہے۔ اگر لفظوں کی ترتیب میں ذرا سا فرق کر کے انیسؔ کے مکالموں کو نثر کر دیں تو معلوم ہو کہ نظم کا کیا ذکر نثر میں بھی ایسا مکالمہ لکھنے والا اردو میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔

میر انیسؔ کی ہنر مندی ہے کہ وہ مضمون کو مکالمے کی شکل میں ایسا پیش کرتے ہیں کہ وہ محاکاتی انداز بیان ہوجاتا ہے۔ میر انیسؔ ایک سلام میں امام حسینؑ کی عظمت خاندانی شرافت کو امام کے بچپن کے ساتھی حبیب ابن مظاہر کی زبان کے حوالے سے یوں پیش کرتے ہیں۔ واقعہ نگاری جذبات نگاری اور مکالمہ نگاری کی عکاسی دیکھیے جو ایک ظالم خولی اور امام حسین اور حبیب کے درمیان رقم کی گئی ہے۔ ہم سلام کے کچھ مصرعوں کو جوڑ کر اور کچھ چھوڑ کر اپنے مطلب کو ادا کر رہے ہیں تاکہ سوا اشعار کی طوالت سے گریز کرسکیں۔

پکارا خولیِ ملعوں صف آرا جب ہوئے حضرت
نبی مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے
حصین ابن نمیر روسیہ نے تب کہا ہنس کر
یہ اولادِ نبی کا سحر ہے جو تجھ پہ ظاہر ہے
حبیب ابن مظاہر تب پکارے او شقی چپ رہ
خدا لعنت کرے بے دیں ہے تو مرتد ہے کافر ہے
یہ وہ شبیرؑ ہے ماں ہے جنابِ فاطمہؑ جس کی
یہ وہ سیّد ہے جو قبرِ محمدؐ کا مجاور ہے

خدا کا دوست ہے دین دار ہے صابر ہے شاکر ہے
نبیؐ کے لال کی خاکِ قدم کحل جواہر ہے
لٹا دینے کو گھر موجود ہے مرنے کو حاضر ہے

مدینے سے سوئے کعبہ گیا کعبہ سے یاں آیا
یہ رہبر ہے یہ سیّد ہے یہ سرور ہے یہ صابر ہے
یہ ہر افضل سے افضل ہے یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
یہ ہر بہتر سے بہتر ہے یہ ہر نادر سے نادر ہے
کئے ہیں پا پیادہ بیس حج اس نے مدینے سے
یہ حق کا برگزیدہ ہے یہ حاجی ہے یہ زائر ہے
زباں جل جائے گی تیری معاذ اللہ توبہ کر
شقی تو صاحبِ اعجاز کو کہتا ہے ساحر ہے

انیسؔ تخیل سے مکالمہ نگاری کر رہے ہیں جس میں سادگی سچائی اور تاثیر ہے۔ انیسؔ شاعر ہیں مورخ نہیں چنانچہ شاعر کو حرف حرف کی سند پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف گفتار کی واقعہ سے مناسبت صداقت کی منطقی دلیل ہوتی ہے۔

انبیا کے طولانی قصے جزئیات کے ساتھ قرآن اور احادیث میں نہیں بلکہ اسلامی تاریخ میں ہیں جنھیں مورخوں، معلموں، عالموں اور ادیبوں نے لکھا ہے تو معلوم ہوا تاریخ کی صحت بھی مشکوک ہے جب کہ شاعر کا تخیل سامعین کے لیے معتبر ہے یہی شاعری کا کرشمہ بھی ہے۔

سلام میں روایت نگاری:

میر انیسؔ کے سلاموں کے مضامین رِوایتوں مستند مقاتل کے حوالوں کے علاوہ تخیلی

مکالموں اور فقروں سے تراشے گئے ہیں۔ شاعر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ان مکالموں کے لیے تاریخ اور مقاتل سے جواز پیش کرے یہ شاعر کا امیجنیشن ہے اور شاعر کے عقیدہ میں صحیح ہے اور اسی وجہ سے یہ تخیل شاعری میں روا بلکہ مستحسن ہے۔ میر انیسؔ نے ان بیانات سے مضمون میں درد و گداز بھرا ہے چناں چہ مکی سلاموں میں ایسے مضامین کی کثرت ہے۔

میر انیسؔ کا ایک سلام جو تینتیس (۳۳) شعر کا ہے اس میں سوائے مطلع اور مقطع کے شعر کے تمام اشعار کسی شخصیت کے قول کے مطابق نظم ہوئے ہیں۔

(مطلع) مجرئی شاہ کا ہوں خلد میں ہے گھر میرا
منتظر حوریں ہیں مشتاق ہے کوثر میرا

(مقطع) گر فلک مجھ سے ہے برگشتہ تو کیا غم ہے انیسؔ
حامی ہیں پنجتن اللہ ہے سر پہ میرا

شاعر نے مطلع میں اپنا تعارف اور مقام بتا کر مقطع کے شعر میں توکّل کا تسکین، بخشش مصرعہ لکھا ہے۔ مقطع میں صنعت مراعات النظیر خلد، حوریں اور کوثر بھی قادر الکلامی کی سند ہے۔

اس سلام کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں جن میں روزمرہ، صنعت تجنیس، ابداع کے علاوہ تلمیحات اور تصوفی مضامین بھی نظر آتے ہیں۔

(روزمرہ) شاہ کہتے تھے لعینو نہ ستاؤ مجھ کو
ماں ہے زہراؑ مری، نانا ہے پیمبر میرا

(تجنیس) کہتی تھی بالی سکینہؑ کہ بچاؤ بابا
بد گہر چھینے لیے جاتا ہے گوہر میرا

(ابداع) شاہ فرماتے تھے کیا قتل کروں امت کو
میں ہوں شمشیر خدا صبر ہے جوہر میرا

(تلمیح) کٹ گئے ہاتھ تو بولا یہ علمدارِ حسینؑ
مرتبہ ہوگیا جعفر کے برابر میرا

(تلمیحات) کہتے تھے تھامے کمر لاشِ علمدارؑ پہ شاہ
ہائے رستم مرا، حمزہ مرا، جعفر میرا

(تصوف) شاہؑ کہتے تھے کبھی چین نہ جی پر آوے
راہ خالق میں جو سو بار کٹے سر میرا

کچھ اور سلاموں کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں:

بولے احمدؐ کہ "مرے قوت بازو شاباش"
جس گھڑی دستِ علیؑ میں درِ خیبر لکھا

کہتے تھے حضرت رہے گا عصر تک بارانِ تیر
یہ مہم جب تک نہ سر کٹ جائے سر ہوتی نہیں

بولا حُر لالچ دیا جب شمر نے میں نثار سیّد ابرار ہوں
چھوڑ کر کعبہ کو آؤں سوئے دیر نور ہو کر پھر شریک نار ہوں

سکینہؑ پکاری بندھا جب گلا
اخی اب تحمل کا یارا نہیں

زینبؑ یہ بولیں بیٹوں سے باہم چلے تو ہو
دکھلاؤ شانِ حیدرؑ و جعفرؑ جدا جدا

جعفر سے کہا شہ نے دکھا کر کئی لاشے
یہ بھائی یہ بیٹا یہ بھتیجا ہے ہمارا

جب عذر گنہ کرتا تھا حُر کہتے تھے شبیرؑ
اے حُر تو ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

شاہؑ فرماتے تھے کیا قتل کروں امت کو
میں ہوں شمشیر خدا صبر ہے جوہر میرا

□□□

maablib.org

سلام میں علامت نگاری

سلام میں علامت نگاری کا مطالعہ ابھی خاطر خواہ نہیں کیا گیا جس کی ایک وجہ خود علامت (Symbol) کی گفتگو کی معنوی حیثیت اور استعارے اور اشارے سے مماثلت ہے۔ یہ سچ ہے کہ علامت کی وسعت اور تاثیر استعارے سے بڑھ کر ہوتی ہے لیکن دوسری طرف علامت کی معنویت اور دلکشی محدود بھی ہوتی ہے کیونکہ علامت کا ماحول اور مقامی تہذیب سے رشتہ ہوتا ہے جس سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جو واقف ہو۔ غزل کی طرح سلام میں بھی ہر زمانے میں علامتوں سے کام اور ان کے جدید معانی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ شورش کاشمیری اور محمد علی جوہر کے اشعار، یزیدان عصر نو اور کربلا تلمیحات سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی موجودہ دور کے حالات کی نمائندگی کر رہے ہیں جو علامت بن کر خیال کو وسعت دے رہے ہیں اور ان کے معنی وقت اور زمانے کے ساتھ تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔

سُن لیں مری طرف سے یزیدانِ عصر نو
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا (شورش)

قتل حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
(جوہر)

میر انیسؔ کے کلام میں جذبات نگاری کی تاثیر کا ایک راز میر انیسؔ کا علامات کا مصرف ہے ان کی اعجاز بیانی دراصل ایجاز بیانی یعنی کم الفاظ میں زیادہ مطالب کا بیان ہے۔ مرثیہ ہو کہ سلام وہ جذبات نگاری میں حواس خمسہ کی حسِ بصارت اور اس سے متعلق اعضا اور ان کے افعال سے استفادہ کر کے علامتوں کے کوزوں میں سمندروں کو سمو دیتے ہیں جس کی وجہ سے علامتی لفظ خود ایک دفتر بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ نگاہیں، نظریں وہ نازک اور پُر تاثیر جذبات کو ادا کرتی ہیں جو زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔

میر انیسؔ لفظوں کو علامتوں کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ وہ لفظوں کے ظاہری معنوں کے علاوہ اور بھی معنی پیش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ الفاظ شاعرانہ اور غیر شاعرانہ نہیں ہوتے لیکن بعض الفاظ مضمون اور بحر کے لحاظ سے موزوں اور مخصوص ہوتے ہیں۔ اگر ان الفاظ کو ان دوسرے لفظوں کے ساتھ جن سے رفاقت ہے مناسب مقام ونشست حاصل ہو تو شعر عمدہ اور عالی ہوگا اگر الفاظ کے انتخاب اور باہم اتحاد سے شاعر واقف نہ ہو تو شعر تو ہو سکتا ہے لیکن ایسا شعر کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں رہتا۔ الفاظ کے انتخاب اور ان کی نشست سے بڑے شعرا واقف رہتے ہیں لیکن یہ جوہر شناسی تخیل وجذبہ کے علاوہ مسلسل کاوش اور قادر الکلامی پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی لیے انیسؔ جیسا عظیم شاعر الفاظ کے انتخاب کے لیے تقریباً ہر الفاظ کے گلشن کی سیر کر لیتا ہے پھر انھیں صحیح مقام عطا کرتا ہے۔

ہم نے میر انیسؔ کے کئی سلاموں کے تجزیے کر کے باذوق افراد کے لیے وہ تمام نکات بکھیرے ہیں جو فکر سلیم اور ذوق ادبی کو محظوظ کر سکیں۔ کئی عمدہ سلاموں میں علامتی اشارے درخشاں ہیں جن کی تکرار یہاں بے سود ہے۔

سلاموں کے عمدہ اشعار کا تجزیہ:

میر انیسؔ فطری شاعر ہیں وہ مضمون میں مضمون نکالتے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب اور ان کی

نشست سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قافیہ پیمائی نہیں کرتے بلکہ قافیہ کا ظہور برمحل کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ وہ ردیف میں پیوست ہو جاتا ہے۔ میر انیسؔ کے ایک سلام کی ردیف "پایا" میں قافیوں کی کرشمہ کاری دیکھیے کہ مشکل قافیوں حل، پھل، محل، اجل اور بل وغیرہ کو کیسے ردیف میں جوڑا ہے۔

کسی کو مجرئی ہمدم نہ ہنگام اجل پایا
علیؑ جب آئے تب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا
کہا شبیرؑ نے اکبر گل باغ جوانی تھا
اسے نیزہ لگا کر کچھ لعینوں نے نہ پھل پایا

یہ شعر محاوروں اور استعاروں سے بنا ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں گل باغ پھل وغیرہ ہیں۔ پھل پانا فائدہ حاصل کرنا محاورہ ہے۔

ذیل کے شعر میں کج (ٹیڑھا) اور راست (سیدھا) کا انوکھا مضمون دیکھیے۔ یہ شعر صنعت تضاد کج و راست کے علاوہ صنعت مراعات النظیر تیر، دغا، تیغ بھی رکھتا ہے۔

لگایا تیر جس کج باز نے وقتِ دغا شہؑ پر
جواب راست اس نے تیغ شہؑ سے برمحل پایا

سایۂ طوبیٰ، سرو باغ زہراؑ، ہوا خواہی اور پھل کا امتزاج ذیل کے شعر میں دیکھیے۔ میر صاحب سلام کے ایک شعر میں حر کا عمر سعد سے مکالمہ لکھ رہے ہیں۔ جس میں محاورہ پھل پانا استعمال ہوا ہے یہ شعر صنعت مراعات النظیر میں ہے۔ تلمیحات میں سایۂ طوبیٰ، سرو باغ زہراؑ شامل ہیں۔ ہوا خواہی کا مصرف بتا رہا ہے کہ اس موقع پر ان الفاظ کا انتخاب وہی کر سکتا ہے جو خدائے سخن ہے اور جس کے تابع الفاظ کی مخلوق ہے۔

عمر سے کہتا تھا حر سایۂ طوبیٰ ملا مجھ کو
ہوا خواہی میں سرو باغ زہراؑ کی یہ پھل پایا

اسی سلام میں ایک اور شعر تلوار کی شان میں دیکھیے۔ اس شعر میں تین محاورے، صنعت تضاد چڑھا، اترا، مٹانا، بل وغیرہ کا بندوبست دیکھیے۔

چڑھا جو منہ پہ اس کا سر اتارا تیغ حیدرؑ نے
مٹا آئی اُسے جس کے ذرا ابرو پہ بل پایا

محاورے: منہ چڑھنا، سر اتارنا، ابرو پہ بل آنا وغیرہ۔

انیسؔ نے اس سلام کے مقطع میں بڑی نادر ترکیب "نقد تہی دستی" کا برمحل استفادہ کیا ہے۔ دولت کی تکرار نقد اور تہی دستی کا ذکر صنعت مراعات اور صنعت تکرار میں شامل ہیں۔

انیسؔ آخر نہ دولت کام آئی اہلِ دولت کے
بجز نقد تہی دستی نہ کچھ وقتِ اجل پایا

میر انیسؔ جہاں مرثیوں میں بڑی تفصیل سے منظر نگاری اور واقعہ نویسی کرتے ہیں وہ سلاموں میں اختصار اور اعجاز سے کام لیتے ہیں۔ غزل کے شعر کی طرح سلام کے ایک شعر میں تمام درد و گداز بھر دیتے ہیں۔ کیا امام سجادؑ کی مصیبت پر اس سے کامل کوئی اور شعر لکھ سکتا ہے۔

ماں بہنوں کا غم داغ پدر رنج اسیری
بیمار کا اب تک یہ مداوا نہیں دیکھا

شاید اسی لیے میر انیسؔ نے دعا کی تھی جو مستجاب ہوئی۔

ع: گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

سجاد غرق تھے عرقِ شرم میں انیسؔ
کنبہ نبیؐ کا بلوے میں جب بے نقاب تھا

اس شعر میں عرقِ شرم نادر ترکیب ہے۔ عرق اور غرق میں صنعت تجنیس بھی ہے۔ انیسؔ چھوٹے چھوٹے الفاظ سے کئی معانی نکالتے ہیں۔ ذیل کے شعر میں "بنی" "دولھن" اور "بنے" کے معنی میں بھی ہے۔ اس کے علاوہ دولھن، بنی، بیاہ صنعت مراعات النظیر میں بھی ہے۔ قاسم تلمیح ہے۔ حضرت قاسم کی شادی کی۔ مزید اس شعر میں "نزع" کے عین کا تلفظ پورا ادا ہورہا ہے، جو بڑے شاعر کا طریقہ کار ہے۔

قاسم کے وقتِ نزع یہ جاری زباں پہ تھا
دولھن بنی خیال کی تھی بیاہ خواب تھا

جب عذرِ گنہ کرتا تھا حُر کہتے تھے شبیرؑ
اے حُر تو ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

میر انیسؔ کا ایک مختصر نو (۹) شعر کا سلام "ہے ہمارا" کی ردیف میں ہے۔ اس سلام کے مقطع میں:

بینا جو ہر اک دیدۂ بینا ہے ہمارا
ہر اشک سلامی دُرِ یکتا ہے ہمارا

بینا کی تکرار نے معنی کو وسعت دی ہے اور اسی نسبت سے آنسو کو دُرِ یکتا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ردیف "ہمارا" سے شاعر نے خوبصورت استفادہ کیا ہے۔ "حُر" کا ضمیر ہمیشہ ملامت کرتا رہا کہ اس کی وجہ سے امام حسینؑ کو یہ قتل وغارت کا میدان دیکھنا پڑا کیوں کہ حُر ہی کے رسالے نے امام حسینؑ کے قافلے کو محصور کر کے کربلا تک پہنچایا تھا چنانچہ یہ کسک اور درد حُر کے دل ودماغ میں ایسا رچ گیا تھا کہ وہ روز عاشور کئی بار امام حسینؑ سے معذرت اور بخشش کی التجا کر رہا تھا اور حسینؑ اسے مطمئن کر رہے تھے کہ وہ دنیا اور آخرت میں گناہوں سے حُر یعنی

آزاد ہے۔ انیسؔ کی جذبات نگاری دیکھیے حُر کے عذر گناہ پر تکرار کے ساتھ ہمارا استعمال کر کے جو تسکین پہنچائی ہے وہ ہر مصرعے کو پڑھنے اور لکھنے والا محسوس کر سکتا ہے۔ ع: اے حُر تو ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

دو عالم دو ورق ہیں اک کتابِ وصف حیدرؑ کے
یہ مجموعہ وہ ہے جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر ہے

فضائل حضرت علیؑ کی کتاب کے صرف دو ورق دو عالم ہیں۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فضائل کی جمع آوری ممکن نہیں مشہور ہے اگر تمام سمندر سیاہی ہو جائیں تمام شجر قلم بن جائیں تمام زمین صفحات ہو جائے اور تمام انسان کاتب ہو جائیں تب بھی ان فضائل کا لکھنا ممکن نہیں۔ علیؑ کے نور کی تخلیق دنیا کی خلقت سے قبل تھی اور بعد از دنیا باقی رہے گی چنانچہ فضائل کے مجموعہ کا اول اور آخری صفحات کا پتہ نہیں۔ شعر صنعت مبالغہ میں ہے جو مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔ صنعت تضاد میں اول و آخر ہیں۔ صنعت تکرار میں دو عالم دو ورق شامل ہیں۔ صنعت اعداد میں ایک دو موجود ہیں۔ صنعت مراعات النظیر میں کتاب، ورق، مجموعہ اول اور آخر نظر آتے ہیں۔ کتابِ وصف، جدید ترکیب ہے۔ مصرعہ ثانی میں لفظوں کی نشست روزمرہ کے تحت ہے۔

زہے نور رخسار و گیسوئے مشکیں
یہ صبح حلب ہے وہ شام ختن ہے

میر انیسؔ نے حضرت علیؑ اکبر کے سراپے کے ذیل یہ شعر لکھا جو صورت میں رفتار میں گفتار میں پیمبر اکرم کی شبیہ تھے اسی لیے حضرت علی اکبرؑ کو ہم شکل پیمبر بھی کہتے تھے۔ ۱۔ اس شعر کو بلاغت میں ایجاز کہتے ہیں یعنی کم لفظوں میں زیادہ معنی بیان کرنا ۲۔ یہ شعر ذوالسان بھی ہے پہلا مصرع فارسی اور دوسرا اردو میں ہے ۳۔ یہ شعر صنعت تلمیح میں ہے یہاں حلب سے مراد حلب کا آئینہ اور ختن سے مراد آہوئے ختن کی مشک ہے ۴۔ اس شعر میں مجاز کل او

رکنایہ بھی ہے ختن سے مراد ختن کا ہرن اور پھر ہرن کا نافہ جس میں مشک ہوتی ہے۔حلب سے مراد شہر حلب جس کے آئینے صاف اور شفاف اور مشہور ہیں ۵۔یہاں صنعت ایہام بھی ہے جس طرح برصغیر میں بنارس کی صبح اور اودھ کی شام مشہور ہے اسی طرح صبح حلب اور ختن کی شام دلکش ہیں ۶۔مصرعہ ثانی میں معنی آفرینی کی عمدہ قسم کی اختراع ہے جس میں تلمیحات کے ذریعۂ معنی میں اضافہ کیا گیا ہے ۷۔اس شعر میں صنعت لف ونشر مرتب ہے یعنی نور رخسار کو حلب کے آئینہ سے اور مشکیں خوشبودار بالوں کو آہوئے ختن کی مشک جو کالی اور خوشبودار ہوتی ہے سے تشبیہ دی گئی ہے ۸۔تمام شعر استعارہ در استعارہ میں ہے ۹۔اس شعر میں صنعت تضاد بھی ہے یعنی صبح، شام، یہ، وہ ۱۰۔یہاں صنعت مراعات النظیر بھی ہے جس میں رخسار، نور، گیسو شامل ہیں ۱۱۔دوسرا مصرعہ روزمرہ میں ہے یعنی جس طرح سے نثر میں بولا جائے اس کی نثر ممکن نہیں کیوں کہ خود نثر میں ہے۔ ۱۲۔صنعت قافیہ بھی چونکہ قافیہ میں تلمیح موجود ہے اور سب سے اہم یہ گھسا پٹا مضمون جس جدت ادا، تازگی اور متحرک تشبیہات سے باندھا گیا ہے اس کی مثال نہیں:

اللہ کیا نمک ہے کلام انیسؔ میں
دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

دریا میں عکس روئے مبارک جو ہے پڑا
ہیں رشکِ گل حباب تو پانی گلاب ہے

اہم نکات ۱۔ حباب دریا کے پھول ہیں جو کھِل کر مرجھا جاتے ہیں (جدید مضمون)

۲۔ روئے مبارک کو گل سے تشبیہ دی ہے جو متحرک اور استعارہ میں ہے

۳۔ گل آب ابہام ہے یعنی پانی میں گل کا عکس ہے یا پانی عرق گل گلاب بن گیا ہے۔

۴۔ رشک کے لفظ سے مضمون میں تازگی اور لطافت پیدا کی ہے۔

فارسی کی طرح اردو شاعری میں بھی سرو اور قمری کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بہت قدیم گھسا پٹا مضمون ہے جس میں معشوق کے قد کو "سرو" سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس پر بیٹھی ہوئی قمریوں کو وہی نسبت دیتے ہیں جو پھول اور بلبل کو اور بعض اوقات منظر کشی میں بھی قمری کی آواز کو "کو" کو شعر کو آہنگ میں جڑ دیتے ہیں جس سے شعر میں ایک خاص صوتی اثر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میر انیسؔ کے ایک سلام سے صرف دو شعر میں جس میں قمریوں اور سرو کا ذکر ہے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میر صاحب کا مشاہدہ کتنا دقیق تھا اور ان کا تخیل کتنا عمیق کہ اس مضمون میں بھی جدید نکات نکالتے ہیں۔ امام حسینؑ کے سراپا کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

قمریاں طوق غلامی کی گلوں میں ڈالیں
سرو گڑ جائے جو دیکھیں قد و بالائے حسینؑ

اس شعر میں صنعت حسن تعلیل یہ ہے کہ قمریوں کے گلے میں ایک خوش نما رنگ کی پٹی ہوتی ہے جو گردن میں طوق معلوم ہوتی ہے جسے میر صاحب نے محاورے کی زبان میں گلوں میں طوق غلامی کہا۔ سرو کا درخت تو زمین میں گڑا ہی رہتا ہے۔ اس حسن تعلیل میں گڑھ جانا یا شرم میں زمین میں دھنس جانے کے مفہوم میں لایا گیا ہے۔ یعنی امام حسینؑ کا شمشاد قد و قامت دیکھ کر سرو خود شرم سے زمین میں گڑ جاتا ہے اور قمریاں اس کے آگے گلوں میں طوق غلامی پہن لیتی ہیں۔ اس شعر میں صنعت مراعات النظیر بھی ہے یعنی قمریاں، سرو، قد، بالا۔ طوق، گلوں، قد وغیرہ۔ اسی سلام کے ایک اور شعر میں قمریوں کی آواز کوکو کو حسن تعلیل کی صنعت میں پیش کرتے ہیں۔ میر صاحب نے "کوکو" کو فارسی میں "کہاں ہے کہاں ہے" کے معنی میں باندھا ہے اور یہی میر صاحب کی معجز بیانی ہے۔

قمریاں سرو پہ کوکو کی صدا دیتی ہیں چھپ گیا خاک میں جب سے قد زیبائے حسینؑ

اس شعر میں کمال یہ بھی ہے کہ اس میں قمری کی اصل آواز ''کوکو'' کو نظم کیا گیا ہے اور ''سرو'' کی نسبت سے قد زیبائے حسینؑ لایا گیا ہے اور ''جب سے'' لکھ کر یہ بھی بتایا ہے کہ قیامت تک قمریاں ''کوکو'' یعنی ''کہاں ہے کہاں ہے امام مظلوم کا جنازہ'' صدا دیتی رہیں گی۔

انیسؔ کے بعض اشعار صوتی آہنگ سے بھرے ہوئے ہیں کہیں ڈھول کی آواز دوں دوں دون کہیں قمری کی آواز کوکو ہے۔ یہ شعر صنعت ایہام میں ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں قمریاں، سرو، کوکو اور صدا شامل ہیں۔

میر انیسؔ کے سلاموں میں ایک اور سینتیس (۳۷) اشعار کا سلام ہے جس میں حضرت علیؑ کی منقبت اور شہادت کا بیان موجود ہے جو عموماً سلام میں کم ہوتا ہے۔ اس عمدہ سلام کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس میں پندرہ مطلعے ہیں۔ سلام کا آغاز عید غدیر سے ہے۔ پہلے کے چار اشعار غدیر سے مربوط ہوتے ہوئے بھی علاحدہ علاحدہ مضامین رکھتے ہیں۔ پہلے شعر میں حضرت علیؑ کی تاج پوشی اور وزارت کا بیان ہے۔ دوسرے شعر میں شاعر نے کیفیتیں لکھ کر داخلی قلبی روداد کا باعث شراب غدیر کا نشہ بتایا ہے۔ اور اسی شغل پر تیسرے شعر میں ناز بھی کیا ہے۔ یہ ساقی نامے کی عمدہ مثال انیسؔ کے کلام میں ہے۔ یہ سچ ہے کہ میر انیسؔ کے نواسے پیارے صاحب رشیدؔ نے ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین میں اثر اور رنگ بھرا لیکن ان اشعار کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا۔

ہے تخت پر جلوس جنابِ امیرؑ کا
ڈنکا ہے اب جہاں میں نبیؐ کے وزیر کا

کیفیتیں اٹھائے نہ کیوں دل فقیر کا
نشہ چڑھا ہوا ہے شرابِ غدیر کا

واقف خمار غم سے نہیں دل فقیر کا
پیمانہ کش ہوں بادۂ خمِ غدیر کا

اس عمدہ سلام میں منتخب اشعار کا ہر شعر مستقل ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں۔

اللہ رے فقر حیدرؑ گردوں سریر کا
رہتا ہے خواب گاہ میں بستر حصیر کا

(تصوفی اور عرفانی قدر)

کرتے تھے شکر پھانک کے آرد شعیر کا
کیا حوصلہ تھا دیکھو جناب امیر کا

(جو کی روٹی کھا کر شکر کرتے تھے)

دو انگلیوں سے کلّہ اژدر کیا ہے دو
حیدرؑ نہ کیوں لقب ہو مرے دستگیر کا

(تلمیح: حضرت علیؑ نے اژدہے کے سر کے دو ٹکڑے کیے تھے)

ذیل کے شعر میں رعایت لفظی کے ساتھ دستگیر کا قافیہ بہت عمدہ ہے۔ تلمیح کو نظم کیا گیا ہے جب حضرت علیؑ رسول خدا کے کاندھوں پر سوار ہو کر بت شکنی کر رہے تھے۔

کعبے میں دوش پاک نبیؐ پر رکھے قدم
اے چرخ دیکھ اوج مرے دستگیر کا

اس سلام میں ایک قطعہ بند کے تین اشعار میں معراج کی منظر نگاری اور عقیدہ کی پر جوش آہنگ سازی کی ہے۔ یہاں حضورؐ جو صاحب معراج ہیں حضرت علیؑ کو بادشہ قلعہ گیر، وزیر اور امیر سے خطاب کر رہے ہیں کیوں کہ علیؑ فاتح قلعہ خیبر، وزیر احمد مرسل اور امیر المومنین ہیں۔ تمام قطعہ بند اشارات اور رمزیہ نکات میں نظم ہے جس کا لطف شعر کی تشریح میں کم ہو جاتا ہے۔

اصحاب سے یہ صاحب معراج کہتے تھے   کیا مرتبہ ہے بادشہؑ قلعہ گیر کا
پائی کسی نبی نے رسالتؐ نہ اس قدر   دیکھا خدا سے قرب وہ اپنے وزیر کا
پہنچا جہاں جہاں میں نظر کی جدھر جدھر   تھا ہر جگہ ظہور جناب امیر کا

اس سلام کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں قطعہ بند کی شکل میں واقعہ شہادت حضرت علی علیہ السلام ہوا ہے۔

اس زور سے لگائی تھی قاتل نے ضرب تیغ   شق ہوگیا تھا فرق جناب امیر کا
آئی مہ صیام کی اکیسویں جو رات   بے جاں ہوا امام صغیر و کبیر کا
فرزند غسل دے چکے جس دم تو جبرئیلؑ   لائے کفن جناں سے شہِ قلعہ گیر کا
قیدی دہائی دیتے تھے روتے تھے سب فقیر   وارث اٹھا جہاں سے یتیم و اسیر کا

میر انیسؔ کے سلاموں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اخلاقی مضامین کا ذکر کم وبیش ضروری ہوتا ہے۔ وہ دو چار تعلی اور ذاتی کیفیت کے اشعار بھی ساتھ میں باندھ دیتے ہیں۔

دیکھو کرم رسولؐ خدا کے وزیر کا   قاتل کو بھی سخی نے دیا جام شیر کا
اے باغباں میں بلبل گلزار قدس ہوں   سدرہ پہ آشیاں ہے مرے ہم صفیر کا
یاں ان دنوں سے شہد مضامیں زباں پہ ہے   چکھا تھا جب مزہ بھی نہ مادر کے شیر کا
اک پل میں پُل صراط سے گزریں گے مومنین   جس وقت لیں گے نام جناب امیرؑ کا

تمام اشعار میں تازگی سادگی شگفتگی شائستگی کے ساتھ روانی اور خیال کی برجستگی ہے۔ ایک مختصر سے سلام میں حمدیہ، نعتیہ، مناجاتی، منقبتی، رثائی، اخلاقی اور ذاتی مضامین کی لہر جو خشک ذہن کو شاداب اور سیراب کردیے میر انیسؔ کی کرشمہ سازی ہے۔ چونکہ ہر شعر کی تشریح اور تجزیہ ممکن نہیں اس لیے بہت سے اشعار انتخاب کر کے یہاں نقل کیے گئے ہیں تاکہ ہر پرستار اپنے مبلغ علم سے خیال کی گیرائی اور گہرائی درک کر سکے۔

سلام میں فارسی اشعار:

میر انیسؔ کا ایک طولانی سلام کی ردیف ''حسینؑ'' ہے۔ اس سلام کا مطلع زیب مطلع اور تیسرا شعر فارسی میں ہے۔ ان اشعار سے میر انیسؔ کی فارسی پر گرفت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلام فارسی شعرا کے رنگ میں ہے۔

السلام اے لحد اقدس و اعلائے حسینؑ
مہبط نور خدا طور تجلائے حسینؑ
مرکز دائرہ دیں شرف کون ومکاں
قبلہ عالمیاں ، منزل و ماوائے حسینؑ
لوح قرآن مبیں آئینہ صدق و صفا
ذوالعطا عرش خدا خاک شفا پائے حسینؑ

ان تینوں شعروں میں انیسؔ نے امام مظلوم کے دس سے زیادہ القاب، اوصاف اور خطابات بیان کیے ہیں۔ یہ سلام قادر الکلامی اور مشکل بیانی کی عمدہ مثال ہے۔

(ترجمہ): اے مرقد مقدس، اعلیٰ، نور خدا اترنے کی جگہ اور تجلی طور والے حسینؑ کو سلام۔ دین کا محور، کون مکاں کا شرف، عالموں کا قبلہ گاہ خانہ اور بارگاہِ حسینؑ ہے۔ قرآن کی لوح، صدق و صفا کا آئینہ، صاحب عطا، عرش خدا حسینؑ ہے۔ اس کے پیروں کی خاک شفا ہے۔

maablib.org

سلاموں میں درس اخلاق:

میر انیسؔ کے سلاموں میں اخلاقی مضامین کی فراوانی ہے۔ میر صاحب نے رباعیوں

اور مرثیوں کے بعض بندوں میں موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اخلاقی درس دیا ہے۔ کتاب اخلاق کا شاید ہی کوئی درس ایسا ہو جس کا انیسؔ نے ذکر کیا نہ ہو۔ انیسؔ کا ہنر یہ ہے کہ وہ درس اخلاق کے معلم ہوتے ہوئے بھی اپنے لہجے کو واعظانہ یا ناصحانہ نہیں کرتے بلکہ خود کو اس بیان میں شریک کرکے کسر نفسی کا منظر پیش کرتے ہیں۔

اخلاقیات ایک ایسا وسیع موزوں ہے جس میں کئی انسانی قدریں شامل ہیں۔ یہاں چند سلام کے اشعار مختلف عالی قدروں پر ملاحظہ ہوں:

جز خدا جھکتے نہیں ہم ماسوا کے سامنے
ہاتھ پھیلائے تونگر کیا، گدا کے سامنے

وہ ہے آدمی جس سے ہو کار خیر
بشر وہ جو دنیا میں بے شر رہے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پہ رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

سو گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

اٹھائی لذتِ تلخی تکلفاتِ جہاں
عرق عرق ہوا شیشے میں جب گلاب آیا

ولا حجاب کر اب تو سیاہ کاری سے
سفید بال ہوئے موسمِ خضاب آیا

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو
اب اپنی قبر بھی او خانماں خراب بنا

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

جو آبرو کا ہے طالب تو کر عرق ریزی
یہ کش مکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا

یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ پروفیسر مسعود حسن ادیب مرحوم نے جب ایک گلہ مندانہ خط مالک رام آنجہانی کو لکھا جس میں انھوں نے قاضی عبدالودود کو برصغیر کا سب سے بڑا فارسی داں لکھا تھا۔ ادیبؔ نے لکھا عدل کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی کی مدح اس طرح نہ کی جائے جس میں دوسرے کی قدح ہو اس طویل خط کے آخر میں ادیب مرحوم نے انیسؔ کا شعر لکھا جس کو راقم ڈھونڈتا رہا لیکن دوسرا مصرعہ نہیں ملا۔ چنانچہ بعد میں معلوم ہوا کہ میر صاحب نے دو الگ الگ مصرعوں کو لے کر خود شعر بنایا جو اس طرح ہے۔

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پایمال کبھی
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا (محبت)

صحیح دو شعر جن سے یہ شعر بنایا گیا یہ ہیں:

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پایمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے (حقوق بشری)

حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

اٹھائی لذتِ تنگیِ تنگنائے جہاں
عرق عرق ہوا شیشے میں جب گلاب آیا (محنت اور کوشش)

جمع ہونا ایک جا ضدین کا دشوار ہے
خیر ہوتی ہے طبیعت میں تو شر ہوتی نہیں

میر صاحب کا یہ شعر بہت سچا اور عمدہ شعر ہے۔ تضاد یا ضدین کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں۔ حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، سیاہ اور سفید، گرما اور سرما، تاریکی اور اُجالا وغیرہ وغیرہ ایک جگہ ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اِدھر شمع روشن کی اُدھر تاریکی رخصت ہوئی۔ یہ شعر بلیغ اس لیے بھی ہے اس میں معنی کثیر ہیں۔ حُسن ایجاز یعنی کم لفظوں سے زیادہ معانی نکالنا انیس کی معجز بیانی ہے۔ اس شعر میں صنعت تضاد یعنی خیر اور شر کا ذکر بھی ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کئی مختلف صنعات کی قدریں ایک جگہ جمع ہوں لیکن وہ اقدار ایک دوسرے کی ضد نہیں ہو سکتیں۔ اس روشنی میں ہمیں علامہ اقبال کے مصرعہ پر غور کرنا پڑے گا۔ ع: کہتے ہیں کہ

مجموعۂ اضداد ہے اقبال

کچھ شعر مزید سلاموں کے یہ ہیں۔

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں (استغنا)
دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں (فخر۔غرور)

کشکول توکل نادر ترکیب ہے۔دل کے غنی جدید محاورہ ہے۔مصرعہ اول میں صنعت جمع ہے۔
صنعت جمع دام و درم اور شعر کے تمام مضمون پر توکل علی اللہ کی دستار رکھی گئی ہے۔

وائے حسرت کچھ نہ دنیا میں کیے اعمالِ نیک
ہاتھ خالی ہم چلے اپنے خدا کے سامنے

وائے حسرت فقرۂ ندامت، ہاتھ خالی جانا محاورہ شعر کو دل میں پیوست کردیتا ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

جنھیں ملا انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھوں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

کسی کے سامنے کیوں ہاتھ جا کے پھیلاؤں
میرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے
فقیر ہوں پر نہیں عادت سوال مجھے

رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے
گریبان کو چھوڑ اے حرص دنیا
مرے ہاتھ میں دامن پنجتنؑ ہے

عبرت کی ہے یہ جا کہ گیا جانب عدم
دنیا سے خالی ہاتھ سکندر لیے ہوئے

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر:

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

اس شعر میں عمدہ مضمون ایک عمومی تجربہ کے مشاہدہ سے تیار کیا گیا ہے۔ ہم اس شعر کے صرف اس نکتہ پر روشنی ڈال رہے ہیں جس میں زندگی اور سورج میں مشابہت ہے۔ اس شعر میں انیسؔ نے تشبیہ موکد یعنی حروف تشبیہ جیسے مثل، مانند، جیسا، مشابہ وغیرہ استعمال نہیں کیے اگرچہ مصرعہ اوّل میں لفظ ''طرح'' موجود ہے لیکن یہاں اس کا حروف تشبیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس شعر کا تمام حُسن اس کی متحرک تشبیہ میں ہے جو اعلیٰ قسم کی تشبیہ کی مثال ہے۔
مولانا عبدالسلام ندوی نے اپنی کتاب ''شعرالہند'' میں ''اسرارالبلاغہ'' سے امام عبدالقادر جرجانی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''تشبیہ کی باریکی اور اس کی سحر طرازی اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ ان صورتوں میں واقع ہوتی ہے جس میں حرکت پائی جاتی ہے۔''
انیسؔ کے شعر میں ''مشبہ'' یعنی زندگی بسر ہونا اور عروج مہر یعنی سورج کا ترقی کرنا

دونوں متحرک ہیں۔ یہاں تو وجہ تشبیہ زندگی اور سورج کی رفتار، طلوع، غروب یا پیدائش، عمر اور موت ہے۔ درحقیقت اس میں حُسن تعلیل کی صنعت بھی پوشیدہ ہے۔ لفظ دوپہر میں ایہام ہے یعنی دوگھڑی یا دوپہر جو دن کا درمیانی وقت ہوتا ہے۔ اس شعر میں تشبیہ عقلی کا زور ہے۔ چنانچہ تشبیہ حسی بصری جس سے انسان سورج کے طلوع، سفر اور غروب کو دیکھ سکتا ہے اُسی طرح انسان کی زندگی کے اتار اور چڑھاؤ کو بھی دیکھ سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ شعور داخلی کے ادراک سے اس کی بلندی اور پستی کے اثرات اور جذبات کو متصور بھی کرسکتا ہے۔

''مقدمہ شعروشاعری'' میں حالیؔ لکھتے ہیں۔ ''ملٹن کہتا ہے شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو۔ جوش سے بھرا ہوا ہو اور اصلیت پر مبنی ہو۔ ہمارے نزدیک کلام کی سادگی کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ خیال کیسا ہی بلند اور دقیق ہو مگر پیچیدہ اور ناہموار نہ ہو اور الفاظ جہاں تک ممکن ہو روزمرہ کی بول چال کے قریب قریب ہوں۔ اصلیت سے یہ مراد ہے کہ جس بات پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ وہ نفس الامر میں یا لوگوں کے عقیدے میں یا محض شاعر کے عندیہ میں فی الواقع موجود ہو۔ جوش سے مراد شاعر نے اپنے ارادے سے یہ مضمون نہیں باندھا بلکہ خود مضمون نے شاعر کو مجبور کر کے اپنے تئیں اس سے بندھوایا ہے۔'' اس کے علاوہ شعر کو پڑھنے یا سننے کے ساتھ ساتھ جذبات ابھریں۔ چنانچہ انیسؔ کا یہ شعر ملٹن کے تجزیہ کے تحت اچھے اشعار میں شمار ہوتا ہے۔ غالبؔ کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے حالی نے لکھا۔

جب میکدہ چھٹا تو رہی کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس شعر کا خاص حُسن یہ ہے کہ پورے شعر میں از راہ تہذیب اس کام کا ذکر نہیں کیا جس کے کرنے کے لیے مسجد و مدرسہ و خانقاہ کو مساوی قرار دیتا ہے۔ یہاں شراب پینے کی تصریح نہ کرنا عین مقتضائے بلاغت ہے۔

انیسؔ کے اس شعر میں بھی زندگی، عمر اور حیات کا ذکر کیے بغیر شاعر نے تمام شعر مکمل کیا جو انیسؔ کی بلاغت کی سند ہے۔

اس شعر میں کم لفظوں میں کثیر معانی پیش کیے گئے جو انیسؔ کا حسن ایجاز ہے۔ علامہ نظم طباطبائی شرح دیوان اردوے غالب میں لکھتے ہیں:

''تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعض طبیعتیں جودت خداداد رکھتی ہیں وہ ایک ہی دفعہ میں سارا شعر کہہ لیتے ہیں اور دونوں مصرع مربوط و دست گریباں ہوتے ہیں، جن کو خدا نے یہ وصف عطا کیا ہے، انھیں اس طرح کی مشق کرنے کی ضرورت بہت کم ہے اور جو شعر دونوں مصرعوں سمیت ایک ہی دفعہ ٹھیک پڑتا ہے اُس میں آمد کی شان اور بے تکلفی بیان ایسی ہوتی ہے کہ وہ بات ہرگز فکر کر کے مصرع لگانے میں نہیں حاصل ہوتی۔

میر انیسؔ مرحوم کے سامنے ایک صاحب نے یہ مصرع پڑھا، چہکتے چہکتے بلبل کی زباں سوکھ گئی۔ میر صاحب نے یہ مصرع لگایا:

عرقِ گل ہے مناسب اُسے دینا صیاد
چہکتے چہکتے بلبل کی زباں سوکھ گئی

انیسؔ مقطعوں میں دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی طمع و حرص کے مضامین خود کو مخاطب کر کے باندھتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کے لیے بھی پند و نصیحت بنیں اور انیسؔ کا لہجہ واعظانہ نہ رہے۔ ذیل کا شعر سہل ممتنع میں ہے۔ بڑی سادگی سے نہایت اہم مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔

ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیسؔ
اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دنیا کیا کیا

ہمیشہ فرشِ مشجر پہ جو کہ بیٹھتے تھے
نہ ان کی قبر پہ بھی سایۂ شجر دیکھا

میر انیس جب کبھی ایک غیر مانوس یا گراں وزن لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ اس لفظ کے استعمال سے معنی آفرینی درکار ہے۔ قدیم زمانے میں قیمتی قالینوں اور کپڑے کے فرشوں پر درختوں کی شکلیں سونے، چاندی اور ریشم کے تاروں سے بنائی جاتی تھیں جو بہر حال صرف دولت مندوں کے گھروں کی زینت تھے چنانچہ میر انیس نے دنیا کی بے ثباتی اور عبرت کے ذیل میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ صرف غریبوں کی قبریں دھوپ میں نہیں بلکہ فرش مشجر پر بیٹھنے والوں کی قبروں پر بھی سایہ نہیں۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ ''فرش مشجر'' کو رکھتے ہوئے بھی غیر مانوس نہیں معلوم ہوتا چونکہ دوسرے الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترتیب وترکیب نے مصرعہ میں روانی پیدا کردی ہے۔

قیام کس کا ہوا اس سرائے فانی میں
ہمیشہ ایک کے بعد ایک کا سفر دیکھا

انیس کو الفاظ پر وہی حاکمیت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر وہ اپنی سلطنت میں ہر قسم کے الفاظ رکھتے ہیں اور انھیں مناسب ترین مقام اور منصب عطا کرتے ہیں۔ یہ انیس کے فن کا گر ہے۔ اس شعر میں دنیا کی حقیقت اور اس میں زندگی کی مدت کی مثال ایک سرائے یا مسافر خانہ سے بہتر کیا ہوسکتی ہے۔ اس شعر میں قیام، سفر اور فانی سرائے کی نسبت سے لائے گئے ہیں۔ پہلا مصرعہ صنعت سوالیہ میں ہے۔ مصرعہ اول میں ''قیام'' کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ یہاں نہ صرف قیام سفر کے مقابل لایا گیا ہے بلکہ اس کو فانی کے تضاد میں بھی رکھا گیا ہے اور لفظ ''ہمیشہ'' سے صرف ایک کے بعد ایک کے سفر کو باقی اور غیر قانونی بتایا گیا ہے۔

مصرعہ ثانی میں ''ایک'' کی تکرار نے لطف معنی میں اضافہ مضمون کو اور موثر بنا دیا ہے۔

قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر
تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا

انیسؔ موت کے بعد کے دور کو حیات جاوداں سمجھتے ہیں۔ انھیں قبر سے خوف اور نفرت نہیں بلکہ قبر کو وہ اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ انیسؔ کی فکر میں موت حیات جاوید میں داخل ہونے کا دروازہ ہے اور اسی دروازے سے قبر اور پھر عقبیٰ کا راستہ ملتا ہے چنانچہ میر صاحب نے سہل ممتنع میں عظیم نکات پیش کیے ہیں۔ انیسؔ کی فن میں چھوٹے چھوٹے الفاظ کے کاندھوں پر دو عالم کا بوجھ نظر آتا ہے۔ انیسؔ چھوٹے چھوٹے ساغروں میں سمندروں کو نچوڑ دیتے ہیں۔ پہلے مصرعہ میں ''کہاں کہاں'' یہ دو حقیر ہندی کے الفاظ کائنات کی وسعت سمیٹے ہوئے ہیں کیا کوئی شخص ''کہاں کہاں'' کی فہرست تیار کر سکتا ہے۔ کیا یہ شعر نگاری دو آئینوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر لامتناہی آئینوں کی خلقت نہیں کیا ''پھر کر'' سے اچھا کوئی جوڑ ہو سکتا ہے؟

مصرعہ ثانی میں تمام عمر ہوئی کا کوئی جواب پیش کر سکتا ہے۔ پورا شعر سچا، پُراثر، اور اصلیت پر مبنی ہے۔

بے ثباتی دنیا اور عبرت پر چند شعر یہ بھی ہیں۔

امام کہتے تھے کیا اعتبار دنیا کا	اگر خیال سے دیکھے کوئی تو خواب یہ ہے
عبرت کی ہے یہ جا کہ گیا جانب عدم	دنیا سے خالی ہاتھ سکندر لیے ہوئے
گریباں کو اب چھوڑ اے حرص دنیا	مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے

سلاموں میں عرفانی اور صوفیانہ قدریں:

فلسفۂ شہادت امام حسینؑ فلسفۂ عشق الٰہی کا محور ہے۔ حسینؑ روز عاشورا امتحان عشق میں سرخ رو

نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے:

آں امامؑ عاشقان پور بتولؑ
سروِ آزادہ زبستان رسولؐ

میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں، رباعیوں، سلاموں اور قطعوں میں امام حسینؑ کی عرفانی تصویر اور صوفیانہ قدروں کی جلوہ نمائی کی ہے۔ ذیل کا عرفانی شعر جو کئی قسم کے پُر اثر لہجہ سے مزیّن ہے اور جس میں دیکھا، نہیں دیکھا کی تضادی کیفیت کا اثر جلوۂ معشوق کی تجلی سے منوّر ہے۔

یہ جلوہ معشوق سے ہوں محو کہ واللہ
جو ظلم و ستم دیکھا وہ گویا نہیں دیکھا

شاہ کہتے تھے کٹے حلق مگر ہاتھوں سے
دامن صبر نہ زیر دم خنجر چھوٹے

پوچھا زینبؑ نے ہوئی فتح تو سرورؑ نے کہا
سر کٹادوں تو مہم عشق کی سر ہوجائے

ہنگام ذبح کہتے تھے شہ شکر اے کریم
کیا کیا مزے ملے مجھے خنجر کی آب میں

بیٹھو تہِ شمشیر یہ مرضی خدا ہے
اے عاشق صادق دم تسلیم و رضا ہے

زیبا ہے اگر کعبہ ایماں انھیں کہیے
گر کہیے تو سرچشمۂ عرفاں انھیں کہیے

میں وصل کا مشتاق ہوں مت دیر ذرا کر
اصغرؑ ابھی باقی ہے سو اس کو بھی فدا کر

تو شہنشاہِ شہنشاہوں کا ہے یار خدا
ہیں برابر تری درگاہ میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشقِ جانباز ہے البتہ سوا
اے خوشا حال ہوا مجھ سے ترا عشق ادا
حلق پر تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے
کریم مجھ کو عطا کر وہ فقر دنیا میں
کہ جس کو فخرِ رسالت مآب سمجھے ہیں

تصوف:

جنھیں حصول ہوا رتبۂ فنا فی اللہ
حیات و موت کو وہ ایک خواب سمجھے ہیں

(قطعہ)

مزیلِ عقل ہے دنیا کی دولت اے منعم
اسی کے نشے کو صوفی شراب سمجھے ہیں
مرائیں ہیں مآلِ حلاوتِ دنیا
وہ زہر ہے جسے ہم شہد ناب سمجھے ہیں
علیؑ کو کہتے ہیں بے فصل جو وصیِ نبیؐ
وہی نکات حدیث و کتاب سمجھے ہیں

ورائے فقر کیا ہے اور گھر میں ہم فقروں کے
وہ دیوانے ہیں دروازے میں جو زنجیر رکھتے ہیں
فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے شرف
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے
شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینبؑ نے کہا
صاحبو نیزے پہ بھی ذکرِ خدا ہوتا ہے
پوچھا زینبؑ نے ہوئی فتح تو سرورؑ نے کہا
سر کٹا دوں تو مہمِ عشق کی سر ہو جائے
شربتِ دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں بیمار ہوں
جبر میں نے خود کیا ہے اختیار
ورنہ جو چاہوں کروں مختار ہوں
یاد آیا دامنِ مادر کا چین
پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے

راحت آباد عدم ہے خوب جا　　پھر نہ آئے وہ جہاں سے جو گئے
اک در پہ بیٹھ کر ہے توکل کریم پر　　اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے
راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب　　ایذا بھی چار دن ہو تو شکوا نہ چاہیے
دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ　　پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی
کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو　　زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا
کس درجہ اشتیاق شہادت تھا شاہ کو　　خنجر گلے پہ چلتے ہوئے مسکرا دیا
ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ　　چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں
خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے　　زمین گرم کو وہ فرش خواب سمجھے ہیں
فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا　　امیروں کا یاں تک گزارا نہیں
فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے　　کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے
تارک دنیا کو اسباب حشم سے کیا غرض　　تخت شاہی خاک سے کم ہے گدا کے سامنے

حسینؑ خدا کے حضور میں نہایت عجز سے فرماتے ہیں:

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بار خدا　　بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا　　ہوگی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا

کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

کچھ اور سلام کے تصوفی اور عرفانی اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے جا رہے ہیں۔

کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو
زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا

خوشی ہے قرب حق کی آرزو امت کی بخشش کی
گلا خود زیر خنجر حضرت شبیرؑ رکھتے ہیں

تیغ گردن پہ چلی اور نہ تڑپے شہؑ دیں
ایسا صابر نہیں کوئی تہِ خنجر آیا

مال کیا ہے گر کوئی مانگے تو ہم
جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر

ہوئے قتل اکبر تو شہؑ نے کہا
دلا تجھ کو شکر خدا چاہیے

حسینؑ اور طلب آب اے معاذاللہ
تمام کرتے تھے حجت سوال آب نہ تھا

سراپا نگاری:

میر ضمیر مرثیے میں سراپا کے بانی ہیں لیکن اس سراپا میں لفظی رعایتوں اور مراعات النظیر کی وجہ سے اس قدر بناوٹ ہے کہ ذوق سلیم کو گوارا نہیں۔ انیسؔ نے پہلے یہی طریقہ اختیار کیا لیکن بعد میں اس میں اجتہاد کیا۔

سلام کا مقصد واقعات کربلا کو تفصیل سے بیان کرنا نہ تھا۔ اس مفصل بیان کے لیے

مرثیہ کا وسیع دامن موجود تھا چنانچہ یہاں واقعہ کربلا پر اشارات کے ساتھ ساتھ کربلا کی معنویت اور اس کی فکری بنیادوں کو ذہنوں میں ثبت کرنا تھا اور یہ کام سلام کے ایک شعر یعنی دو مصرعوں میں انجام دینا آسان نہ تھا۔ سلام کا عروضی ڈھانچہ جو غزل کی شکل میں موجود تھا غزل کے مخصوص علامات، محاسن، رموز، اشارات، استعارات وتشبیہات وغیرہ سے بھی بڑی حد تک استفادہ کرتا رہا۔ جس کی وجہ سے سلام کا کینوس بہت وسیع ہو گیا اور واقعہ کربلا بطور علامت و استعارہ اسلامی شعر وادب کے علاوہ دوسرے عالمی لٹریچر میں آفاقیت کا حاصل ہو کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام تر انسانوں کے درد کا درماں اور آزادو بلند فکر اذہان کا محور بن گیا۔

میر انیسؔ نے سلاموں میں جگہ جگہ علی اکبرؑ کی عمدہ سراپا نگاری کی ہے جو صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں، قدوقامت میں رسول اکرمؐ سے مشابہ تھے۔

جو دیکھتا اکبر کے سراپا کو یہ کہتا
یہ حسن، یہ ترکیب یہ نقشا نہیں دیکھا

ایک اور شعر میں تغزل کی چاشنی دیکھیے:

کہتے تھے دیکھ کر لب و دندان شہ کو لوگ
ثمرن دُر عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس

یہاں مصرعہ ثانی میں دو استعاروں کو بڑی خوبصورتی سے یکجا کیا گیا ہے۔ خوبصورت دانتوں کی صف کو دُر عدن کی ثمرن اور ہونٹوں کو لعل یمن کہنا استعاروں کو صحیح مقام اور منصب عطا کرتا ہے۔

یہ دنداں ہیں یا دُر شہوار گویا
دہن ہے کہ درج عقیق یمن ہے

مہ نو ہے ابرو جبیں ماہ کامل
یہ چہرہ ہے خورشید سہرا کرن ہے
نہ سمجھو نقطۂ خال سیاہ ابرو پر
کتاب حسن کی اک بیت انتخاب یہ ہے

خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک
عرق نہیں گل رخسار پر گلاب یہ ہے

ایک اور سلام کا مطلع اور زیب مطلع حضرت علی اکبرؑ کے سراپا پر صنعت حسن تعلیل محاورہ اور تلمیح کی حُسن کاری کے ساتھ۔

سنبل تر ہے پریشاں زلف اکبرؑ دیکھ کر
کٹ گیا ہے ماہ تاباں روئے انور دیکھ کر
آب ہوجائے گا حسنِ روئے اکبرؑ دیکھ کر
سامنے آئینہ لاتا اے سکندر دیکھ کر

سلاموں میں نہضت آزادی پر انقلابی اشعار:

کہیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا
یہ انقلاب غضب کا ہے یا علیؑ فریاد
کہ مسجدیں تھیں جہاں واں شراب خانہ ہوا
ورق الٹ گیا دنیا کا یک بیک کیوں چرخ
یہ کس طرح کا زمانے میں انقلاب آیا
کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر
جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ تھا
الٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا اک طبقہ
انیسؔ ملکِ سخن میں بھی انقلاب آیا

انیسؔ ظلم سے اعدا کے مہدیٔ ہادی کوئی گھڑی میں بس اب انتقام لیتے ہیں

زندگانی اور حیات:

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

دودن کی حیات پر تمثیل نگاری سے جو نقشا کھینچا ہے اس میں صنعت حُسن تعلیل کہ جب ہوا چلتی ہے تو حباب پھوٹ جاتے ہیں۔ چنانچہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ، اس عظیم وسیع کائنات میں انسان کا وجود اور اس پر فخر ومباہات کا طرہ کیوں؟ اس دنیا میں ہر چیز آنی جانی اور فانی ہے۔ اگر دل میں روشنی ہو تو دیکھ سکتے ہیں۔

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

کب آئے موت خدا جانئے طلب کب ہو
جو شہسوار ہے پا در رکاب رہتا ہے

بحر جہاں میں قطروں نے کیا سر اٹھائے ہیں
دیکھیں کہ ان حبابوں کی کب تک ہوا رہے

شباب وپیری:

شباب تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد یہ مضطرب ادھر آیا اُدھر روانہ ہوا

نہ کی آہ کچھ عمر رفتہ کی قدر — عجب جنس کو رائیگاں کردیا

پیام مرگ ہے موئے سفید اے غافل — کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

دلا حجاب کر اب تو سیہ کاری سے — سفید بال ہوئے موسم خضاب آیا

عالم پیری میں آئے کون پاس — اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے — اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے

یہ جھڑیاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے — چنا ہے جامہ اصلی کی آستیوں کو

برق تھی گویا چمک کر چھپ گئی — تیری مدت اے جوانی دیکھ لی

زوال طاقت و موئے سفید و ضعف بصر — انہیں سے پائے بشر موت کے قرینوں کو

کودکی پیری جوانی دیکھ لی — تین دن کی زندگانی دیکھ لی

توکّل:

کس کے سامنے کیوں ہاتھ جا کے پھیلاؤں — مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے — فقیر ہوں پہ نہیں عادت سوال مجھے

فقیری میں دل بادشا چاہیے — سلامی توکل سدا چاہیے

کنج عزلت میں مثال آسیا ہوں گوشہ گیر — رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لیے

جز پنجتن کسی سے تولا نہ چاہیے — غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیے

گر فلک مجھ سے ہے برگشتہ تو کیا غم ہے انیسؔ
پنجتن حامی ہیں اللہ ہے سر پہ میرا

اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیسؔ — یاں توکّل ہے سدا اللہ پہ

ملا نہ مالک کوثر کو ایک قطرۂ آب
ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے

قناعت و گہر و آبرو و دولت دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منت خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

کوئی انیسؔ کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

ایک کشکول توکل ایک نقد جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

صورت آئینہ استغنا کے جوہر کھل گئے
ایک درہم پر ہوا گر بند سو در کھل گئے

کیا قبول قناعت سے بحر عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نان خشک کو وہ
اس آب رو کو جو موتی کی آب سمجھے ہیں

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیروں میں بھی دل تونگر رہے

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے
ہاتھ پھیلاتے تونگر کیا گدا کے سامنے

دنیا سے ہاتھ اٹھا کے توکل کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

صنعت حُسن تعلیل:

باندھے صف دانۂ تسبیح سے ہیں بعد امام
رفقائے شہ مظلوم ہیں دانا کیا کیا

یہ پورا شعر صنعت حُسن تعلیل میں ہے جس طرح تسبیح کے دانے امام کے پیچھے بندھے رہتے ہیں اُسی طرح امام کے رفیق جو دانا ہیں امام کے پیچھے صف آرا ہیں۔ یہاں صنعت مراعات النظیر میں دانہ، تسبیح، امام شامل ہیں۔ یہاں ردیف کیا کیا نے مضمون کو وسعت دی ہے۔

دشتِ پُرخار سے جاتے تھے جو پیدل سجادؑ
پھوٹ کر روتا تھا ہر آبلۂ پا کیا کیا

واقعہ نگاری کا مکمل بیان دو مصرعوں میں اور پھر اس میں محاورہ اور حُسنِ تعلیل کا وجود میر انیسؔ ہی کا حصّہ ہے۔ جب مظلوم امام کو ننگے پیر کانٹوں بھرے راستوں سے قافلہ کے ہمراہ لے جایا جاتا تو جو آبلے پیروں میں پڑے تھے وہ کانٹوں سے پھوٹ جاتے اور ان سے پانی بہہ جاتا جس کو شاعر نے آبلہ پا کا پھوٹ کر رونا کہا ہے۔ خود ''پھوٹ کر رونا'' محاورہ بھی ہے جس کے معنی شدت سے رونا ہے۔ کچھ اور شعر یہ ہیں:

غمِ شاہ سے گلشنِ دہر میں ۔۔۔ گریباں کس گل کا پارہ نہیں

سب زخم لہو کے آنسوؤں سے ۔۔۔ شہ کی غربت پہ رو رہے ہیں

لکھیں کس طرح ناتوانِ عابد ۔۔۔ جو بے لیے امتحاں کھینچے ہیں

قلم یوں ہے کاغذ پہ رک رک کے چلتا ۔۔۔ قدم جس طرح ناتواں کھینچتے ہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہاں ۔۔۔ گرد اپنے منہ کے پانی آپ دھو سکتا نہیں

باندھے صف دانۂ تسبیح سے ہیں بعدِ امامؑ ۔۔۔ رفقائے شہِ مظلوم ہیں دانا کیا کیا

گلے میں دیکھ کے طوقِ حدید کہتے تھے لوگ ۔۔۔ یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

خارِ صحرا نہ ہوئے تھے شرف اندوز ہنوز ۔۔۔ پہلے عابدؑ کی قدم بوسی کو چھالے آئے

مجلس میں بہرِ نذرِ شہنشاہِ کربلا ۔۔۔ دستِ مژہ ہے سبحۂ گوہر لیے ہوئے

کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی ۔۔۔ یہ رنگِ حسینؑ اور یہ رنگِ حسنؑ ہے

ہے کثرتِ ہلال سے رشکِ فلک زمیں ۔۔۔ دیکھو سمندِ شاہ کے نقشِ قدم کی شان

خاکِ شفا:

مریض کے لیے اکسیر ہیں یہ دو نسخے ۔۔۔ غبارِ مرقدِ شبیرؑ اور ہوائے نجف

بھلا دیکھیں فشارِ قبر یاں تک کیوں کر آتا ہے ۔۔۔ کفن میں ہم غبارِ تربتِ شبیرؑ رکھتے ہیں

maablib.org

دور کردیتا ہے اک ذرہ سب آزاروں کو
مجرئی خاک شفا چاہیے بیماروں کو

مجرائی ہے ضرور دعا بھی دوا کے ساتھ
آب حیات چاہیے خاک شفا کے ساتھ

اے مہوس اپنی اپنی قسمت اس میں رشک کیا
کیمیا تیرے لیے خاک شفا میرے لیے

خاک سے ہے خاک کو الفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں کربلا میرے لیے

خوشا تُربَۂ کربلا کا اثر
گرہ واں کھلی یاں شفا ہوگئی

مجھے درد عصیاں سے تا ہو نجات
لحد میں بھی خاک شفا چاہیے

فشار قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ
کفن میں تُربَۂ خاک شفا نہیں رکھتے

گرد ہے اکسیر خاک کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے

اُس کو کسی مرض سے نہ پہنچے جہاں میں رنج
بازو پہ جس کے تُربَۂ خاک شفا رہے

پکارے نبیؐ قبر سرورؑ پہ آکے
اسی خاک میں ہے دفینہ ہمارا

فشار قبر کا گر خوف ہے تجھے اے انیسؔ
رہے نہ تُربَۂ خاک شفا کفن سے جدا

واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کردیا
آگ پانی ہوگئی خاک شفا کے سامنے

اُس سے زر بنتا ہے اور اس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاک شفا کے سامنے

خاک در شبیرؑ ہے جاگیر ہماری
اے مجرئی کیا خوب ہے تقدیر ہماری

درد عصیاں کی دوا کچھ نہیں درکار انیسؔ
کربلا یاں سے گئے خاک شفا لے آئے

حلق سے اتری کہ آنکھیں سرد دل ٹھنڈا ہوا
گرد ہوجاتی ہے تپ خاک شفا کے سامنے

تربہ خاک شفا سے یوں کھلا تربت میں دل
جس طرح بلبل ہو بالیدہ گل تر دیکھ کر

مضامین قبر سلاموں میں:

قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی . دوست
میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

قبر درحقیقت نیا گھر ہے لیکن عموماً دستور یہ ہے کہ نئے گھر میں دوستوں اور رشتہ داروں کا جمگھٹ لگا رہتا ہے۔ قبر ایک ایسا نیا گھر ہے جس میں مکین تنہا ہے۔

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو — اب اپنی قبر بھی او خانماں خراب بنا

قبر میں نہ تخت اس کا ہے نہ اس کا بوریا — ڈھیر مٹی کا برابر ہے گدا و شاہ پر

صنعتِ لف ونشر غیر مرتب، صنعت تضاد تخت و بوریا، گدا و شاہ، صنعت تنسیق الصفات میں تخت وشاہ، بوریا اور گدا۔

غالبؔ کہتے ہیں:

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

عجب مقام عبرت ہے کہ جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کی لڑی پہننے کے قابل تھیں اب ان کے جسم کیڑوں کی خوراک بن گئے ہیں۔ کیڑوں کی قطار اور موتیوں کی لڑی میں مشابہت پیدا کی ہے۔

نوبت جمشید و دارا و سکندر اب کہاں — خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا، انجام کو سوچو انیسؔ — خاک ہونے کو یہ مشت استخواں پیدا ہوئے

انیسؔ اللہ تجھ پر سہل کردے قبر کی منزل — لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل دھڑکتا ہے

غمِ شہؑ کا گر داغ دل پر رہے — سلامی لحد میں منور رہے

فقیروں کی کیا موت کیا زندگی — جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے

فشار قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ — کفن میں صُرۂ خاک شفا نہیں رکھتے

تہِ زمیں نظر آئے ہیں بوترابؑ مجھے — ملا ہے قبر کی ظلمت میں آفتاب مجھے

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں — یارب لحد انیسؔ کی ہو کفش کن کے پاس

یہ مٹی سے پرہیز اے جسم کب تک — کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے

مختلف متفرق صنعتیں:

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی تھا نگیں جیسا
نجف برائے علیؑ تھا ، علیؑ برائے نجف

(صنعت عکس)

جس کو کیا ہو چار پارہ
ایسے کہیں سو میں دو رہے ہیں

(صنعت سیاق الاعداد)

اگر میں نہیں یوسف مصر معنی
تو کیوں چاہ سے قدر داں کھینچتے ہیں

(صنعت تلمیح (یوسف مصر) صنعت ایہام (چاہ) مراعات النظیر یوسف، چاہ، کھینچنا)

جسے دیکھ کر ہووے مانی کو حیرت
وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

(صنعت تلمیح)

غریب و بے کس و بے پر شہید و تشنہ دہن
حسینؑ کو پسِ مردن یہ سب خطاب ملے

(صنعت جمع۔ صنعت تلمیح)

دانہ زد لوگوں سے پالا پڑ گیا
جنس راحت کی گرانی دیکھ لی

(نئی ترکیب: دانہ زد۔ تضاد: راحت گرانی)

تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے
زخم گلو نہیں ہے مگر اس حساب میں
(صنعت سیاق الاعداد)

سجادؑ کے گلے میں تھا یوں طوق آہنی
لگتا ہے جس طرح سے گہن آفتاب میں
(تشبیہ)

کہتے ہیں دیکھ کر لب و دندان شہ کو لوگ
ثمرن دُر عدن کی ہے لعل یمن کے پاس
(تشبیہ متحرک، لف ونشر غیر مرتب)

بخشش و ہمت عطا و عدل و داد
ختم ہے آلِ رسول اللہؐ پر
(صنعت جمع)

کہتے تھے تھامے کمر لاشِ علمدار پہ شاہؑ
ہائے رستم مرا، حمزہ مرا، جعفر میرا
(صنعت تلمیح۔ صنعت تکرار۔ مرا)

سپاہ شام سے نکلا جو حُر تو بولے شاہؑ
وہ آفتاب درخشاں ہوا گہن سے جدا
(متحرک استعارہ)

بجز پنجتن کچھ نہیں نقش دل پر
ان اسموں کا گھر ہے نگینہ ہمارا

کیا قہر ہے امام کو پہنائیں بیڑیاں
حبل المتیں جو ہو وہ رسن میں بندھا رہے
(صنعت تلمیح)

چکی وہ پیسے خلق میں کیوں چرخ دانہ رو
خدمت گزار جس کی سدا آسیا رہے
(صنعت ابہام=آسیا، بمعنی چکی اور معزز خاتون۔ ترکیب جدید= چرخ ودانہ)

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں
ماتم سجادؑ میں بیمار ہوں
(صنعت مراعات النظیر)

شربت دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں بیمار ہوں
(صنعت مراعات النظیر)

صنعت تضاد:

شربت دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں بیمار ہوں
(مسیحا: بیمار۔ بیمار: دوا)
(مراعات النظیر۔ دوا۔ بیمار، شربت)

ع: تلخ کامی کے لیے شیریں زباں پیدا ہوئے
(تلخ۔ شیریں)

عالم پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

(رات۔سحر)

دکھایا ضعف نے زور اپنا جب مکاں سے چلے
مثال نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے

(ضعف۔زور)

(عمدہ مضمون، نادر خیال، حسنِ تعلیل، صنعت ایہام۔ جہاں، دنیا یا جس مقام سے
صنعتِ تضاد، ضعف، زور، صنعت معنی آفرینی اختراع جس میں مطلب استعارے سے لیا گیا)

محال ہے غلبہ اسفلوں کا اعلیٰ پر
زمیں کا زور بھلا خاک آسماں سے چلے

(اسفل: اعلیٰ۔ زمیں: آسماں)

نہ پھیلاؤ ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

(فقیری۔توان گر)

فقیری میں دل بادشا چاہیے
سلامی توکل سدا چاہیے

(فقیری: بادشا)

روتے ہنستے کٹ گئے دن زیست کے
رنج دیکھے شادمانی دیکھ لی

(روتے: ہنستے)

نیک بد ٹھہرے بُرے اچھے ہوئے
منصفوں کی قدر دانی دیکھ لی
(نیک:بد۔اچھے:بُرے)

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ چاہیے
(راحت:ایذا۔شکر:شکوہ)

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے
(بدر:ہلال۔تکرار:گھٹا گھٹا)

ندائی الفاظ کا عمدہ استعمال:

ع: دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے "واغربتا"
شور بختی آئی حصے میں انھیں کے وا نصیب

ع: موت آئی ہے بخیو "الفراق (الفراق)

تیری مدد کا فقط یا علیؑ بھروسا ہے
کسی کی آس نہیں وقتِ انتقال مجھے (یا علیؑ)

ع: اے وا اسفا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے (وا اسفا)

ع: بے سر ہوا امام زماں وا مصیبتا (وا مصیبتا)

ع: العطا اے تاجدار ھل اتیٰ (العطا)

ع: الحفیظ اے شہسوار لافتیٰ (الحفیظ)

ع: الاماں اے ضیغمِ ربِ علا (الاماں)

ع: الغیاث اے خسروِ خیبر کشا (الغیاث)

مثل اور کہاوتوں کے نمونے:

عربی کی ایک مشہور ضرب المثل ہے "المثل فی الکلام کالملح فی الطعام" یعنی مثل کہاوت روزمرہ کی گفتگو میں وہی اہمیت رکھتی ہے جو کھانے میں نمک کو حاصل ہے۔ میر انیسؔ کے اشعار کے بہت سے مصرعے ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ یہاں صرف سلاموں سے چند مصرعے نمونتاً پیش کرتے ہیں۔

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

ع: ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا

گندم گندم سے، جَو سے جَو ہے
کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

ع: بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

گھٹا زور مشق سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کردیا

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اے انیسؔ
پھر بھی دشمن کی نظر میں خار ہوں

سلاموں میں آرزوئے زیارتِ، کربلا و نجف:

ادھر سے کوشش کامل ہے اُس طرف سے کشش
انیسؔ ہم۔ نہ رہیں گے کہیں سوائے نجف

ہند میں ہوں پہ شب و روز دعا ہے یہ انیسؔ
قبر ہو متصل قبر معلائے حسینؑ

چلو کربلا بے تردد انیسؔ
پے کار خیر استخارا نہیں

روضے پہ جیتے جی جو نہ پہنچے تو بعد مرگ
جائے گی خاک اڑ کے نجف میں ہوا کے ساتھ

خاک سے ہے خاک کو الفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں، کربلا میرے لیے

روضۂ شاہؑ پہ اس جسم سے دم نکلے گا
نہیں مرنے کے سرہانے سے اجل جائے ابھی

انیسؔ بیچ کے جاں اپنی ہند سے نکلو
جو توشہ سفر کربلا نہیں رکھتے

کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریم ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

جو خضر بخت مجھے کربلا میں پہنچادے — نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے
اجل قریب ہے جلدی نجف میں پہنچادے — بس اے نصیب نہ اگلے برس پہ ٹال مجھے
زمین ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو — کرو نجف میں طلب یا ابا ترابؑ مجھے

پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہہ دیجیو انیسؔ — ہے وادی السلام میں بستر فقیر کا

کیا روضۂ سرور پہ انیسؔ آنکھوں کو ملتے — افسوس مزار شہؑ والا نہیں دیکھا

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں — یارب لحد انیسؔ کی ہو کفش کن کے پاس

دیکھیں گے ہم بھی روضۂ شبیرؑ کو انیسؔ — پہنچائے گا نصیب گر اس آستاں تلک

شام و سحر دعا ہے خدا سے یہی انیسؔ — ہوں خاک روضۂ خلف بوترابؑ میں

تربت سرورؑ پہ جا کر خاک ہوجاؤں انیسؔ — ہے زباں پر یہ دعا ہر دم خدا کے سامنے

در شہؑ پہ پہنچوگے تم بھی انیسؔ — طلب اُس طرف سے اگر ہوگئی

چل تو اب یاں سے سوئے روضۂ شبیرؑ انیسؔ — اُس کا گھر خلد میں ہے جس کے وہ در ہاتھ لگے

قسمت نے یاوری کی تو سن لیجیو انیسؔ — اک روز کربلا معلّٰی چلے گئے

مجرئی تب دل غم دیدہ کا ارمان نکلے — روضۂ شاہ جب تن سے مری جان نکلے

جبہ سائی در شبیرؑ کی ہوئے جو نصیب — تو یقیں ہے کہ جبیں رشک قمر ہوجائے

درد عصیاں کی دوا کچھ نہیں درکار انیسؔ — کربلا یاں سے گئے خاک شفا لے آئے

یارب ہو بیچ میں لحدِ ذاکر حسینؑ — ہو اس طرف نجف تو ادھر کربلا رہے

مجرئی جس نے مزار شہِ ذیشاں دیکھا
اس نے دنیا ہی میں بس روضۂ رضواں دیکھا

یہاں شاعر نے صنعت مشروط سے کام لیا ہے یعنی جس نے روضۂ امام حسینؑ دیکھا

اس نے اسی دنیا میں خلد بریں کا دیدار کیا۔ یہ امر شاعر کے عقیدہ میں صحیح ہے جو شاعری میں روا ہے۔

امام حسینؑ کے روضے کی زیارت میر انیسؔ کی دلی تمنا تھی چنانچہ جب بھی موقع پاتے خوبصورت شعر تخلیق کرتے اسی طرح حج اور روضۂ نبوی کی زیارت کی تمنا بھی دل میں موجیں مارتی رہی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اردو کے چار بڑے شعرا جن میں میر تقی میرؔ، غالبؔ، انیسؔ اور اقبالؔ شامل ہیں اسی آرزو میں آبدار اشعار اور دلی جذبات کا اظہار کرتے رہے اگرچہ انھیں جسمانی زیارت میسر نہ ہوئی لیکن روحانی زیارت وفیض ضرور حاصل ہوا ہوگا۔

انیسؔ کی آرزو اور نیا مضمون دیکھیے:

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیسؔ کی ہو کفش کن کے پاس

جہاں زائر اپنے جوتے اتار کر رکھتے ہیں اسی مقام پر انیسؔ اپنی آرام گاہ چاہتے ہیں۔ شعر میں یارب نے دعائیہ لہجہ دیا۔ صنعت مراعات النظیر میں سینے پاؤں کفش اور مرگ و لحد شامل ہیں۔

؎ انیسؔ فیض کا معدن ہے بارگاہ حسینؑ — صلے خدا کی عنایت سے بے حساب ملے
؎ کربلا کو ہند سے جاتے اگر ہم اے انیسؔ — شاد ہو جاتے وہ صحرائے منوّر دیکھ کر
؎ گھبرا رہی ہے ہند میں اب روح اے انیسؔ — چل کر بہار روضۂ شبیرؑ دیکھیے
؎ انیسؔ خستہ دل حق سے دعا کر ہاتھ پھیلا کر — محرم سے بلا روضے پہ اپنے پیشتر دولھا
؎ یارب دعا ہے تجھ سے یہ ہر دم انیسؔ کی — روضہ دکھا حسینؑ علیہ السلام کا
؎ مضطر ہے انیسؔ اب تو بہت آپ کا ہر دم — اس کو بھی زیارت کو بلاؤ علی اکبرؑ

سلاموں کے مضامین میں تعلّی کی چاشنی:

انیسؔ ہر عظیم شاعر کی طرح اپنے ایک تخلیقی شہ پارے سے کئی کام لیتے تھے۔ میر انیسؔ جس دور میں مرثیہ نگاری کر رہے تھے ان کے مدمقابل دوسرے عظیم مرثیہ نگار مرزا دبیرؔ موجود تھے چنانچہ ایسے اور دبیرے جو انیسؔ اور دبیرؔ کے پرستار تھے اپنے ممدوح کے ثناخواں ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے فنکار کے نکتہ چیں بھی تھے اور اس معاملے میں یہ دونوں گروہ انیسؔ اور دبیرؔ سے آگے بڑھے ہوئے تھے۔ اس معمولی چشمک کو بڑی بیہودہ بک بک بنا کر پوپ (Pope) سے زیادہ کیتھولک بن چکے تھے۔ ایسے ماحول میں ان مخالف گروہوں کو خاموش کرنے کے لیے دونوں اساتذہ نے تعلّی کے اشعار اپنے کلام میں پیش کیے جو سلام کے اشعار سے زیادہ مشہور ہوئے۔ میر انیسؔ کا ایک چھوٹی بحر میں اٹھارہ شعر پر مشتمل سلام ہے جس میں چار قطعہ بند اور چھ اشعار میر انیسؔ کے فن پر خود ان کا ریویو ہے جو بہت صحیح ہے۔

مری قدر کر اے زمین سخن
تجھے بات میں آسماں کردیا
سبک ہورہی تھی ترازوے شعر
مگر ہم نے پلّہ گراں کردیا
لکھی شۂ کے خال معنبر کی مدح
قلم نے ہمیں نکتہ داں کردیا
گھٹا فکر میں جسم مثلِ قلم
سراپا کو صرفِ زباں کردیا

نوآنجیوں نے تری اے انیسؔ
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کردیا
گھٹا زور مشق سخن بڑھ گئی
ضعیفی نے ہم کو جواں کردیا

ان اشعار میں عمدہ مضامین، سلاست، روانی کے ساتھ ساتھ صنعت تضاد سے خیال کی برجستگی اور خیال کی لطافت کو سنوارا گیا ہے۔ یہاں زمین آسمان، سبک گراں، گھٹا بڑھا اور ضعیف و جوان تضاد کی مثالیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ صنعت مراعات النظیر نادر تشبیہات اور تعلی کی ندرت موجود ہے۔

سلام کے چند منتخب شعر جن میں انیسؔ نے فن پر روشنی ڈالی ہے اور تعلی بھی کی ہے یہاں پیش کررہا ہوں۔

ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف — انیسؔ نظم غم شہؑ میں اک کتاب بنا
سجایا ہم نے مضامیں کے تازہ پھولوں سے — بسادیا ہے ان اجڑی ہوئی زمینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاقت کا — کسی کی طبع جو بڑھ کر مری زباں سے چلے
اگر میں نہیں یوسفؑ مصر معنی — تو کیوں چاہ سے قدرداں کھینچتے ہیں
ہوا سخن کے سبب شہر شہر میں شہرہ — جدھر قلم کی طرح ہم چلے زباں سے چلے
انیسؔ عمر بسر کردو خاکساری میں — کہیں نہ یہ کہ غلام ابوترابؑ نہ تھا

ابوتراب (مٹی کا باپ) کی نسبت خاکساری کا استعمال کیا ہے۔

پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ — جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا
پوچھئے اس سے کہ درد آمیز ہو جس کا کلام — بیت موزوں کوئی بے خونِ جگر ہوتی نہیں
زور سے، اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن — اور نیزہ ہاتھ میں، غیر از قلم رکھتے نہیں

؎ یہ دوات و خامہ ہے، ملکِ فصاحت کا نشاں کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

میر انیسؔ نے ان دونوں شعروں میں مطلب کو نئے شگفتہ استعاروں میں پیش کر کے اپنے زورِ قلم سے میدان سخن کو لے لیا ہے۔ یہاں "میدان لے لینا" محاورہ ہے۔ نیزہ کو قلم، دوات و خامہ کو طبل اور علم کہنا استعارہ کی معراج ہے۔ جب اس کو جدید ترکیب ملکِ فصاحت سے باندھا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے استعارے جو متحرک ہوتے ہیں۔ ان کے معانی کھلتے ہی جاتے ہیں۔ دوسرے شعروں میں صنعت لف و نشر مرتب یعنی دوات و خامہ اور طبل و علم ہے۔ دونوں شعروں میں صنعت تنسیق الصفات، (میدان، نیزہ، زور۔ طبل، علم، نشاں) صنعت مراعات النظیر (سخن، قلم، ہاتھ، زور۔ دوات، خامہ، فصاحت) اور صنعت جمع (دوات و قلم طبل و علم) بھی ہے۔

مثل بوئے گل سفر ہوگا مرا
وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں
سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اے انیسؔ
پھر بھی دشمن کی نظر میں خار ہوں

یہ شعر عمدہ معنی کا شاہکار ہے۔ اس میں "سوکھ کر کانٹا ہونا" اور "آنکھ میں خار ہونا" محاورہ ہیں۔ مصرعہ اول صنعت حُسن تعلیل ہے جہاں لاغری کو کانٹے سے مثال دی گئی ہے۔ صنعت ترجمہ میں کانٹا اور خار کا التزام ہے۔

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں ہمدمو، میں تیغ جوہر دار ہوں
دیکھ کر پستی ملا ہے مجھ کو اوج گر کے جو اٹھتی ہے وہ دیوار ہوں

یہ کمال کا شعر ہے مضمون نادر، تشبیہ عمدہ، حقیقت کے تجربوں سے بھرپور اور سچا شعر ہے۔ فارسی اور اردو کے شاعروں نے گرتی ہوئی دیوار کے مضمون سے استفادہ کیا لیکن میر صاحب نے تخیل فکری سے اسے نادر بنا دیا۔

ہوا سخن کے سبب شہر شہر میں شہرہ
جدھر قلم کی طرح ہم چلے زباں سے چلے

(صنعت تجنیس، شہر، شہر، صنعت تکرار۔ صنعت شہر شہر حسن تعلیل میں دوسرا مصرعہ ہے۔ یعنی قلم کی زباں اسی طرف چلتی ہے جہاں جہاں قلم چلتا ہے چنانچہ انیس بھی اپنے کلام کی وجہ سے اپنی زبان دانی کی وجہ سے سارے جہاں میں رواں دواں ہیں۔ صنعت مراعات النظیر میں سخن، قلم ہے)

اے سخن نور کا سانچہ ہے طبیعت میری
کوئی کاواک بھی مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

میر انیسؔ سلام کے مقطعوں میں اپنے فن پر ریویو کرنے کے علاوہ تعلّی کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ شاعر کا یہ حق ہے جس طرح ایک سپاہی میدانِ جنگ میں رجز پڑھتا ہے اور اپنی بہادری کے داؤ پیچ دکھاتا ہے۔ چند مقطعے یہاں پیش کرتے ہیں۔

ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف	انیسؔ نظم غم شہ میں ایک کتاب بنا
نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ	ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا
پنجتنؑ کا واسطہ دے کر انیسؔ	جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا

فکر کا ہے کی ہے کیا دنیا سے جاؤ گے انیسؔ
اپنا توشہ لے کر دستر خوان شاہنشاہ پر

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھو گے انیسؔ
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس وقلم رکھتے نہیں

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں پر انیسؔ
آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

بہتا ہے انیسؔ خونِ انصاف
مضموں مرے قتل ہو رہے ہیں

انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیت قلم کی عناں کھینچتے ہیں

نظم ہے یہ یا در شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

انیسؔ اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں
رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

دعا کر یہ خالق سے ہردم انیسؔ
مجھے شہ سے اس کا صلا چاہیے

اٹھ گیا لو شعر تو پڑھ کر انیسؔ
کیوں طبیعت کی روانی دیکھ لی

کیا بیاں ہو سکتی ہے شہ کی مصیبت اے انیسؔ
جب پڑھے ہم نے مصائب غم کے دفتر کھل گئے

اللہ کیا نمک ہے کلام انیسؔ میں
دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

فیضِ غم حسینؑ سے ہوتے ہیں اے انیسؔ
پنجتنؑ حامی ہیں اللہ ہے سر پر میرا

صدفِ طبع سے گو ہر تو اگلتا ہے انیسؔ
قدر داں ہوتا تو منہ موتیوں سے بھر دیتا

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

ایسا سلام نظم کیا تو نے اے انیسؔ
جو اہلِ فہم اس کو سنے وہ اچھل پڑے

سلاموں کے مقطعوں میں مناجاتی مضامین:

یا علیؑ حق میں انیسؔ زار کے کیجے دعا
میرے مولا اب کسی صورت بسر ہوتی نہیں

بھری ہے کون سی یارب دل انیسؔ میں آگ
کہ جس کی آنچ سے دوزخ کباب رہتا ہے

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

کیسے ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیسؔ
کس نے شبیرؑ سا آقائے غریباں دیکھا

روز شمار سے تو ہراساں ہے کیوں انیسؔ
آقا ترا تو شافع یوم الحساب ہے

ہوتی ہے جو مشکل تو انیسؔ جگر افگار
کرتے ہیں مدد حضرت شبیرؑ ہماری

خبر لینا انیسؔ زار کی یا احمد مرسلؐ
تمھاری آل کا مدّاح ہے سید ہے ذاکر ہے

اے انیسؔ اپنی خوشی بس ہے یہی حشر کے دن
میں بھی اُس جا ہوں جہاں پر مرا آقا ہوئے

شاہ پر چھوڑ کے گھر بار فدا ہوں جو انیسؔ
ان کا کیوں کر دل زہراؑ میں نہ گھر ہو جائے

آرزو یہ ہے کہ ہنگامہ محشر میں انیسؔ
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبرؐ چھوٹے

مدّاح ہے جو سبطِ پیمبرؐ کا اے انیسؔ
بے شبہ اس کی خلد بریں تک رسائی ہے

آپ کا مدّاح احقر ہے انیسؔ
سب ثنا خوانوں میں کم تر ہے انیسؔ

عاجز و حیران و مضطر ہے انیسؔ
بندہ سلمان و قنبر ہے انیسؔ

اب مدد کیجے دم امداد ہے
یا امیر المومنین فریاد ہے

انیسؔ آچکے تھے تہِ تیغ مرگ
پہ مومنوں کی دعا ہوگئی

جو ہوا بیمار اندوہ شہ دیں اے انیسؔ
اوج اصحاب مسیح اس کو میسر ہوگیا

انیسؔ آپ کا ہے تہی دست کب سے
ملے یا حسینؑ اب مہینہ ہمارا

کیا خوف ہے محشر کا انیسؔ جگر افگار
اب نام غلام شہ والا ہے ہمارا

اس کا ادائے شکر ہو کس طرح سے انیسؔ
جس نے اٹھا کے خاک سے انساں بنا دیا

دیر اس کے کرم کی ہے انیسؔ جگر افگار
ادنیٰ ابھی ہو جاتا ہے اعلیٰ کے برابر

ہو جائے غرق جوئے خجالت میں اے انیسؔ
دیکھے اگر سحاب مری چشم نم کی شان

کیوں کر گناہ گاروں کی ہو مغفرت انیس
حامی جو روز حشر شہؑ بحر و بر نہ ہو

حق تعالیٰ سے یہی میری تمنا ہے انیسؔ
حشر کے دن بھی ہوں میں حضرت شبیرؑ کے ساتھ

جائے گا تو انیسؔ مقرر بہشت میں
سن لیجیو کے حیدر کرارؑ لے گئے

گر مسیح دو جہاں کا ہوا افضال انیسؔ
اچھے یوں ہوئیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

انیسؔ خستہ دل حق سے دعا کر ہاتھ پھیلا کر
محرم سے بلا روضے پہ اپنے پیشتر دولھا

یارب دعا ہے تجھ سے یہ ہردم انیسؔ کی
روضہ دکھا حسین علیہ السلام کا

مضطر ہے انیسؔ اب تو بہت آپ کا ہردم
اس کو بھی زیارت کو بلاؤ علی اکبرؑ

سلاموں کے مقطعوں میں منزل قبر شفاعت اور اعمال:

قافلہ منزل پہ جا پہنچا انیسؔ
بے خبر اب تک تو سوتا ہی رہا

سوؤ گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیسؔ اٹھو کارواں روانہ ہوا

کوئی بھی سوتا ہے پیری میں اس طرح غافل
اٹھو انیسؔ اٹھو سر پہ آفتاب آیا

ہم مر گئے خلیقؔ کے مرنے سے اے انیسؔ
جینے کا لطف اٹھ گیا اس باخدا کے ساتھ

احتیاط جسم کیا انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مشت استخواں پیدا ہوئے

عالم پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے سحر کو سو گئے

مرقد چراغ داغ سے روشن رہے انیسؔ
شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

انیسؔ بار علائق پہ اور بار گناہ
اٹھا وہ بوجھ جو اس مشت استخواں سے چلے

انیسؔ اللہ تجھ پر سہل کردے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل دھڑکتا ہے

اندھیری قبر میں مشکل انیسؔ کو ہے بہت
دکھاؤ یا علیؑ اب چاند سا جمال مجھے

ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عمل نیک انیسؔ
اس پہ انسان کو ہے خواہش دنیا کیا کیا

کیے جو آ کے نکیرین نے سوال انیسؔ
بتا دیے مرے مولاؑ نے سب جواب مجھے

فشار قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیسؔ
رہے نہ ضرّۂ خاک شفا کفن سے جدا

انیسؔ آخر نہ دولت کام آئی اہل دولت کے
بجز نقد تہی دستی نہ کچھ وقت اجل پایا

کام عقبیٰ کا نہ کچھ کر چلے دنیا میں انیسؔ
ہائے کیا عمر کو غفلت میں گنوایا میں نے

سلاموں کے مقطعوں میں ذاتیات اور اخلاقیات:

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

انیسؔ عمر بسر کردو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلام ابو ترابؑ نہ تھا

جھک کے دشمن سے بھی ملتا ہے انیسؔ
نہ کٹے جو یہ وہ تلوار نہیں

انیسؔ مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو
اسی زمین کو ہم فرش خواب سمجھے ہیں

توقع جن سے تھی وہ لوگ مطلب آشنا نکلے
انیسؔ افسوس ہم بھی کیا بری تقدیر رکھتے ہیں

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

فصل پیری میں ہوس دنیا کی توبہ کر انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیسؔ
انقلاب فلک پہ مکرّر دیکھا

اہل دولت سے نہیں مطلب انیسؔ
یاں توکل ہے سدا اللہ پہ

خدا بات رکھتے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

چین کچھ ہوئے تو ہو عالم باقی میں انیسؔ
راحت اس منزل فانی میں ہے مشکل پانی

□□□

سلام

maablib.org

۱

اسی کا نُور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا — اُسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا
علیؑ کو حق نے اُتارا تو عین کعبے میں — کھُلی جو آنکھ تو پہلے خدا کا گھر دیکھا
ہمیشہ فرشِ مشجر پہ جو کہ بیٹھتے تھے — نہ اُن کی قبر پہ بھی سایۂ شجر دیکھا
مقام کس کا ہوا اس سرائے فانی میں — ہمیشہ ایک کے بعد ایک کا سفر دیکھا
خدا نے گھر کو بنایا تھا جس کے خانۂ فیض — اُسی کی آل کو خلقت نے در بدر دیکھا
مثالِ شاخ جھکے جب تو ہم پھلے پھولے — نہالِ عجز لگا کر عجب ثمر دیکھا
یقیں ہوا اُسے ہے آفتاب پر شبنم — رُخِ حسینؑ کو جس نے عرق میں تر دیکھا
خوشا رواقِ علمدار و روضۂ شبیرؑ — خدا کے نُور کا جلوہ اِدھر اُدھر دیکھا
وہ کیا مزا ہے خوشا لذّتِ زیارتِ شاہ — کہ زائروں کو ترپتے ہی عمر بھر دیکھا
پڑا جو عکسِ رُخِ شاہ، چرخ پر سرِ شام — فلک نے صبح تک آئینۂ قمر دیکھا
بروزِ عید بھی آیا جو کوئی ملنے کو — غمِ حسینؑ میں عابدؑ کو نوحہ گر دیکھا
زہے کرم، کوئی خالی نہ پھر کے گھر آیا — بس اک جہاں میں جو دیکھا علیؑ کا گھر دیکھا
سحر ہوئی شبِ معراج کی تو لوگوں نے — جمالِ پاکِ رُخِ سیّد البشر دیکھا

کہا یہ سب نے غلاموں سے کیجیے ارشاد جو کچھ حضور نے یا شاہِ بحر و بر دیکھا
گہر فشاں ہوئے لعلِ لبِ رسولِ کریم کہ سب سے رُتبۂ حیدرؑ زیادہ تر دیکھا
ورائے کرسیٔ و عرشِ عظیم و لوح و قلم وصی کا نُور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
کہاں تلک کہوں نکلا جو ہاتھ پردے سے تو صاف دستِ یداللہ نامور دیکھا
ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہنچا علیؑ علیؑ نظر آئے جدھر جدھر دیکھا
قریب قبر ہم آئے کہاں کہاں پھر کر تمام عمر ہوئی جب تو اپنا گھر دیکھا
جو کچھ تھا رزقِ مقدر ملا وہ گھر بیٹھے ہزار شکر نہ ہم نے کسی کا در دیکھا

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ
عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

□□□

maablib.org

۲

پڑا جو عکس تو ذرّہ بھی آفتاب بنا
خدا کے نور سے جسمِ ابو تراب بنا

بنائے روضۂ سرور جو کربلا میں ہوئی
ملک پکارے کہ اب خُلد کا جواب بنا

جو آبرو کا ہے طالب تو کر عرق ریزی
یہ کشمکش ہوئی تب پھول سے گلاب بنا

مرے گناہوں کے دفتر کی اَبتری کے لئے
نئے سیاق سے بگڑا ہوا حساب بنا

عمارتیں تو بنائیں خراب ہونے کو
اب اپنی قبر بھی او خانماں خراب بنا

یہ مشتعل ہوئی سینے میں آتشِ غمِ شاہ
کہ آہ سیخ بنی اور جگر کباب بنا

یہ غل تھا دیکھ کے دولھا دُلھن کو خیمے میں
جو بے عدیل بنی ہے تو لاجواب بنا

ہُوا یہ کیوں ہیں تنک مایگانِ بحرِ فنا
جو بڑھ گیا کوئی قطرہ تو وہ حباب بنا

فلک پہ نالۂ سوزاں نے آگ بھڑکائی
دھواں جو آہ کا نکلا مری سحاب بنا

ترے سلام میں ہے مرثیے کا سارا لطف
انیسؔ نظمِ غمِ شہ میں اک کتاب بنا

۳

دل سیر ہے گدائے جنابِ امیرؑ کا — خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا

مطلب یہی ہے ہاتھ کی ہر اک لکیر کا — دامن نہ چھٹنے پائے جناب امیرؑ کا

کیا پوچھتے ہو نام مرے دستگیر کا — بازو نبیؐ کا، ہاتھ خدائے قدیر کا

حافظ اگر ہو عدل جنابِ امیرؑ کا — شعلہ پہن لے جسم میں کرتہ حریر کا

تھا حق پسند فقر جنابِ امیرؑ کا — اب تک ہے مسجدوں میں بچھونا حصیر کا

عاشق ہوں روئے پاکِ جناب امیرؑ کا — کعبے کی سرزمیں پہ ہے بستر فقیر کا

کرسی نبیؐ کی، عرش جنابِ امیرؑ کا — وہ شاہ کی جگہ، یہ محل ہے وزیر کا

کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا — شیشہ بغل میں ہے مئے خُمِ غدیر کا

گلشن میں سُن کے زمزمہ پردازیاں مری — دم بند ہوگیا ہے مرے ہمصفیر کا

معصوم سب ہیں جوشنِ بازوئے مصطفیٰ — یاں ایک مرتبہ ہے صغیر و کبیر کا

خیبر کا در اکھاڑ لے وہ جلِّ شانہ — ٹکڑا نمک سے کھائے جو نانِ شعیر کا

پیاسا ہوں ساقیا مئے کوثر کا، خُم کی خیر — بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

احسانِ بوتراب کا گردن پہ بوجھ ہے — سرکس طرح جھکا نہ رہے چرخِ پیر کا

اشکوں سے سب بھگو دے مجھے اے فراتِ چشم — عادی ہوں میں طہارتِ آبِ کثیر کا

دستِ خیالِ حور نہ پہنچا کبھی جہاں
اس دوش پر تھا پاؤں مرے دستگیر کا

پیری تو آچکی ہے مگر مہلت اے اجل
کرلوں طواف قبرِ جنابِ امیرؑ کا

حکمِ خدا سے قاسمِ ارزاقِ خلق ہیں
سب ہاتھ دیکھتے ہیں مرے دستگیر کا

سبطینِ مصطفیٰؐ کو سمجھتے ہیں جو شنین
تیغوں میں ہے یہ حرز صغیر و کبیرؑ کا

مومن دلوں میں سوچ لیں پردے کی بات ہے
نکلا کہاں سے ہاتھ جنابِ امیرؑ کا

کیا رحم تھا کہ شیرِ الٰہی نے رو دیا
جب آگیا خیال یتیم و اسیر کا

اُس کے پسر کو پانی کا قطرہ ملے نہ ہائے
قاتل کو جس نے بھیج دیا جام شیر کا

جب مرگئے علیؑ تو مدینے میں شور تھا
آج اٹھ گیا شفیق، یتیم و اسیر کا

حیدرؑ کے حلم و رحم پر رونے لگے حسینؑ
کاسہ دیا جو آپ نے قاتل کو شیر کا

پوچھے کوئی پتہ تو یہ کہہ دیجیو انیسؔ
ہے وادیٔ السلام میں بستر فقیر کا

□□□

maablib.org

(۴)

غم شہ کا جس نے بیاں کردیا — ان آنکھوں نے دریا رواں کردیا
گھٹا زور مشقِ سخن بڑھ گئی — ضعیفی نے ہم کو جواں کردیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر — مگر ہم نے پلّہ گراں کردیا
مری قدر کر اے زمینِ سخن — تجھے بات میں آسماں کردیا
نہ دیکھی گئی شہ سے اصغرؑ کی لاش — زمیں میں پسر کو نہاں کر دیا
نہ کی آہ کچھ عمرِ رفتہ کی قدر — عجب جنس کو رائیگاں کردیا
لکھی شہ کے خالِ معنبر کی مدح — قلم نے ہمیں نکتہ داں کردیا
فلک سے ہوا کب مرا کام سہل — مگر ہاں جنازہ رواں کردیا
پھڑکتا ہے کیوں اتنا اے مرغِ روح — مقدر نے ویراں مکاں کردیا
نشیمن بھی دے گا وہ فردوس میں — تجھے جس نے بے خانماں کردیا
زہے شفقتِ سبطِ خیر الوریٰ — عجب رُحمہ میہماں کردیا
کوئی جانتا بھی نہ تھا حُر کا حال — اسے دم میں جانِ جہاں کردیا
کہاں ایک ذرّہ، کہاں آفتاب — خدا نے کسے مہرباں کردیا
ہوئے دفن اکبرؑ تو چلّائی ماں — اجل نے زمیں میں نہاں کردیا

اچھانے لگے ہم سے منہ قبر میں انھیں جب خدا نے جواں کردیا
جو پوچھی علمدار نے جائے قبر ترائی میں شہ نے نشاں کردیا

نواسنجیوں نے تری اے انیسؔ
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کردیا

□□□

۵

گزر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا
مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا

نمود و بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا

فشار سے جو بچا میں ہوا زمیں کو عجب
صدا یہ قبر نے دی حکمِ بوتراب نہ تھا

اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم
تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا

نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک
ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی، شباب نہ تھا

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجت، سوالِ آب نہ تھا

جسے نبیؐ نے بلایا، ہوا وہ نخل نہال
ثمر اُسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا

حضورِ شاہ پھر آیا کہاں سے حرؑ شہید
خطا کی راہ میں گر جادۂ صواب نہ تھا

علیؑ کے پائے مبارک نے جو ضیا پائی
وہ نور حضرتِ موسیٰؑ کو دستیاب نہ تھا

ہر اک کے ساتھ ہے روشن دلو! طلوع و غروب
سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا

فقط حسینؑ کے بچوں پہ بند تھا پانی
بہت قریب تھی وہ نہر، قحطِ آب نہ تھا

ہوئے تھے خشک یہ صحرا کے نخل گرمی سے
ثری کلی میں نہ تھی، پھول میں گلاب نہ تھا

ہزار ہاتھ کیے تھے عطا یداللہ نے
شمارِ خیر نہ تھا، جود کا حساب نہ تھا

ثمر شجر کو دیا، گل کو زر، صدف کو گہر
وہ کون تھا کہ علیؑ سے جو فیض یاب نہ تھا

ہوا تھا پیاسوں کے حق میں یہ آسمان بخیل
کہ مینہ کا ذکر تو کیا پارۂ سحاب نہ تھا

یزید تخت پہ تھا اور تلے امام کا سر
شقی کو روح پیمبرؐ سے کچھ حجاب نہ تھا

فراقِ شاہ میں صغرؑا کو نیند کیا آتی
وہ شب تھی کون سی جو دل کو اضطراب نہ تھا

ہر اک سحر کو یہ کہتی تھی اٹھ کے نانی سے
مدینہ دور نہ تھا بند خط کا باب نہ تھا

بھلا پیام زبانی تو بھیجتے بابا
اگر مریض کا خط قابلِ جواب نہ تھا

ملک یہ کہتے ہیں منہ پر چھڑک کے حوروں کے
کہ رونے والوں کے آنسو تھے یہ گلاب نہ تھا

زہے رسولؐ، زہے قرب اور خوشا معراج
وہاں گئے کہ فرشتہ بھی باریاب نہ تھا

اُدھر تھی ذاتِ خدا اور اِدھر رسولؐ خدا
بغیر آنکھ کے پردے کے کچھ حجاب نہ تھا

کتابِ کفر کا کاٹا علیؑ نے شیرازہ
کسی کی فصل نہ تھی اور کسی کا باب نہ تھا

انیسؔ عمر بسر کردو خاکساری میں
کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوترابؑ نہ تھا

□□□

maablib.org

۶

علیؑ سا بھی نہ کوئی عادل زمانہ ہوا
کہ ایک بازوِ کبوتر کا آشیانہ ہوا

سیاہ دیدۂ شبیرؑ میں زمانہ ہوا
ہوائے ظلم سے جب گل چراغ خانہ ہوا

امیر جس درِ دولت پہ اک زمانہ ہوا
وہ گھر اجڑ گیا، غارت وہ کارخانہ ہوا

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

یہ انقلاب غضب کا ہے یا علیؑ فریاد
کہ مسجدیں تھیں جہاں واں شراب خانہ ہوا

حسینؑ نے کبھی شکوہ کیا نہ امت کا
گلہ ہوا بھی کسی سے تو دوستانہ ہوا

بچھا ہے قاف سے تا قاف جس کا خوانِ کرم
نصیب اُسے کئی دن تک نہ آب و دانہ ہوا

شب ۔ تھا کہ دمِ واپسیں کی آمد و شد
یہ مضطرب اِدھر آیا اُدھر روانہ ہوا

جو زندہ ۔ پھرتے ہیں قبروں پہ کہتے ہیں مردے
کہ ہم بھی پھرتے تھے یونہی اسے زمانہ ہوا

اندھیری قبر تھی اور میں تھا یا علیؑ ولی
حضور آئے تو روشن سیاہ خانہ ہوا

گرائی برق اُسی پر فلک نے یا تقدیر
جو کھیت میں مری قسمت کا ایک دانہ ہوا

لحد یہ کہتی ہے میت سے اب ہے تو اور میں
جو ساتھ آیا تھا وہ قافلہ روانہ ہوا

کیا قبول قناعت سے بحرِ عالم میں
صدف کی طرح میسر جو آب و دانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسوئے پیچ دارِ حسینؑ
تو ذوالجناح یہ سمجھا کہ تازیانہ ہوا

کشاں کشاں مجھے جانا پڑا وہاں آخر — جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا
سحاب سائے میں رکھتا تھا جس کے نانا کو — لحد کو اس کی میسر نہ شامیانہ ہوا
لگا کے بچے کو اک تیر حرملہ نے کہا — یہ کام مجھ سے دمِ جنگ رستمانہ ہوا
پکارے شاہ کہ اس دردِ دل کو مجھ سے پوچھ — خبر ہے کیا تجھے کس کا جگر نشانہ ہوا
وہ زُلف چوبِ سناں میں بندھی ہزار افسوس — نبیؐ کے پنجۂ مژگاں سے جس میں شانہ ہوا
دلہن کو دیکے سدھارے تھے آستیں جس کی — کفن بنے گا وہی خلعتِ شہانہ ہوا
ملا نہ اصغرؑ ناداں کو جام پانی کا — صُراحی دار گلا تیر کا نشانہ ہوا
رہا نہ کوئی بشر میں ظہر تک باقی — حسینؑ رہ گئے سب کارواں روانہ ہوا
فراقِ شہ کا نہ صدمہ اٹھا سکینہؑ سے — قلق سے جان گئی موت کا بہانہ ہوا

بھٹک کے راہ سے پیچھے کہیں نہ رہ جاؤ
اٹھو انیسؔ اٹھو کارواں روانہ ہوا

□□□

maablib.org

ے

صبر کرتے تھے سلامی شہِ والا کیا کیا
اہلِ کیں دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

بانوؔ کہتی تھی کہ سہرا بھی نہ دیکھا افسوس
تھی مجھے بیاہ کی اکبرؑ کے تمنا کیا کیا

تیر کھاتے ہی گلے میں جو دم اصغرؑ کا رُکا
شاہ کے ہاتھوں پہ تڑپا ہے وہ بچہ کیا کیا

دیکھتا جو سرِ قاسمؑ کو وہ کہتا رو رو
حسرتیں لے گیا دنیا سے یہ دولھا کیا کیا

لاشِ عباسؑ پہ آنے جو نہ دیتے تھے عدو
تشنہ لب شاہ لڑے ہیں لبِ دریا کیا کیا

منع رونے کو جو کرتا تو یہ کہتے سجادؑ
کیوں نہ روؤں ستم ان آنکھوں نے دیکھا کیا کیا

بانو کہتی تھی تصور میں علی اصغرؑ کے
دودھ بن تڑپا ہے ہے ہے مرا بچہ کیا کیا

پانی دو دن نہ ملا، تیر گلے پر کھایا
اتنی سی زندگی میں سہہ گئے ایذا کیا کیا

شاہِ دیں کے حرم آئے تھے وطن میں جس دم
خاک پر پیٹ کے سر روتی تھی صغراؑ کیا کیا

اور ایک ایک سے کہتی تھی بتاؤ لوگو
کہہ گئے ہیں مجھے مرتے ہوئے بابا کیا کیا

دیکھ کر ہاتھ کٹے باپ کے عابدؑ نے کہا
بعد مرنے کے بھی پہنچی تمھیں ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہیں ملتا ہم کو
سامنے آنکھوں کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سینۂ شہ سے نہ بے ذبح کیے اترا شمر
گرد بیٹے کے تڑپتی رہی زہراؑ کیا کیا

دشتِ پُرخار سے جاتے تھے جو پیدل سجاد
پھوٹ کر روتا تھا ہر آبلۂ پا کیا کیا

لاشِ اصغرؑ پہ کہا باقرؑ نے اماں صدقے — ننھی سی جان پہ گزری کہو بیٹا کیا کیا
سرِ شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ — رنج دیتے ہیں مجھے راہ میں اعدا کیا کیا
طوق و زنجیر سنبھالوں کہ مہار اونٹوں کی — کام اتنے ہیں کروں میں تنِ تنہا کیا کیا
دھوپ میں لاش جلی ہاتھ کٹے پہنچوں سے — بعد مردن بھی ملی شاہ کو ایذا کیا کیا
شاہ کہتے تھے سکینہؑ سے مرے مرنے کے بعد — کیا کہوں تم پہ ستم ہوئیں گے بیٹا کیا کیا
دفن کا لاشۂ شبیرؑ کے جب وقت آیا — دفعتاً ہوگئے اسباب مہیاّ کیا کیا
باغ میں دیکھتے جب سرو کو عابدؑ کہتے — کٹ گئے تیغِ ستم سے قدِ رعنا کیا کیا
سر جھکا لیتی تھی صغراؑ کوئی کہتا تھا اگر — کہو کوفے سے پدر نے تمھیں بھیجا کیا کیا
قید خانے میں سکینہؑ کو جو یاد آئے پدر — رات بھر سینے میں دل ننھا سا تڑپا کیا کیا
دیکھا مرنے پہ کمر باندھتے جب بابا کو — سر اُٹھا تکیے پہ سجادؑ نے پٹکا کیا کیا
باقرؑ کہتی تھی اب آکر مجھے سمجھاتے نہیں — یاد مادر تری باتیں کرے بیٹا کیا کیا
رو رو کہتی تھی صغراؑ کہ کہے جا قاصد — تو نے کیا کیا کہا اور بابا نے پوچھا کیا کیا
بولے عابدؑ خبرِ قتلِ عزیزاں سنکر — اپنی بیماری کا ہوتا ہے مداوا کیا کیا
خط لیے لاشۂ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امامؑ — دیکھو بیٹا تمھیں صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا
دیکھ کر فوجِ حسینؑ کو عدو کہتے تھے — ساتھ لائے ہیں جواں سیدؑ والا کیا کیا
باندھے صف دانۂ تسبیح سے ہیں بعدِ امامؑ — رفقائے شہِ مظلوم ہیں دانا کیا کیا

ساتھ جاتا نہیں کچھ جز عملِ نیک انیسؔ
اس پہ انسان کو ہے خواہشِ دنیا کیا کیا

□□□

۸

بیکسی کا شہ کی چرچا رہ گیا　　مجرئی مہمان پیاسا رہ گیا
دیر آئے پر یہ جلد آئے رسولؐ　　دُور لاکھوں کوس سایہ رہ گیا
اللہ اللہ قربِ معراجِ رسولؐ　　دو کماں سے فرق ادنیٰ رہ گیا
اُٹھ گئے مابَین سے سارے حجاب　　بس فقط آنکھوں کا پردہ رہ گیا
جب گسستہ ہوگیا تارِ نفس　　کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا
کاتبِ اعمال بھی رخصت ہوئے　　ہائے میں غربت میں تنہا رہ گیا
قبر میں ہوگا حسابِ زندگی　　بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
شست وشو سے گو ہوا اُجلا رذیل　　جامۂ اصلی میں دھبہ رہ گیا
جب ہوئی بے پردہ اولادِ رسولؐ　　پھر جہاں میں کس کا پردہ رہ گیا
قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست　　میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا
فیض تھا بے پردگی میں آل کی　　ہم گنہگاروں کا پردہ رہ گیا
کور ہوتیں اس کا جلوہ دیکھ کر　　شکر ہے آنکھوں کا پردہ رہ گیا
ظہر تک سب فوج پہنچی خلد میں　　صاحبِ لشکر اکیلا رہ گیا
سب ہوئے سیراب تجھ سے اے فرات　　قافلہ یثرب کا پیاسا رہ گیا

تیری سختی پہ فلک پتھر پڑیں چور ہو کر دل کا شیشہ رہ گیا
زخم کھاتے ہی جو اکبرؑ گر پڑے چھد کے برچھی میں کلیجا رہ گیا
کہتی تھی ماں سوئے اصغرؑ قبر میں ہائے خالی ان کا جھولا رہ گیا
کس کو اب پہنائے مادر دل جلی چل بسے وہ یہ شلوکہ رہ گیا
اس قدر تھا خشک حضرت کا گلا خنجرِ قاتل بھی پیاسا رہ گیا
ڈگمگا کر جب گرے گھوڑے سے شاہ کانپ کر عرشِ معلّٰی رہ گیا

سوؤ گے کب تک بس اب اٹھو انیسؔ
دن بہت غفلت میں تھوڑا رہ گیا

□□□

۹

گھر سے جب زوّار دو منزل گیا　　مجرئی جنت کا رستہ مل گیا
کیا شہادت کی خوشی تھی شاہ کو　　زخم جو کھایا بدن پر کھل گیا
سینۂ اکبرؑ پہ واں برچھی لگی　　گھر میں یاں ماں کا کلیجا ہل گیا
تھے علی اکبرؑ عجب رشکِ چمن　　کربلا کو لطفِ جنت مل گیا
بات کی جب، پھول منہ سے جھڑ پڑے　　مسکرائے جب، تو غنچہ کھل گیا
شہسوارِ دوشِ احمدؐ کا پسر　　قید میں پیدل کئی منزل گیا
بیڑیوں سے پنڈلیاں زخمی ہوئیں　　طوق سے نازک گلا چھل چھل گیا
روئے آسائش نہ دیکھا عمر بھر　　جو گیا دنیا سے وہ بے دل گیا
قہرِ حق تھا غیظِ عباسؑ علیؑ　　شیر کے نعروں سے جنگل ہل گیا
کہتے تھے شہ مل گئے ہم خاک میں　　اے فلک بتلا تجھے کیا مل گیا
شکرِ اللہ تخت پر بیٹھے علیؑ　　جلوہ فرما حق ہوا، باطل گیا
پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ
جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا

□□□

۱۰

حسینؑ یوں ہوئے اے ہجریٔ وطن سے جدا
کہ جیسے بلبلِ ناشاد ہو چمن سے جدا

جناں میں پائیں گے گھر اہلِ بیتؑ کے مدّاح
صلہ خدا سے جدا لیں گے، پنجتنؑ سے جدا

پھنسے ہوئے تھے بلاؤں میں سید سجاد
چھلی تھی طوق سے گردن جدا، رسن سے جدا

گلے میں دیکھ کے طوق جدید کہتے لوگ
یہ آفتاب کہیں جلد ہو گہن سے جدا

وطن میں پھر کے سفر سے نہ جیتے جی آئے
عجب گھڑی تھی کہ اکبرؑ ہوئے بہن سے جدا

جہاں سے اٹھ گئے حسرت بھرے بنے قاسمؑ
جہاں میں کوئی بھی دولھا نہ ہو دلھن سے جدا

گھرے رہے شہِ والا ستم کے نیزوں میں
نہ آفتاب ہوا دوپہر گہن سے جدا

گھڑک کے شمرِ لعیں گر نہ کھینچتا بازو
سکینہؑ ہوتی نہ لاشِ شہِ زمن سے جدا

حرم میں شور ہوا شمر نے کہا جس دم
کہ باندھو بازوئے زینبؑ کو اک رسن سے جدا

شہیدِ ظلم ہیں دونوں نبیؐ کے لختِ جگر
غمِ حسینؑ نہیں ماتمِ حسنؑ سے جدا

نکالا گردنِ اصغرؑ سے تیر جب شہ نے
گلے سے بہنے لگا خوں جدا، دہن سے جدا

سحر سے ظہر تلک کربلا میں جنگ ہوئی
سرِ حسینؑ ہوا وقتِ عصر تن سے جدا

سپاہ شام نے نکلا جو حُر تو بولے ملک
وہ آفتاب درخشاں ہوا گہن سے جدا

سکینہؑ مر گئی قیدِ ستم میں گھٹ گھٹ کر
مگر نہ چاندی سی گردن ہوئی رسن سے جدا

رسولِ حق کو نواسے سے یہ محبت تھی کہ منہ نہ کرتے تھے شبیرؑ کے دہن سے جدا

زمیں پہ گر کے پکارے شہِ اُمم ہیہات نظر جو آگئے بھائی کے ساتھ تن سے جدا

کڑی ہے مرگ کی منزل مسافرو ہشیار کھلے گا حال یہ جب روح ہوگی تن سے جدا

فشارِ قبر کا گر خوف ہے تجھے تو انیسؔ
رہے نہ سرمۂ خاکِ شفا کفن سے جدا

□□□

maablib.org

۱۱

اے مجرئیؔ ہے سب کا مقدر جدا جدا
رُتبے میں ہیں گدا و تونگر جدا جدا

کیا کیا لڑے تھے رن میں بہتّر[۷۲] جدا جدا
مجرائی شہ پہ صدقے کئے سر جدا جدا

کہتے ہیں جمع کرکے ملک اشکِ مومنیں
شیشوں میں رکھتے جاؤ یہ گوہر جدا جدا

رن میں ہر اک نے ابنِ شہِ ذوالفقار کو
دکھلائے اپنی تیغ کے جوہر جدا جدا

آتے جراحتِ تنِ سرور شمار میں
ہوتے جو زخمِ نیزہ و خنجر جدا جدا

سب منزلِ جہاں میں مسافر عدم کے ہیں
سب کا وطن ہے ایک ہی اور گھر جدا جدا

مقتل سے شہر شہر گئے طائرانِ دشت
سبطِ نبیؐ کے خون میں بھر کر جدا جدا

اس طرح سر شہیدوں کے تھے شہ کے سر کے ساتھ
جس طرح ہوئیں ماہ سے اختر جدا جدا

بہرِ تصدقِ گلِ زہراؑ چمن میں ہیں
سب غنچے مٹھیوں میں لئے زر جدا جدا

تھے وقتِ ذبح وا لبِ زخمِ تنِ امام
آتی تھی صوتِ اللہ اکبر جدا جدا

حوریں علیؑ سے کہتی تھیں پیاسوں کے واسطے
رکھے ہیں بھر کے ساغرِ کوثر جدا جدا

ہوتے جو اُن کے سامنے ستر دو تن شہید
ماتم ۷۲ ہوں کا کرتے پیمبرؐ جدا جدا

زینبؑ یہ بولیں بیٹوں سے ہاہم چلے تو ہو
لڑیو سپاہِ شام سے جا کر جدا جدا

جراٗت میں ایک سے ہو پہ جی چاہتا ہے آج
دکھلاؤں شانِ حیدرؑ و جعفرؑ جدا جدا

کہتی تھی باتو چھاتی سے لگ جاؤ آن کر
پھرتے ہو ماں سے کیوں علی اکبرؑ جدا جدا

صغرؔا نے نامہ بر سے کہا خط نہ لکھنے کا شکوہ تو کر چکی ہوں میں بے پر جدا جدا
بہرِ خدا زبانی بھی میری طرف سے تو کیجو گلہ ہر ایک سے جا کر جدا جدا

جیسے خزاں سے باغ میں بکھرے ہوئے ہوں پھول خوں سے شہید رن میں تھے یوں تر جدا جدا

کہتے تھے شاہ فوج ہماری قلیل ہے باندھو پرے سپاہ کے اکبرؔ جدا جدا

فوجِ یزید کی تھی چڑھائی حسینؑ پر آ کر اترتے جاتے تھے لشکر جدا جدا

رسّی میں یوں بندھے تھے یتیمانِ اہلِ بیتؑ ہوں جیسے ایک شیشے میں گوہر جدا جدا
کہتے تھے شاہ کل تلک اک جا تھے اور آج ٹکڑے پڑے ہیں خویش و برادر جدا جدا

اعدا کی تیغِ ظلم نے ڈالا یہ تفرقہ سرتن سے اور سروں سے ہیں پیکر جدا جدا

عابدؑ نے جمع کر کے کئے دفن زیرِ خاک پائے جو پارۂ تنِ سرور جدا جدا

مہلت ملی نہ بات کی دولہا دولہن کو ہائے رویا کئے جھکائے ہوئے سر جدا جدا

یہ حکمِ شمر تھا کہ ہر اک بی بی اونٹ پر بازارِ شام میں ہو کھلے سر جدا جدا

دربار میں یزید کے شمرِ لعیں نے جب دکھلائے سر شہیدوں کے لا کر جدا جدا

ہنگامِ ذبح ہر رگِ گردن نے شاہ کی شکرِ خدا کیا تہہِ خنجر جدا جدا

جس دم امیرِ شام کی محفل میں شمر نے دکھلائے سر شہیدوں کے لا کر جدا جدا
غارت گروں نے نذر دیا فخر جان کر ہر ایک رانڈ کا زر و زیور جدا جدا

منکر یں گے کیا بزورِ جزا قاتلِ امام تعذیر پائیں گے وہ ستمگر جدا جدا

حضرت کی بیگناہی پہ دیں گے گواہیاں تیغ و سنان و دشنہ و خنجر جدا جدا

فیضِ غمِ حسینؑ سے ہوتے ہیں اے انیسؔ
ہر سال ایک حال کے دفتر جدا جدا

□□□

(۱۲)

بھرا ہے غمِ شہ سے سینہ ہمارا سلامی یہی ہے خزینہ ہمارا
دلِ صاف رکھتے ہیں ہم پاک طینت نہیں مُجرم رکھتا نگینہ ہمارا
پکارے نبیؐ قبرِ سرور پہ آکے اسی خاک میں ہے دفینہ ہمارا
ہوئی سخت ایذا زمانے کے ہاتھوں گراں سنگ پر آبگینہ ہمارا
لپٹتی جو بیٹی تو کہتے تھے سرورؑ بس اب ساتھ چھوڑو سکینہؑ ہمارا
نہ چھاتی سے لپٹو کہ اب شمر رن میں دبائے گا زانو سے سینہ ہمارا
بجز پنجتن کچھ نہیں نقش دل پر ان اسموں کا گھر ہے نگینہ ہمارا
چلے شہ وطن سے تو کہتے تھے روکر اب اس سال مشکل ہے جینا ہمارا
یکایک صدا قبرِ احمدؐ سے آئی ہوا آج خالی مدینہ ہمارا
ازل سے ہے نامِ علیؑ نقش جس پر وہ دُرِّ نجف ہے نگینہ ہمارا
کہا شہ نے قاتل سے زانو ہٹالے کہ زخموں سے ہے چور سینہ ہمارا
عبث بیگنہ قتل کرتا ہے ظالم زمانے کی زینت ہے جینا ہمارا
علیؑ ہیں درِ شہرِ علمِ نبوت شقی، دیں کا گھر ہے مدینہ ہمارا
کہا وقتِ مرگِ پسر رو کے شہ نے ترے بعد ہے موت جینا ہمارا

حرم کہتے تھے تھا یہ امّت میں طوفاں   کہ خشکی میں ڈوبا سفینہ ہمارا
عمر سے کہا حُر نے ناجی ہمیں ہیں   پسندِ خدا ہے قرینہ ہمارا
تجھے حُبِّ دنیا، ہمیں حُبِّ حیدرؑ   وہ کشتی تری یہ سفینہ ہمارا
کہا شہ نے بھائی نہ چھوڑے گا ہم کو   وہ دولت سمجھتا ہے جینا ہمارا
بہائے لہو اپنا عباسؑ اُس جا   گرے جس جگہ پر پسینہ ہمارا
نگہباں علیؑ، ناخدا، نوحؑ اُمّت   نہیں ڈوبنے کا سفینہ ہمارا
خدا نے عطا کی ہیں رونے کو آنکھیں   بنایا ہے ماتم کو سینہ ہمارا

انیسؔ آپ کا ہے تہی دست کب سے
ملے یا حسینؑ اب مہینہ ہمارا

□□□

۱۳

مجرئ شاہ کا ہوں خلد میں ہے گھر میرا — منتظر حوریں ہیں، مشتاق ہے کوثر میرا
شاہ کہتے تھے لعینو نہ ستاؤ مجھ کو — ماں ہے زہراؑ مری نانا ہے پیمبرؐ میرا
کٹ گئے ہاتھ تو بولا یہ علمدارِ حسینؑ — مرتبہ ہوگیا جعفرؑ کے برابر میرا
گر کے لاشِ علی اکبرؑ پہ کہا عابدؑ نے — ہائے غمخوار مرا، ہائے برادر میرا
شمر کہتا تھا میں جب کرتا تھا شبیرؑ کو ذبح — کیسی مظلومی سے منہ تکتے تھے سرورؑ میرا
گریۂ احمدؐ و زہراؑ کی صدا آتی تھی — پکڑے لیتا تھا کوئی ہاتھ سے خنجر میرا
شاہ کہتے تھے نہ سوجھی مجھے عباسؑ کی لاش — لے گئے ہاتھ پکڑ کر علی اکبرؑ میرا
کہتی تھی بالی سکینہؑ کہ بچاؤ بابا — بد گہر چھینے لئے جاتا ہے گوہر میرا
جو کوئی پوچھتا کیا سن تھا تو کہتی بانو — چھ مہینے سے بھی کم تھا علیؑ اصغر میرا
شمر سے کہتے تھے عباسؑ میں کیوں کر بہکوں — خضرؑ کو راہ بتا دیتا ہے رہبر میرا
بانو کہتی تھیں کہ جنگل میں ڈرے گا لوگو — کبھی تنہا نہیں سویا علی اصغرؑ میرا
قبرِ اکبرؑ پہ یہ بانو نے کہا بیٹا واہ — گور آباد کی، ویران کیا گھر میرا
شاہ فرماتے تھے کیا قتل کروں امت کو — میں ہوں شمشیرِ خدا صبر ہے جوہر میرا
لاشِ شبیرؑ پہ جبرئیلؑ نے آکر یہ کہا — خاک پر سوؤ نہ حاضر ہے یہ شہپر میرا

اشہ نے فرمایا نہیں فرش سے کچھ کام مجھے
سنگ بالش ہے اب اور خاک ہے بستر میرا

فاطمہؑ کہتی تھیں بے چین نہ کیجو اے قبر
سوگیا ہے تری آغوش میں دلبر میرا

شاہ فرماتے تھے بس خاتمۂ جنگ ہے آج
عصر کے بعد نہ میں ہوں گا نہ لشکر میرا

رو کے بانو نے کہا پچھلے پہر زنداں میں
دودھ پینے کو نہ چونکا علی اصغرؑ میرا

کہتی تھیں رو کے یہ بانو یہ توقع تھی مجھے
کہ اٹھائے گا جنازہ علی اکبرؑ میرا

میں تو جیتی رہی اور اٹھ گئے وہ دنیا سے
ان کی تقصیر نہیں کچھ، ہے مقدر میرا

شمر کہتا تھا یہ تھا خشک گلوئے شبیرؑ
کہ ذرا تر نہ ہوا خون سے خنجر میرا

شاہ فرماتے تھے اب کون کرے کوششِ آب
ہائے سوتا ہے ترائی میں غضنفر میرا

کہا عابدؑ نے شہادت کی خوشی تھی مجھ کو
پر کروں کیا جو اُلٹ جائے مقدر میرا

تن پہ زخم ان کے ہیں آہن میں مسلسل ہوں میں
بھائی بندوں کا وہ زیور ہے، یہ زیور میرا

سر شہ سے کہا عابدؑ نے کہ دیکھو بابا
تازیانوں سے ہے زخمی تنِ لاغر میرا

بانو کہتی تھیں میں زہراؑ کی بہو ہوں اے شمر
چھین سر سے نہ ردا، لے زر و زیور میرا

شمر کہتا تھا پدر کو جو سکینہؑ روتی
نام بابا کا نہ لے تجھ کو نہیں ڈر میرا

لاشِ سرورؑ سے صدا آتی تھیں عابدؑ تو ہے قید
کون جنگل سے اٹھائے تنِ بے سر میرا

بانو کہتی تھیں لعیں کیوں نہ ستائیں مجھ کو
اٹھ گیا خلق سے وارث مرا، سرور میرا

کہتے تھے تھامے کمر لاشِ علمدارؑ پہ شاہ
ہائے رستم مرا، حمزہ مرا، جعفرؑ میرا

گر فلک مجھ سے ہے برگشتہ تو کیا غم ہے انیسؔ
پنجتن حامی ہیں اللہ ہے سر پر میرا

□□□

۱۴

آبِ خنجر سے گلا جب شاہ کا تر ہوگیا — پانی پانی اے سلامی غم سے کوثر ہوگیا

نہر پر جب قتلِ عباسؑ دلاور ہوگیا — رو کے شہ چلائے میں اب بے برادر ہوگیا

حیف ہے یارو نہ دی اک بوند پانی کی اُسے — جس کی خاطر کے لئے دو ٹکڑے گوہر ہوگیا

حلق پر بے آب خنجر پھیر کر کہتا تھا شمر — کیوں حسینؑ ابنِ علیؑ اب تو گلا تر ہوگیا

کہتی تھی بانو میری قسمت کی گردش دیکھنا — گھٹنیوں چلنے نہ پایا قتل اصغرؑ ہوگیا

دیکھ کر خیمے کی جانب رو دیا عباسؑ نے — مشک میں پیوست جب تیرِ ستمگر ہوگیا

زعفرِ جن نے کہا اے بادشاہِ کم سپاہ — کیا شہیدِ ظلم سب آقا کا لشکر ہوگیا

رو کے فرمایا شہِ دیں نے کہ لشکر اک طرف — تیر اصغرؑ کے لگا اور قتلِ اکبرؑ ہوگیا

ہو کے غش جب حضرتِ شبیرؑ گھوڑے سے گرے — مستعد تب قتل پر شمرِ ستمگر ہوگیا

دیکھ کے لاشے کو اکبرؑ کے یہ بانو نے کہا — حیف ہے پیاسا تو بیجاں میرے دلبر ہوگیا

پوچھتی تھی راہگیروں سے سکینہؑ شام میں — کربلا میں دفن فرزندِ پیمبرؐ ہوگیا؟

روزِ عاشورا ہلی قبرِ نبیؐ جب وقتِ عصر — جا بجا یثرب میں برپا شورِ محشر ہوگیا

آئی صغراؑ قبر پر اور عرض کی اے نانا جان — کیا سفر میں حادثہ کچھ شاہِ دیں پر ہوگیا

آئی مرقد سے ندا اللہ تجھ کو صبر دے — گھر لٹا، خیمہ جلا، شبیرؑ بے سر ہوگیا

شمر نے سر شاہ کا جب نذرِ حاکم کردیا　　دیکھ کر اس کو بہت شاداں ستمگر ہوگیا
فاطمہؑ لاشے پہ سرور کے یہ رو رو کہتی تھی　　ہائے پیاسا ذبح دریا پر تو دلبر ہوگیا
تیر اصغرؑ کو لگا کر بولا شہ سے حرملا　　دور اب تو دل سے سرور داغِ اکبرؑ ہوگیا
شہ نے فرمایا رضائے حق پہ راضی ہے حسینؑ　　زخم کا اکبرؑ کے مرہم، داغِ اصغرؑ ہوگیا
دیکھ کر گود اپنی خالی سب سے بانوؑ کہتی تھی　　لوگو بتلاؤ مجھے کیا میرا دلبر ہوگیا

جو ہوا بیمارِ اندوہِ شہ دیں اے انیسؔ
اوجِ اصحابِ مسیح اس کو میسر ہوگیا

□□□

۱۵

کسی کو مجرئیؑ ہمدم نہ ہنگامِ اجل پایا
علیؑ جب آئے تب مشکل کو جاں کندن کی حل پایا

کہا شبیرؑ نے، اکبرؑ گلِ باغِ جوانی تھا
اسے نیزہ لگا کر کچھ لعینوں نے نہ پھل پایا

لگایا تیر جس کے بکجا رنے وقتِ وغا شہ پر
جوابِ راست اس نے تیغِ شہ سے برمحل پایا

لعیں کہتے تھے روکیں وار کیونکر تیغِ حیدرؑ کا
کبھی سر پر کبھی بر میں کبھی زیرِ بغل پایا

بس از قتلِ شہِ دیں گھر لٹا، قیدی ہوئی رانڈیں
نہ ماتم کی صفیں بچھیں نہ رونے کا محل پایا

ہوا گھر چھوڑ کر قرباں جو حُرؑ فرزندِ زہراؑ پر
قریب قصرِ حیدرؑ باغِ جنت میں محل پایا

اٹھایا داغ فرزندِ جواں کا عین پیری میں
شہِ دیں نے گلستانِ ریاضت کا یہ پھل پایا

رفیقوں کی طرف دیکھا جو ہنگامِ وغا شہ نے
ہر اک جانباز کو آمادۂ جنگ و جدل پایا

وطن میں کہتی تھی صغراؑ مصیبت کچھ ہے بابا پر
بہت میں نے دلِ غمگیں کو مضطر آج کل پایا

غضب تڑپے شہِ دیں رکھ کے سر اکبرؑ کے لاشے پر
جگر میں اس کے جب ٹوٹا ہوا برچھی کا پھل پایا

سرِ حُرؑ اپنے زانو پر کہا شاہِ دو عالم نے
جری نے رتبۂ معراج ہنگامِ اجل پایا

عمر سے کہتا تھا حُرؑ سایۂ طوبا ملا مجھ کو
ہوا خواہی میں سروِ باغِ زہراؑ کے یہ پھل پایا

فرس سے ہو کے زخمی خاک پر گرنے لگے جس دم
شہِ والا نے دستِ فاطمہؑ زیرِ بغل پایا

بڑھا جو منہ پہ اس کا سر اتارا تیغِ حیدرؑ نے
مزا آئی اسے جس کے ذرا ابرو پہ بل پایا

گیا ناریؔ سقر کو چھوڑ کر جنت کے گلشن کو مقدر کی طرف سے حُرؑ نے یہ حسنِ عمل پایا
کہا اکبرؑ نے وقتِ نزع یہ رو رو کے حضرت سے چلے ہم اب نفس کے آمد و شد میں خلل پایا
یہ حسرت ہے کہ دم نکلے ہمارا ماں کی گودی میں اجل کے ہاتھ سے وقفہ نہ لیکن ایک پل پایا
کیا جب شاہ نے حملہ اجل نے آ کے میداں میں طپاں بسمل کو بسمل پر دمِ جنگ و جدل پایا
تڑپ کر ذوالفقارِ حیدری خود میان سے نکلی علیؑ کے لال کے ابرو پہ غصہ سے جو بل پایا
سہے صدمے پہ صدمے دکھ پڑے کیا اعدا کے ہاتھوں سے نبیؐ کے بعد زہراؑ نے نہ آرام ایک پل پایا
برابر چار ٹکڑے کر کے چھوڑا اس کو میداں میں جسے تیغِ دو پیکر نے دمِ جنگ و جدل پایا

انیسؔ آخر نہ دولت کام آئی اہلِ دولت کی
بجز نقدِ تہی دستی نہ کچھ وقتِ اجل پایا

□□□

١٦

لحد میں سامنے جب دفترِ حساب آیا — گناہ دیکھ کے کیا کیا مجھے حجاب آیا
رخِ حسینؑ سے میں نے کبھی نہ دی تشبیہ — چمک کے سامنے سو بار آفتاب آیا
ورق ہیں مصحفِ ناطق کے اکبرؑ و اصغرؑ — جو بے عدیل ہے سورہ تو لاجواب آیہ
جگہ نہ پائی جو کثرت میں سانس لینے کی — میانِ بحرِ فنا دم بخود حباب آیا
زمیں کا زور چلا خاک بھی نہ وقتِ فشار — مری زبان پہ جو نامِ بوتراب آیا
جب آفتاب میں نکلے محمدؐ عربی — تو چتر بن کے سرِ پاک پر سحاب آیا
پدر کی پیاس کو بھولے نہ ایک دم عابدؑ — چھری جگر پہ چلی جب خیالِ آب آیا
ظہورِ نورِ محمدؐ ہوا خلیلؑ کے بعد — چھپا جو چاند زمانے میں، آفتاب آیا
اِدھر ہلے لبِ سرور دعائے باراں میں — اُدھر فلک پہ گرجتا ہوا سحاب آیا
سیاہ خانۂ زنداں میں جب چلے عابدؑ — ہوا یہ شور کہ ظلمت میں آفتاب آیا
اٹھائی لذتِ تلخیِ تنگنائے جہاں — عرق عرق ہوا شیشے میں جب گلاب آیا
غمِ حسینؑ میں جب آہ کی تو برسے اشک — اِدھر چمک گئی بجلی اُدھر سحاب آیا
الٹ کے سب مرے مضموں پڑھے مرے آگے — مزہ تو یہ ہے کہ اس پر مجھے حجاب آیا
عطش نے گو دلِ سرور میں آگ بھڑکا دی — مگر زباں پہ نہ حرفِ سوالِ آب آیا

وہ لوگ کون تھے بھیجا سلام جب شہ پر
ضریحِ قبلۂ کونین سے جواب آیا

نہیبِ شرع تو دیکھو کہ بن گیا سرکہ
نجف کی راہ میں جب شیشۂ شراب آیا

سرِ حسینؑ گیا شام میں جو وقتِ سحر
ہوا یہ شور کہ نیزے پہ آفتاب آیا

فلک پہ شور تھا پہنچے جو کربلا میں حسینؑ
اب اپنی خاک پہ فرزندِ بوتراب آیا

ورق الٹ گیا دنیا کا یک بیک کیوں چرخ
یہ کس طرح کا زمانے میں انقلاب آیا

پیامِ مرگ ہے موئے سفید اے غافل
کبھی سنا ہے کہ پیری گئی شباب آیا

حسینؑ و حُرؑ کی ملاقات تھی کہ عالمِ نور
اُدھر سے ماہ بڑھا تھا کہ آفتاب آیا

صدا یہ آئی کہ گردن اٹھا کے دیکھ ذرا
معانقے کے لئے مالک الرقاب آیا

خیال ہمسریٔ زلفِ شہ کا سودا، واہ
چمن میں کیا مجھے سنبل پہ پیچ و تاب آیا

نہ سر اٹھائیو بحرِ فنا میں اے غافل
صدا یہ دے گیا پانی پہ جب حباب آیا

جہاں میں رہتی ہے روشن دلوں کی آمد و رفت
سحر کو چاند چھپا، دن کو آفتاب آیا

وہ کیا نمود کرے آہ بحرِ ہستی میں
جو ایک دم کے لئے صورتِ حباب آیا

زمیں یہ کہتی ہے میت سے، دیکھ قبر کو دیکھ
کہاں بنا کے گھر او خانماں خراب آیا

جہاں سے ہم اسی حسرت میں پیر ہو کے چلے
نہ عمرِ رفتہ پھر آئی نہ پھر شباب آیا

اُتارا مجھ کو لحد میں تو دی زمیں نے صدا
خوشا نصیب غلامِ ابوترابؑ آیا

اُلٹ گیا نہ فقط لکھنؤ کا ایک طبقہ
انیسؔ ملکِ سخن میں بھی انقلاب آیا

کوئی بھی سوتا ہے پیری میں اس طرح غافل
اٹھو انیسؔ اٹھو، سر پہ آفتاب آیا

۱۷

مجرائی رن میں شہ پہ ستم بے حساب تھا
نایاب گھر میں ساقیٔ کوثر کے آب تھا

دریا کی سمت رُخ بھی نہ کرتے تھے وقتِ جنگ
پانی سے تشنہ کاموں کو یہ اجتناب تھا

قاسمؑ نے بعدِ عقد کہا ماں سے صبح دم
یہ بیاہ بھی خیال جو کیجے تو خواب تھا

اکبرؑ ہوئے شہید تو گھر میں نہ آتے تھے
بانو کے منہ سے یہ شہِ دیں کو حجاب تھا

زینبؑ کے بیٹے ایسے تھے حُسن و جمال میں
اک آفتاب اگر تھا تو اک ماہتاب تھا

خیمے میں ابنِ ساقیٔ کوثر کے ہے غضب
جز اشک، دیکھنے کو میسر نہ آب تھا

قاسمؑ کے وقتِ نزع یہ جاری زباں پہ تھا
دولھن بنی خیال کی تھی، بیاہ خواب تھا

گھر لوٹنے کو شمر جب آیا حسینؑ کا
ناموسِ مصطفیٰؐ کو عجب اضطراب تھا

زینبؑ یہ کہتی تھی مرے بھائی کے قتل میں
سب سے ذلیل تر یہی خانہ خراب تھا

سجادؑ غرق تھے عرقِ شرم میں انیسؔ
کنبہ نبیؐ کا بلوے میں جب بے نقاب تھا

□□□

۱۸

مجرئی ڈیوڑھی پہ زینبؑ نے جو آکر دیکھا
حلقِ شبیرؑ کو زیرِ دمِ خنجر دیکھا

خیمے سے پیٹتی سیدانیاں نکلیں باہر
گود میں شاہ کی جب لاشۂ اصغرؑ دیکھا

شہ نے فرمایا یہی حلق مرا کاٹے گا
جس گھڑی شمر کو لاتے ہوئے خنجر دیکھا

بولے احمدؐ کہ مرے قوتِ بازو شاباش
جس گھڑی دستِ علیؑ میں درِ خیبر دیکھا

پاس بیٹے کے جگر تھام کے غش ہو گئے شاہ
زخمی جب برچھیوں سے سینۂ اکبرؑ دیکھا

تیغ گردن پہ چلی اور نہ تڑپے شہِ دیں
ایسا صابر نہیں کوئی تہہِ خنجر دیکھا

لاشِ اکبرؑ پہ یہ چلاتی تھی با توئے حزیں
تم کو دولہا نہ بنے اے مرے دلبر دیکھا

تہہِ خنجر شہِ مظلوم نے کس غربت سے
طرفِ خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا

یہ ہر اک ہوا ہے یہی سر احمدؐ کا
نیزے پہ جس نے سرِ اکبرؑ دیکھا

شمر کہتا تھا چڑھا شاہ کی جب چھاتی پہ
میں نے زہراؑ و پیمبرؐ کو کھلے سر دیکھا

کہا چلا کے یہ زہراؑ نے کہ ہے ہے مرے لال
حلقِ شبیرؑ جو زیرِ دمِ خنجر دیکھا

بعدِ قتلِ شہِ دیں شور یہ تھا شہر بہ شہر
ہم نے کنبے کو محمدؐ کے کھلے سر دیکھا

رو رو چلاتی تھی زینبؑ کہ دہائی بابا
مجھ کو سب نے سرِ بازار کھلے سر دیکھا

سخت جاں رکھتی ہوں کہتی تھی یہ بنتِ زہراؑ — حلق پر شاہ کے چلتے ہوئے خنجر دیکھا
مال و اسباب لٹا، بیڑیاں عابدؑ کے پڑیں — آتشِ ظلم سے پھر جلتے ہوئے گھر دیکھا
ہائے میں ہو نہ گئی کور کہ ان آنکھوں سے — سر پُرخوں ترا نیزے پہ برادر دیکھا

ایک سا حال زمانے کا نہیں رہتا انیسؔ
انقلابِ فلکِ پیر مکرر دیکھا

□□□

۱۹

مجرئی جس نے مزارِ شہِ ذیشاں دیکھا
اس نے دنیا ہی میں بس روضۂ رضواں دیکھا

ہو گیا نظروں میں شبیرؑ کی تاریک جہاں
خاک و خوں میں علی اکبرؑ کو جو غلطاں دیکھا

جس کی مادر کا اٹھا شب کو جنازہ افسوس
دن کو خلقت نے اسے باسرِ عریاں دیکھا

اس قدر روئیں کہ غش کر گئیں بانوئے حزیں
شاہ کی گود میں اصغرؑ کو جو بے جاں دیکھا

عمر بھر باپ کے ماتم ہی میں سجادؑ رہے
جس نے دیکھا انھیں با دیدۂ گریاں دیکھا

رکھ کے زانو پہ سرِ حرؑ کو کہا حضرت نے
اپنے رتبے کو بھی کچھ اے مرے مہماں دیکھا

تھا یہ نزدیک نکل جائیں تنوں سے جانیں
دور سے قیدیوں نے جب درِ زنداں دیکھا

عمر بھر وہ شبِ تاریک کو سمجھا شبِ ماہ
جس نے نیزے پہ سرِ شاہِ شہیداں دیکھا

لاشوں پہ بیٹوں کی کہتی تھی یہ زینبؑ رو رو
بہت ارمان تھا کیوں قتل کا میداں دیکھا

خاک پر سینہ و سر پیٹ کے اونٹوں سے گرے
حرمِ شاہ نے جب گنجِ شہیداں دیکھا

اور بھی حال پریشان ہوا بانوؑ کا
زلفِ اکبرؑ کو جو نیزے پہ پریشاں دیکھا

باپ کو روتے تھے سجادؑ تو کہتی تھی یہ خلق
دیکھ لے جس نے نہ ہو نوح کا طوفاں دیکھا

شہ کا سر پڑھتا جو قرآن تو کہتے کوئی
سرِ بے تن کو نہیں حافظِ قرآں دیکھا

سمجھی زینبؑ گئے عباسؑ اور اکبرؑ مارے
شہ کو جب پکڑے کمر چاک گریباں دیکھا

پیٹتی سینہ و سر خیمے سے نکلی زینبؑ حلق شہ پر جو رواں خنجر براں دیکھا
بیاہ کے دن جو ستم قاسمؑ نوشہ پہ ہوئے کس شادی میں یہ ماتم کا ہے ساماں دیکھا
کہتا سجادؑ کو جو یہ کہ نہ حضرت کو کبھی مائل سرو و گل و سنبل و ریحاں دیکھا
اس سے فرماتے تھے وہ خاک کرے سیرِ چمن جس نے تاراج محمدؐ کا گلستاں دیکھا
قید میں جو حرمِ شہ نے اذیت کھینچی کس نے دنیا میں ہے یہ رنج فراواں دیکھا
کوئی لڑکی نہ یہ غم دیکھے کبھی صغراؑ نے باپ کی یاد میں جو صدمۂ ہجراں دیکھا
لڑکیاں کہتی تھیں صغراؑ سے کہ ہم نے تم کو آ کے جب دیکھا تو منہ پر لئے داماں دیکھا
شمر کہتا تھا میں جب شاہ کی چھاتی پہ چڑھا سامنے فاطمہؑ کو با سرِ عریاں دیکھا
جب لگا پھیرنے خنجر میں گلوئے شہ پر احمدؐ پاک کو انگشت بدنداں دیکھا

کیسے ہر دوست کے کام آتے ہیں مشکل میں انیسؔ
کس نے شبیرؑ سا آقائے غریباں دیکھا

□□□

maablib.org

۲۰

بیٹا جو ہر اک دیدۂ بینا ہے ہمارا
ہر اشک سلامی دُرِ یکتا ہے ہمارا

شہ کہتے تھے سیراب تری تیغ نہ ہوگی
اے شمر گلا آہ وہ سوکھا ہے ہمارا

قاتل سے نبیؐ کہتے تھے کر قتل نہ اس کو
اے شمر یہ شبیرؑ نواسا ہے ہمارا

باندھا گیا سجادؑ کا بازو تو وہ بولے
اے شیر خدا حال یہ پہنچا ہے ہمارا

شہ ناریوں سے کہتے تھے اصغرؑ کو دکھا کر
بچہ یہ کئی روز کا پیاسا ہے ہمارا

لاشِ علیؑ اکبر نے کہا شہ سے کہ بابا
سینے سے کلیجہ نکل آیا ہے ہمارا

زعفرؔ سے کہا شہ نے دکھا کر کئی لاشے
یہ بھائی، یہ بیٹا، یہ بھتیجا ہے ہمارا

جب عذرِ گنہ کرتا تھا حُرؑ کہتے تھے شبیرؑ
اے حُرؑ تو ہمارا ہے ہمارا ہے ہمارا

کیا خوف ہے محشر کا انیسؔ جگر افگار
اب نام غلامِ شہ والا ہے ہمارا

□□□

۲۱

مجرائی جب کہ شہ نے سر اپنا کٹا دیا — تب ظالموں نے خیمۂ اقدس جلا دیا
ہمشکلِ مصطفیٰ کو لعینوں نے حیف ہے — گھوڑے سے برچھی مار کے نیچے گرا دیا
کہتی تھی صغرؑا کھیلنے کہتیں جو لڑکیاں — بابا کی یاد نے مجھے سب کچھ بھلا دیا
واللہ جیتے جی نہیں ہونے کی میں جدا — گر اب کی حق نے مجھ کو پدر سے ملا دیا
جب شہ کو دفن کر چکے سجادؑ کہتے تھے — زہراؑ کا چاند خاک میں میں نے چھپا دیا
پیچھے ہٹے نہ جنگ میں حضرت کے جاں نثار — تیغوں سے دوڑ دوڑ گلوں کو ملا دیا
کیا آبدار تیغ علمدار شہ کی تھی — دریا کے پاس خون کا دریا بہا دیا
پیاسے کو یاد پیاس جو آئی سکینہؑ کی — چلّو میں لے کے نہر سے پانی گرا دیا
کس درجہ اشتیاقِ شہادت تھا شاہ کو — خنجر گلے پہ چلتے ہوئے مسکرا دیا
کہتے تھے رن میں شاہِ کہ اکبرؑ کے حُسن نے — ہم کو خدا کے نور کا جلوہ دکھا دیا
لب پر زباں پھر کے یہ کہتے تھے رن میں شاہ — زخموں نے بھوک پیاس میں کیا کیا مزا دیا
عابدؑ جو دفن کر چکے قاسمؑ کی لاش کو — تربت پہ اس کی پھولوں کا سہرا چڑھا دیا
ماتم میں اس کے روتے رہو مومنو مدام — شبیرؑ نے تمھارے لئے سر کٹا دیا
کیا رانڈ بیبیوں میں تلاطم تھا اس گھڑی — جب ناریوں نے شاہ کا خیمہ جلا دیا

اللہ کیا حسینؑ کو اُمت کا پاس تھا
سر کو کٹا کے عاصیوں کو بخشوا دیا

خنجر کو لے کے شمر جب آیا تو شاہ نے
کس بے کسی سے سر کو زمیں پر جھکا دیا

کیا عشق تھا حسینؑ سے زینبؑ کے بیٹوں کو
دونوں نے کس خوشی سے گلوں کو کٹا دیا

اصغرؑ کو بوند بھر نہ پلایا کسی نے آب
لشکر کو حُرؓ کے شاہ نے پانی پلا دیا

بستر سے اٹھ نہ سکتا تھا جو مارے ضعف کے
طوقِ گراں لعینوں نے اس کو پنھا دیا

اس کا ادائے شکر ہو کس طرح اے انیسؔ
جس نے اٹھا کے خاک سے انساں بنا دیا

□□□

(۲۲)

مجرئی شہ کے عوض رن میں جو تھا سر دیتا | اس کو گھر خلد میں تھا خالقِ اکبر دیتا
یا تو کہتی تھی تلف ہوتی نہ جاں اصغرؑ کی | پانی تھوڑا سا اگر شام کا لشکر دیتا
جوں جوں کٹتی تھیں رگیں کہتے تھے شہ شکرِ کریم | لطف ہے پیاس میں آبِ دمِ خنجر دیتا
رکھ کے کاندھے پہ علم بھائی کا بولے عباسؑ | آج خالق ہے مجھے رتبۂ جعفرؑ دیتا
تین دن تک اسے قطرہ نہ ملا پانی کا | منہ میں تھا جس کے زباں اپنی پیمبرؐ دیتا
شاہ کہتے تھے مری بیٹی سے کیا الفت ہے | جان پانی پہ ہے عباسؑ دلاور دیتا
شاہ فرماتے تھے اعدا سے کہ اصغرؑ کے لئے | آج اگر ہم کو کوئی پانی کا ساغر دیتا
کل جو وہ تشنگیٔ حشر سے ہوتا مضطر | جام کوثر کا اُسے ساقیِ کوثرؑ دیتا
لاشۂ شہ پہ اڑھا دیتی میں زینبؑ نے کہا | شمرِ ملعون مرے سر کی جو چادر دیتا
باپ سے کہتے تھے مڑ مڑ کے وغا میں اکبرؑ | پانی ملتا تو میں اس جنگ کو سر کر دیتا
خولی سے کہتی تھیں زینبؑ سرِ شہ گر نہ پڑے | کیوں تکاں نیزے کو ہر دم ہے ستمگر دیتا
خاک وخوں میں وہ بھرا ہائے غضب مقتل میں | مشک کی بو تھا جو گیسوئے معنبر دیتا
عرش سے مرتبہ اس شخص کا ہوتا تھا بلند | شاہ کے زیر قدم رن میں جو تھا سر دیتا
ننگے سر بلوے میں شرماتی تھی بنتِ زہراؑ | منہ چھپانے کو بھی تھا کوئی نہ چادر دیتا

حلق کٹواتے تھے سوکھے ہوئے حضرت کے رفیق تھا مزا پیاس میں آبِ دمِ خنجر دیتا
کہا عباسؑ نے اک جام سے اے اہلِ جفا خالی ہوجاتی اگر نہر تو میں بھر دیتا
جا کے خنجر سے دمِ ذبح لپٹ جاتی وہ قسمیں زینبؑ کو نہ گر باپ حیدرؑ دیتا
شاہ کہتے تھے مرے بچے کو مارا ناحق تھا اذیت نہ کسی کو علی اصغرؑ دیتا
کہا سجادؑ نے فریاد ہے بابا صاحب مجھ کو دم لینے نہیں شمرِ بد اختر دیتا
بانو کہتی تھیں کہ پانی نہیں ملتا لوگو ہچکیاں لے لے کے جاں ہے علی اصغرؑ دیتا
چھین لیتے تھے ستمگار دکھا کر نیزے کوئی زینبؑ کو ترس کھا کے جو چادر دیتا
شاہ کہتے تھے یہ ہے ملک مری مادر کی مجھ کو پانی نہیں کیوں شمر بد اختر دیتا
چھن گئے کانوں سے موتی تو سکینہؑ نے کہا ہے عجب داغ مجھے شمرِ ستم گر دیتا
مرے بابا کی نشانی تھے یہ موتی ہے ہے اور زیور مرا لے لیتا یہ گوہر دیتا
شاہ بیٹے کو نہ تھے حرب کی رخصت دیتے واسطے فاطمہؑ کے تھا علی اکبرؑ دیتا
کہا حاکم نے یہ زینبؑ سے دیت لیتیں جو تم بخوشی میں تمھیں لعل و زر و گوہر دیتا
کہا سر پیٹ کے زینبؑ نے کہ اماں آؤ خوں بہا بھائی کا میرے ہے ستمگر دیتا
شاہ فرماتے تھے اُمت ہے پیمبرؐ کی عزیز ورنہ اک آن میں غارت میں انھیں کر دیتا
شاہ فرماتے تھے مرتے ہیں عطش سے بچے صبح سے پانی نہیں شام کا لشکر دیتا
شمر سے کہتی تھیں زینبؑ اُتر آ چھاتی سے کیوں مرے بھائی کو ایذا ہے ستمگر دیتا
خنجرِ ظلم سے کرتا ہے جسے تو بے جاں اسی مظلوم پہ تھا جان پیمبرؐ دیتا
شاہ فرماتے تھے میں تشنہ دہن ہوں گا شہید یہ گواہی ہے مرے خون کا محضر دیتا
کہا عباسؑ نے لڑتے نہ کسی سے پھر ہم خالی مشکیزہ جو دریا سے کوئی بھر دیتا
شاہ فرماتے تھے امت کی شفاعت کے لئے اپنا سر راہِ خدا میں ہوں میں خواہر دیتا

اپنے کُرتے میں چھپا رکھتی سکینہؑ نے کہا — شمرِ ظالم مجھے بابا کا اگر سر دیتا
کہتے تھے شہ مرا سر کاٹتے کیا اہلِ ستم — مُہر اگر خون کے محضر پہ نہ میں کر دیتا
کہا زینبؑ نے کہ میں بھائی کا ماتم کرتی — حاکمِ شام اگر ایک مجھے گھر دیتا
اپنے بھائی پہ تصدق کئے عباسؑ نے ہاتھ — حق تعالیٰ نہ اُسے لعل کے کیوں پر دیتا
شاہ فرماتے تھے وہ تیغ ہے قبضے میں مرے — دیں کو تھا جس سے جلا فاتحِ خیبر دیتا
صاف ہوتی کمرِ گاؤِ زمیں دو ٹکڑے — نیچے اس تیغ کے جبریل نہ گر پَر دیتا
پر مجھے نانا کی امت کا یہ ہے پاس کہ میں — کیسی مظلومی سے اس راہ میں ہوں سر دیتا

صدفِ طبع سے گوہر تو اُگلتا ہے انیسؔ
قدر داں ہوتا تو منہ موتیوں سے بھر دیتا

□□□

۲۳

کیا کیا نہ زمانہ میں سنا کیا نہیں دیکھا
اے مجرئی شبیرؑ سا آقا نہیں دیکھا

حُرؑ کہتا تھا حضرت کی طرف دیکھ لے آکر
جس شخص نے فردوس کا رستہ نہیں دیکھا

جو دیکھتا اکبرؑ کے سراپا کو یہ کہتا
یہ حسن، یہ ترکیب، یہ نقشہ نہیں دیکھا

کہتے تھے عدو بھائی پہ آنچ آنے نہ دی وا
عباسؑ سا شبیرؑ کا شیدا نہیں دیکھا

مسلمؑ کے پسر کہتے تھے حیراں ہیں کدھر جائیں
جنگل کا تو ہم نے کبھی رستہ نہیں دیکھا

کہتی تھی سکینہؑ مجھے صورت تو دکھاؤ
میں نے کئی دن سے تمھیں بابا نہیں دیکھا

کہتے تھے عدو دیکھ کے حضرت کے لب خشک
اس طرح کا صابر کوئی پیاسا نہیں دیکھا

چوبیس پہر گذرے ہیں پایا نہیں پانی
پر آنکھ اٹھا کر سوئے دریا نہیں دیکھا

فرماتے تھے سجادؑ کہ جو ہم پہ ہوا ظلم
دنیا میں کسی نے ستم ایسا نہیں دیکھا

سر ننگے انھیں دیکھتی ہے کوفے کی خلقت
جن کا کبھی خورشید نے سایہ نہیں دیکھا

ماں کہتی تھی اکبرؑ سے کہ مرنے کو نہ جاؤ
بیٹا ابھی میں نے ترا سہرا نہیں دیکھا

پانی نہ ملا بیاہ میں شربت کا تو کیا ذکر
قاسمؑ سا بھی بیکس کوئی دولھا نہیں دیکھا

کہتی تھی سکینہؑ مجھے مارا جو طمانچہ
ظالم نے مرے باپ کا منہ کیا نہیں دیکھا

عابدؑ نے کہا تن سے نکلتی نہیں کیوں جاں
کیا دکھ نہ سہے کون سا صدمہ نہیں دیکھا

ماں بہنوں کا غم، داغِ پدر، رنجِ اسیری — بیمار کا اب تک یہ مداوا نہیں دیکھا
ماں کہتی تھی دولہا کی دولھن نے رُخِ قاسمؑ — اس طرح سے دیکھا ہے کہ گویا نہیں دیکھا
عابدؑ سے یہ کہتا تھا سناں پر سرِ شبیرؑ — کیوں روتے ہو کچھ میں نے تو صدمہ نہیں دیکھا
یہ جلوۂ معشوق سے ہوں محو کہ واللہ — جو ظلم و ستم دیکھا وہ گویا نہیں دیکھا
شہ کہتے تھے اصغرؑ پہ ہوا یہ ستمِ نو — یوں تیر سے مرتے کوئی بچہ نہیں دیکھا
کہتے تھے عدو شہ کے سوا لاکھ جواں سے — اک پیاسے کو لڑتے ہوئے تنہا نہیں دیکھا
یہ ضرب نہیں دیکھی یہ جرأت نہیں دیکھی — یہ دل نہیں دیکھا یہ کلیجہ نہیں دیکھا
شہ لاشۂ اکبرؑ سے یہ کہتے تھے لکھوں کیا — قاصد نے تو اکبرؑ تمھیں جیتا نہیں دیکھا
میں نے تو پڑھی لکھی تھی جو اپنی مصیبت — افسوس کہ تم نے خطِ صغراؑ نہیں دیکھا
زنداں میں حرم کہتے تھے دم گھٹ گئے لوگو — ہم نے کسی گھر میں یہ اندھیرا نہیں دیکھا
کہتے تھے عدو، ہوگا نہ شبیرؑ سا صابر — سر کٹ گیا پر جسم تڑپتا نہیں دیکھا

کیا روضۂ سرورؑ پہ انیسؔ آنکھوں کو ملتے
افسوس، مزارِ شہِ والا نہیں دیکھا

□□□

۲۴

سنبل تر ہے پریشاں زلفِ اکبر دیکھ کر
کٹ گیا ہے ماہِ تاباں روئے انور دیکھ کر

آب ہو جائے گا حُسن روئے اکبرؑ دیکھ کر
سامنے آئینہ لاتا اے سکندر دیکھ کر

جب چلی اعدا پہ تیغِ شہ پکارے جبرئیلؑ
یا حسینؑ ابنِ علیؑ خادم کے شہپر دیکھ کر

حشر تھا اہلِ حرم میں وقتِ قتلِ شاہِ دیں
روتے تھے دشمن بھی شہ کو زیرِ خنجر دیکھ کر

خم ہوئی شہ کی کمر، ہاتھوں کی طاقت گھٹ گئی
دونوں شانوں سے قلم دستِ برادر دیکھ کر

کی رسائی بختِ حُرؑ نے جب تو پہنچا شہ کے پاس
آ گیا خود راہ پر جنت کا رہبر دیکھ کر

جب جھپٹ کر بابِ خیبر کو اکھاڑا آپ نے
ہو گئے کفار ششدر زورِ حیدرؑ دیکھ کر

کربلا کے بَن میں جا پہنچے جو شاہِ بحر و بر
خوش ہوئے مقتل کو سب انصار و یاور دیکھ کر

مسکرائے دیکھ کر صحرا کو ہمشکلِ نبیؐ
تن گئے دریا کو عباسؑ دلاور دیکھ کر

ہو چکیں جس وقت مُہریں فردِ قتلِ شاہ پر
رو دیے خود شاہ اپنے خوں کا محضر دیکھ کر

خاک پر بے دم پڑے ہیں سب عزیز و اقربا
روتے ہیں شبیرؑ لاشوں کو برابر دیکھ کر

کہتے تھے یہ حلق ہے نانا کا میرے حلق پر
پھیرنا شمشیر او شمرِ ستمگر دیکھ کر

خلد میں یاد آئی جب عباسؑ کو بچوں کی پیاس
رو دیا وہ باوفا بھی سوئے کوثر دیکھ کر

بے ردا جلوے میں اس کی بیٹیاں دربدر پھریں
ہو گئے کافر مسلماں جس کی چادر دیکھ کر

پیشِ خالق سب ہیں یکساں رشک او غافل نہ کر　　آپ کو کم دیکھ کر اوروں کو برتر دیکھ کر

آسماں پر شرم سے برقِ درخشاں چھپ گئی　　ذوالفقارِ حیدرؑ صفدر کے جوہر دیکھ کر

مژدۂ خاکِ شفا سے یوں کھلا تربت میں دل　　جس طرح بلبل ہو بالیدہ گلِ تر دیکھ کر

کربلا کو ہند سے جاتے اگر ہم اے انیسؔ
شاد ہوجاتے وہ صحرائے منور دیکھ کر

□□□

۲۵

مجرئی صدقے ہوں اس درگاہ پر — فوق ہے جس کے گدا کو شاہ پر
خاصگانِ کبریا ہیں پنجتن — ہے انھیں بندوں کا حق اللہ پر
مدتوں حُرِ جری بھٹکا پھرا — مِل گئی جنت جب آیا راہ پر
بخشش و ہمت، عطا و عدل و داد — ختم ہے آلِ رسول اللہؐ پر
چہرۂ اکبرؑ کی کیا تشبیہہ دوں — چھائیاں ہیں صاف روئے ماہ پر
لاشۂ بے سر پڑا ہے قبلہ رو — دھوپ ہے خیرالنساء کے ماہ پر
طائرانِ کربلا و نینوا — سایۂ شہپر کیے ہیں شاہ پر
جب بندھا سہرا تو قاسمؑ نے کہا — موت ہنستی ہے ہمارے بیاہ پر
جب بڑھے شہ بہرِ استقبالِ حُرؑ — غل تھا صدقے سیّدِ ذی جاہ پر
حُرؑ نے بیٹے سے کہا اے نورِ عین — سر کو رکھ دے جا کے پائے شاہ پر
چاہ پیاسے تک نہیں آتا کبھی — دوڑ کر جاتا ہے پیاسا چاہ پر
دھوپ میں روکی جو حضرت نے سپر — آگیا بدلی کا ٹکڑا ماہ پر
شاہ کہتے تھے کہ فانی ہے جہاں — لوگ کیوں مرتے ہیں حُبِّ جاہ پر
مال کیا ہے گر کوئی مانگے تو ہم — جان دیتے ہیں خدا کی راہ پر

پیاس ، فاقے، بیکسی، ایذائے قید ظلم تھے آلِ رسول اللہؐ پر
جب سر بیرُ العلم آئے علیؑ طعنہ زن تھا روئے روشن ماہ پر
کہتی تھیں پریاں سلیماں کی قسم حضرت یوسفؑ کھڑے ہیں چاہ پر

اہل دولت سے نہیں مطلب انیسؔ
یاں توکل ہے سدا اللہ پر

□□□

۲۶

ہر چشم ہے مجرائی کی دریا کے برابر — ہے اشک ہر اک گوہرِ یکتا کے برابر
جو جنگ میں آیا شہِ والا کے برابر — دو ٹکڑے ہوا تیغِ علیؑ کھا کے برابر
شبیرؑ کو رو لیں کہ ہمیں بحرِ جہاں میں — مہلت ہے حبابِ لبِ دریا کے برابر
عابدؑ نے کہا گور بھی پائی، نہ چہل روز — مظلوم نہ ہوگا کوئی بابا کے برابر
حُرؑ آیا جو ملنے کو تو انصار کھڑے تھے — صف باندھے ہوئے مرکبِ مولا کے برابر
لاکھوں ہی اُدھر تھے پہ نہ تھا ایک جواں بھی — عباسِ علیؑ کے قدِ بالا کے برابر
اکبرؑ کا ادب کیوں نہ کروں کہتے تھے عباسؑ — فرزند بھی آقا کا ہے آقا کے برابر
زینبؑ نے کہا رن سے مرے لاڈلے آئے — زخمِ تبر و تیر و سناں کھا کے برابر
بابا سے جو بچھڑی تو ہوئی پھر نہ ملاقات — دکھیاری نہ ہوگی کوئی صغراؑ کے برابر
سجادؑ حزیں کہتے تھے بہتر تھا جو بنتی — جنگل میں مری قبر بھی مولا کے برابر
کہتا تھا ہر اک دیکھ سرِ شہ کو سروں میں — نکلا ہے قمر عقدِ ثریا کے برابر
سب مل کے لعیں کرتے تھے شبیرؑ پہ حملہ — تنہا نہ کوئی آتا تھا تنہا کے برابر
جاری تھا جو آبِ دمِ شمشیر گلوں پر — پیاسوں کا لہو بہتا تھا دریا کے برابر
کانٹوں پہ وہ شہزادہ پیادہ چلے افسوس — جس کے کفِ پا ہوں یدِ بیضا کے برابر

زینبؑ نے کہا شمر نہ ہاتھ اس کو لگانا
ہے میری ردا چادرِ زہراؑ کے برابر

پڑھتے تھے رجز یوں شہ ابرارؑ بہ تکرار
جا جا کے صفِ لشکرِ اعدا کے برابر

سلطانِ رسالتؐ کے میں کاندھے پہ چڑھا ہوں
رتبہ ہے مرا عرشِ معلّیٰ کے برابر

محبوبِ خدا، ختمِ رسل، صاحبِ معراج
ہے کون جہاں میں مرے نانا کے برابر

ماں فاطمہ زہراؑ سی ہے عالم میں کسی کی
بابا ہے کسی کا مرے بابا کے برابر

کہتی تھی سکینہؑ کہ ملے تھوڑا سا پانی
قطرہ بھی ہے اس پیاس میں دریا کے برابر

شہ تیغ تلے کہتے تھے امت کو الٰہی
محشر میں ہو راحت مری ایذا کے برابر

حاکم نے کہا شمر سے صورت مجھے دکھلا
زینبؑ کی، مرے تخت کے تولا کے برابر

عابدؑ نے کہا شان و بزرگی میں یہ بی بی
ہے پیشِ خدا حضرتِ زہراؑ کے برابر

باپ اس کا ہے آفاق میں فخرِ بنی آدم
رُتبے میں یہ ہے مریم و حوّا کے برابر

دم لے لے کے کیونکر نہ چلوں کہتے تھے سجادؑ
دل میں بھی پھپھولے ہیں کفِ پا کے برابر

شہ کہتے تھے ریتی میں کیا بھائی نے آرام
مجھ کو بھی سُلا دو مرے شیدا کے برابر

جب رانڈ ہوئی زوجۂ عباسؑ تو بولی
جا بیٹھتی ہوں فاطمہؑ کبریٰ کے برابر

کبریٰ نے کہا لاشۂ نوشاہ پہ ہے ہے
دولھن کی بنی قبر نہ دولھا کے برابر

چھوٹے نے کہا اتنا کہ پہلے مجھے کر قتل
واللہ بڑا بھائی ہے بابا کے برابر

کچھ بچوں پہ مسلم کے نہ قاتل نے کیا رحم
سر کاٹ لئے دونوں کے بٹھلا کے برابر

عباسؑ گئے نہر پہ اکبرؑ سے یہ کہہ کر
شمر آنے نہ پائے مرے آقا کے برابر

دیر اس کے کرم کی ہے انیسِ جگر افگار
ادنیٰ بھی ہوا جاتا ہے اعلیٰ کے برابر

□□□

۲۷

کچھ اور جز سُخن نہیں اہلِ سخن کے پاس
مجرائی کیا زباں کے سوا ہے دہن کے پاس

مجرائی گھر ملے گا امامِ زمن کے پاس
ہوتا ہے آشیانۂ بُلبُل چمن کے پاس

کس کو فشارِ قبر کی دہشت ہے قبر میں
آنسو ہمارے ساتھ ہیں عُزرہ کفن کے پاس

کہتے تھے دیکھ کر لب و دندانِ شہ کو لوگ
سمرن وُرِ عدن کی ہے لعلِ یمن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوئے شہید
روتے ہوئے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغرؑ کو قبر میں
مجھ کو بھی گاڑ دے کوئی اس گلبدن کے پاس

قاسمؑ جو مر گئے تو کہا رو کے شہؑ نے یہ
پہنچی حسنؑ کی آج امانت حسنؑ کے پاس

سوفار جس کا تر نہ ہو خونِ حسینؑ سے
ایسا نہ تیر تھا کسی ناوک فگن کے پاس

صدمے سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پاؤں
جس وقت بیڑیاں نظر آئیں رسن کے پاس

شہ پڑھ چکے جو عقد تو آئی سلام کو
دولھا کے پاس موت، رنڈاپا دلہن کے پاس

دریا میں حرملہ نے لگایا دہن پہ تیر
چلو بھی لائے تھے نہ شہہ دیں دہن کے پاس

زینبؑ یہ بولیں صدقے میں کرتی ہوں اپنے لال
بھائی نہیں ہے اس کے سوا کچھ بہن کے پاس

صغرؑا یہ بولیں آیا نہ اب تک جوابِ خط
کیا نامہ بر نہیں گیا شاہِ زمن کے پاس

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیسؔ کی ہو کفشِ کن کے پاس

□□□

۲۸

خوشا زمینِ معلّیٰ، زہے فضائے نجف
ریاضِ خلد بھی ہے شائقِ ہوائے نجف

یہ شوق ہے کہ نہ بیدار ہوں قیامت تک
جو خواب میں کبھی نقشہ مجھے دکھائے نجف

پہنچ کے خلد میں جب دیکھتے ہیں قصرِ رفیع
پکار اٹھتے ہیں زوّار ہائے ہائے نجف

مریض کے لیے اکسیر ہیں یہ دو نسخے
غبارِ مرقدِ شبیرؑ اور ہوائے نجف

جسے خدا سے محبت ہے اس کو کعبے سے
جسے ولائے علیؑ ہے اسے ولائے نجف

ملی انگوٹھی بھی ویسی ہی، تھا نگیں جیسا
نجف برائے علیؑ تھا علیؑ برائے نجف

وہاں قدم کا ہے کیا کام اے ادب، توبہ
سروں سے چلنے کے قابل ہیں کوچہ ہائے نجف

جسے بہشت میں آنا ہو آئے وہ مجھ تک
ہر اک دیار میں آتی ہے یہ صدائے نجف

علیؑ کی قبر کے زوّار پاک دامن ہیں
گناہ ڈھنپ گئے جب اوڑھ لی ردائے نجف

شراب بنتی ہے سرکہ علیؑ کی دہشت سے
یہ انقلاب نہ دیکھا کہیں سوائے نجف

اِدھر سے کوششِ کامل ہے، اُس طرف سے کشش
انیسؔ ہم نہ رہیں گے کہیں سوائے نجف

□□□

۲۹

شہ کو ستایا مجرئی اعدا نے یاں تلک
فریادِ اہل بیتؑ گئی لامکاں تلک

سینہ سپر کئے رہے عباسؑ وقت جنگ
آنے دیئے نہ تیر شہِ انس وجاں تلک

کیا شہ کو اپنے نانا کی امت کا پاس تھا
شکوے کا حرف دل سے نہ آیا زباں تلک

تیروں نے چھانی مشک تو عباسؑ نے کہا
کس منہ سے جاؤں سرورِ تشنہ دہاں تلک

شبیرؑ پر فدا ہوئے کھا کھا کے تیغ و تیر
کیا جاں فشاں تھے پیر سے لے کر جواں تلک

شہ کے رفیق کہتے تھے پائیں جواذنِ جنگ
سود اپنا ہم سمجھتے ہیں جی کے زیاں تلک

شہ منہ کو دیکھ دیکھ کے اکبرؑ کے کہتے تھے
اپنی تو زندگانی ہے اس نوجواں تلک

اصغرؑ ہوا شہید تو اعدا سے بولے شاہ
سبطِ نبیؐ پہ ظلم کرو گے کہاں تلک

عباسؑ خاک پر جو گرے تھے کٹا کے ہاتھ
پہنچی تھی سیل خون کی آبِ رواں تلک

مسلم کے لاڈلوں کی اجل تھی جو سدِ راہ
دوڑے ولے پہنچ نہ سکے کارواں تلک

فضہ سے بانو کہتی تھی اکبرؑ سے جا کے کہہ
صدقے گئی گھڑے گھڑے ہو جاؤ ماں تلک

یوں غازی بڑھتے جاتے تھے مقتل کو جس طرح
جائے برائے سیر کوئی گلستاں تلک

کہتے تھے شہ حرم سے کہ اس طرح روئیو
باہر کوئی سنے نہ صدائے فغاں تلک

کہتا تھا شمر ہوئے گی راحت مجھے کمال
پہنچے گا رنج سبطِ نبیؐ کو جہاں تلک

وعدے نے طول کھینچا تو صغراؑ یہ کہتی تھی — اکبرؑ کے راہ آنے کی دیکھوں کہاں تلک
تھیں بیڑیاں بھی گوشت میں پیوست ہوگئیں — عابدؑ کے پاؤں سوج گئے تھے یہاں تلک
شبیرؑ کو نہ چین ملا بعدِ قتل بھی — پہنچوں سے ہاتھ کاٹ گیا سارباں تلک
باندھی تھی پیشوائی شبیرؑ کے لئے — مقتل سے صف فرشتوں نے باغِ جناں تلک
سجادؑ مقتلِ شہدا پر یہ کہتے تھے — آئی نہ کس لئے اجل اس ناتواں تلک
جس نے بہار دیکھی ہو باغِ رسولؐ کی — اس کو تو خار خار ہے جینا خزاں تلک
خیمہ جلا تو کہتے تھے عابدؑ کہ تپ میں بھی — پہنچی گدازِ آتشِ غم استخواں تلک
بھاری تھا اس قدر کہ لعیں لے نہ جا سکے — عابدؑ کو لائے کھینچ کے طوقِ گراں تلک
زنداں میں رو رو ماں سے سکینہؑ یہ کہتی تھی — پہنچوں گی کس طرح پدرِ مہرباں تلک
دو نہریں آنسوؤں کی بہا کرتی تھیں مدام — ہجرِ پدر میں روتے تھے سجادؑ یاں تلک
آ کر سنا جو ہند نے زینبؑ سے شہ کا حال — زنداں سے پہنچی گئی اپنے مکاں تلک

دیکھیں گے ہم بھی روضۂ شبیرؑ کو انیسؔ
پہنچائے گا نصیب گر اس آستاں تلک

□□□

۳۰

اے سلامی تیغِ دشمن کارگر ہوتی نہیں
حفظِ خالق سے کوئی بہتر سپر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت رہے گا عصر تک بارانِ تیر
یہ مہم جب تک نہ سر کٹ جائے، سر ہوتی نہیں

محو تھے شہ جان دینے پر خدا کی راہ میں
گر لگیں سو زخم عاشق کو خبر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت، غمِ عباسؑ نے خم کردیا
بے لحد میں سوئے اب سیدھی کمر ہوتی نہیں

کیوں نہ ماتم دار حضرت کے پھلے پھولے رہیں
کوئی شاخِ نخلِ ماتم بے ثمر ہوتی نہیں

کہتی تھی صغراؑ کہ نانی تا کجا تارے گنوں
کیا شبِ فرقت کی دنیا میں سحر ہوتی نہیں

راست بازوں کو دُرِ مقصود مل جاتا ہے جلد
جو کہ ہے کج صدف وہ بے گہر ہوتی نہیں

ہل گیا عرشِ خدا زینبؑ نے جب فریاد کی
آہِ ماتم دار ہرگز بے اثر ہوتی نہیں

پوچھئے اس سے کہ درد آمیز ہو جس کا کلام
بیت موزوں کوئی بے خونِ جگر ہوتی نہیں

کہتے تھے حضرت کہ مشتاقِ نمازِ عصر ہوں
بڑھ گیا ہے کیا یہ دن جو دوپہر ہوتی نہیں

فق ہوا جاتا ہے منہ زینبؑ کا گھٹتی ہے جو رات
آمدِ صبحِ قیامت ہے سحر ہوتی نہیں

اطلاعِ قتلِ سرور ہوگئی ہر شہر میں
سچ ہے مخفی خونِ ناحق کی خبر ہوتی نہیں

جمع ہونا ایک جا ضدین کا دشوار ہے
خیر ہوتی ہے طبیعت میں تو شر ہوتی نہیں

میں دیا کرتا ہوں روز اشکوں سے پانی یا حسینؑ
دم مرا گھٹتا ہے کیوں جلد سحر ہوتی نہیں

شام سے کہتے تھے یہ شوقِ شہادت میں حسینؑ شاخِ نخلِ آرزو کیوں بار ور ہوتی نہیں
مدحِ دندان و لبِ شبیرؑ باہم چاہیے شیرِ خالص میں حلاوت بے شکر ہوتی نہیں
کہتی تھی بانو سکینہؑ جان دے گی قید میں کون سی شب ہے کہ رونے میں بسر ہوتی نہیں

یا علیؑ حق میں انیسؔ زار کے کیجے دعا
میرے مولا اب کسی صورت بسر ہوتی نہیں

□□□

(۳۱)

شبیہ امامِ زماں کھینچتے ہیں ۔۔۔ تصور میں تصویرِ جاں کھینچتے ہیں

جگہ مول لی ہے مزاروں کی خاطر ۔۔۔ زمیں پر شہ دیں نشاں کھینچتے ہیں

قریں سر کے ہے آفتابِ قیامت ۔۔۔ لحد پر عبث سائباں کھینچتے ہیں

محبت کا رشتہ نہایت ہے نازک ۔۔۔ مجھے کس لئے قدر داں کھینچتے ہیں

اگر میں نہیں یوسفِ مصرِ معنی ۔۔۔ تو کیوں چاہ سے قدر داں کھینچتے ہیں

دکھا دوں زمینِ نجف کی بلندی ۔۔۔ بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں

تپ غم کی شدت میں کہتے تھے عابدؑ ۔۔۔ عجب سختیاں استخواں کھینچتے ہیں

سبکدوشیِ امتِ جد کی خاطر ۔۔۔ ضعیفی میں بارِ گراں کھینچتے ہیں

زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اک دن ۔۔۔ وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں

جھکاتے ہیں سر آستانِ علیؑ پر ۔۔۔ سرِ فخر تا لامکاں کھینچتے ہیں

نکلیو نہ بدلی سے اے برق خاطف ۔۔۔ حسینؑ آہِ آتش فشاں کھینچتے ہیں

عبث ہیں عدو درپئے قتلِ اصغرؑ ۔۔۔ یہ ایذا کہیں بے زباں کھینچتے ہیں

قلق ہے جگر گوشۂ مصطفیٰ کو ۔۔۔ وہ اپنے گماں میں کماں کھینچتے ہیں

وہ ہیں پہلواں ہم جو قوت دکھائیں ۔۔۔ فلک سے سرِ کہکشاں کھینچتے ہیں

سلامِ کہن پر یہ زور آزمائی — یہ اتری ہوئی کیوں کماں کھینچتے ہیں
نشانے سے ہے دور سہمِ مزاحف — خطا ہے جو اتری کماں کھینچتے ہیں
سخن ہے اگر باعثِ تلخ کامی — تو ہم آپ اپنی زباں کھینچتے ہیں
زمیندار سیراب ہیں کربلا کے — اذیّت امامِ زماں کھینچتے ہیں
اِدھر خشک ہے فاطمہؑ کی بضاعت — وہ کھیتوں میں آبِ رواں کھینچتے ہیں
ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل — وہ گل اب جفائے خزاں کھینچتے ہیں
کہاں بیڑیاں اور کہاں پائے عابدؑ — یہ لنگر کہیں ناتواں کھینچتے ہیں
پیادہ گئے شام تک اس روش سے — شتر جس طرح سارباں کھینچتے ہیں
پسینہ نہیں پونچھتے رخ سے حضرت — گلابِ گلِ ارغواں کھینچتے ہیں
نہ ہوگی صفت خالِ رخسارِ شہ کی — عبث خفتیں نکتہ داں کھینچتے ہیں
کہا حُرؑ سے شہ نے گناہوں پہ تیرے — خطِ عفو، اے میہماں کھینچتے ہیں
انھیں کے لیے ہے زمانے کی تلخی — بڑے رنج شیریں زباں کھینچتے ہیں
عجب ظلم ہے دخترِ فاطمہؑ پر — ردا سر سے ایذا رساں کھینچتے ہیں
پکاری سکینہؑ دہائی ہے بابا — ستمگر مری بالیاں کھینچتے ہیں
کٹی جاتی ہیں گردنیں بیبیوں کی — رسن کو جو ایذا رساں کھینچتے ہیں
یہ عالم ہے فرقت میں کہتی تھی صغراؑ — کہ رگ رگ سے جس طرح جاں کھینچتے ہیں
بہت باغِ دنیا کے کانٹوں سے اُلجھے — بس اب رختِ سوئے جناں کھینچتے ہیں
قدم بیڑیوں میں، ہیں رسّی میں بازو — یہ دُکھ عابدِ ناتواں کھینچتے ہیں
لکھیں کس طرح ناتوانیٔ عابدؑ — جو بپتیں پئے امتحاں کھینچتے ہیں
قلم یوں ہے کاغذ پہ رُک رُک کے چلتا — قدم جس طرح ناتواں کھینچتے ہیں

کہا رو کے اکبرؑ نے اے دردِ تھم جا کلیجے سے بابا سناں کھینچتے ہیں
جسے دیکھ کر ہوئے مانی کو حیرت وہ تصویرِ رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

انیسؔ اس زمیں میں بہت کم ہے وسعت
کمیتِ قلم کی عناں کھینچتے ہیں

□□□

maablib.org

۳۲

ضبطِ گریہ، ماتمِ سرور میں ہو سکتا نہیں
سر جھکا کر بیٹھ مجلس میں جو رو سکتا نہیں

رات اندھیری، پرسشِ اعمال، ایذائے فشار
قبر میں بھی چین سے انسان ہو سکتا نہیں

کارِ ذاتی میں ہیں عاجز کارسازانِ جہان
گرد اپنے منہ کی پانی آپ دھو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت وہ مشرق میں کہ مغرب میں مریں
دوستوں کے ہم نہ کام آئیں یہ ہو سکتا نہیں

شاہ فرماتے تھے فوجِ اشقیا روکے ہے گھاٹ
کوئی اک ساغر بھی دریا سے ڈبو سکتا نہیں

اللہ اللہ کیا وفا پرور تھا بازوئے حسینؑ
کوئی اپنی جان سے یوں ہاتھ دھو سکتا نہیں

جا کے دریا میں علمبردار نکلے تشنہ لب
صبر یہ دو روز کے پیاسے سے ہو سکتا نہیں

شاہ کہتے تھے یہ دنیا بھی ہے عبرت کی جگہ
مرگیا بیٹا جواں اور باپ رو سکتا نہیں

کربلا میں اپنا گھر کا گھر لٹا بیٹھے حسینؑ
ورنہ انساں دولتِ اولاد کھو سکتا نہیں

بیبیوں کی گود میں بیٹھے ہیں سب سہمے ہوئے
کوئی بچہ شمر کی دہشت سے رو سکتا نہیں

کہتے تھے حضرت، گلا کٹ جائے یا لٹ جائے گھر
حاکمِ فاسق کا تابع ہوں، یہ ہو سکتا نہیں

کہتے تھے عابدؑ عزاداروں کے اشکوں کے سوا
کوئی آنسو دفترِ عصیاں کو دھو سکتا نہیں

کہتے تھے شہ روزِ عاشورا قیامت کا ہے دن
باپ کو بیٹا، پسر کو باپ رو سکتا نہیں

کہتی تھیں بانوؑ خبر اصغرؑ کی لیجیے یا حسینؑ
اب تو ایسا ضعف طاری ہے کہ رو سکتا نہیں

نظم ہے یا ہیں دُرِ شہوار کی لڑیاں انیسؔ
جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

۳۳

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گُل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارہ نہیں

بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں جو ہارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گذارا نہیں

سکندر کی خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

گئے پہنچے نعلین واں مصطفیٰؐ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

فقیروں کو چھیڑو نہ اے منعمو
تمھارا خدا ہے ہمارا نہیں

انھیں بھی وہ رزاق دیتا ہے رزق
جنھیں نانِ جو کا سہارا نہیں

پھرے دوست جب ہوگئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر فرس سے حسینؑ
کسی نے فرس سے اتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسینؑ
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

ہے صف بستہ گویا ملائک کی صف
یہ بزمِ شہ دیں صف آرا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیسؔ
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

۳۴

سلامی کی حسرت کا چارہ نہیں — امامِ زماں آشکارا نہیں
عجب منزلِ بیکسی ہے لحد — کسی کو کسی کا سہارا نہیں
غمِ شاہ سے گلشنِ دہر میں — گریباں کس گل کا پارہ نہیں
یہ گویا ہوئی شاہ سے ذوالفقار — کہ اعدا کا طعنہ گوارا نہیں
حضور ان پہ کرتے ہیں لطف و کرم — ذرا جن کو تم سے مداوا نہیں
علیؑ کی قسم کیجیے اب علم — تحمل کا اب مجھ کو یارا نہیں
وہ دریا ہوں جس میں دو عالم ہوں غرق — کنارے کا میرے کنارہ نہیں
میں آتش ہوں سیماب ہیں اہلِ کیں — کبھی قائم النار پارا نہیں
مجھے فاطمہؑ سے خجالت نہ ہو — بس اب دیر مجھ کو گوارا نہیں
جواب ان کو کیا دوں گی پوچھیں گی جب — سرِ شمر تو نے اتارا نہیں
کہا شہ نے یہ سب سہی پر ہمیں — کوئی امتِ جدؑ سے پیارا نہیں
ہوئے قتل اکبرؑ تو دل نے کہا — حسینؑ اب تحمل گوارا نہیں
ملی جب نہ لاشِ پسر بولے شاہ — کوئی زیست کا اب سہارا نہیں
مرقع شہیدوں کا سب ہے مگر — شبیہِ نبیؐ آشکارا نہیں

کہاں زخم کھایا، کدھر گر پڑے　　نشاں قتل گہہ میں تمھارا نہیں
ندا دی کبھی رو کے سُوئے فلک　　ستارے ہیں سب وہ ستارا نہیں
کلیجے میں شاید زیادہ ہے درد　　کہ بابا کو اب تک پکارا نہیں
کبھی آہ کی رکھ کے سینے پہ ہاتھ　　دلا درد کا اپنے چارہ نہیں
کبھی نہر سے یوں مخاطب ہوئے　　کہ تجھ میں تو موتی ہمارا نہیں
پکارے کبھی لے کے اکبرؑ کا نام　　مری جان، روٹھو خدارا نہیں
سکینہؑ پکاری بندھا جب گلا　　اخی، اب تحمل گوارا نہیں
وہ بولے بندھے ہیں مرے ہاتھ بھی　　بہن کیا کریں بس ہمارا نہیں
گرے شہ تو دیکھا زمیں صاف ہے　　کہیں خار و خس آشکارا نہیں
کہا دل سے کس نے یہ جھاڑا مکاں　　کوئی دوست باقی ہمارا نہیں
مرے چین کی فکر زینبؑ کو ہے　　سو مقتل میں اس کا گزارا نہیں
ندا آئی واری تردد ہے کیا　　کہیں ماں کو تم سے کنارہ نہیں
ہزاروں جراحت ہیں اور اک بدن　　کوئی عضو ثابت تمھارا نہیں
غضب تھا جو ان زخموں میں چبھتے خار　　ترا بال بیکا گوارا نہیں
مکاں کون گنجِ شہیداں میں ہے　　جو بالوں سے میں نے بہارا نہیں
کہا شمر نے حُرؑ سے ہنگامِ جنگ　　شجاعوں کو لازم کنارہ نہیں
خلیفہ سے پھر کر نہ جا سوئے شاہ　　مجھے تیرا نقصاں گوارا نہیں
اِدھر سیر پانی سے ہیں سب دلیر　　اُدھر بوند بھر کا سہارا نہیں
یہی وقتِ اخذِ زر و مال ہے　　پھر آنے کا یہ دن دوبارہ نہیں
وہ غصے سے بولا کہ بس بس خموش　　کہ اب ضبط کا دل کو یارا نہیں

سر و جان و تن، مال و فرزند و زن — کوئی ابنِ زہراؑ سے پیارا نہیں
کنارہ کیا شہ نے دریا سے جب — ہمیں کیوں مناسب کنارہ نہیں
ندائے علیؑ آئی اے حُرؑ یہ کہہ — تجھے حالِ غیب آشکارا نہیں
مبارک ہمیں خلد، تجھ کو سقر — وہ تیرا نہیں یہ ہمارا نہیں
علیؑ دیں گے کوثر سے بھر بھر کے جام — کسی کا وہاں کچھ اجارہ نہیں

چلو کربلا بے تردد انیسؔ
پئے کارِ خیر استخارہ نہیں

□□□

۳۵

رنج دنیا سے کبھی چشم اپنی نم رکھتے نہیں
جز غمِ آلِ عبا ہم اور غم رکھتے نہیں

کربلا پہنچے، زیارت کی، ہمیں پروا ہے کیا
اب ارم بھی ہاتھ آئے تو قدم رکھتے نہیں

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ہم واں قدم رکھتے نہیں

صورتِ محراب خم ہوکر بصد عجز و نیاز
سر نہ رکھیں گر تو منبر پر قدم رکھتے نہیں

دیکھنا، کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر
آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علیؑ کے شیر ہیں
جب بڑھاتے ہیں تو پھر پیچھے قدم رکھتے نہیں

دھو دیے اشکوں نے دفتر سے مرے اعمالِ زشت
ہم تری پروا کچھ اے ابرِ کرم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ
اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں

جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر کچھ خیالِ بیش و کم رکھتے نہیں

زور سے اس کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن
اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں

یہ دوات و خامہ ہے ملکِ فصاحت کا نشاں
کون کہتا ہے کہ ہم طبل و علم رکھتے نہیں

نقدِ جاں بھی دے کے ہم جاتے ہیں یاں سے وقتِ کوچ
عاریت جو شے ہو اس کو پاس ہم رکھتے نہیں

ایک کشکولِ توکل، ایک نقدِ جاں ہے پاس
ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

کہتے تھے سجادؑ کھنچ سکتی نہ تھیں جب بیڑیاں
کیا کروں، اس بوجھ کی طاقت قدم رکھتے نہیں

کہتی تھیں فضہ کے لوٹو گے آکر ظالمو سیم و زر شبیرؑ کے اہلِ حرم رکھتے نہیں
یہ مکاں محبوبِ حق کا ہے نہ آنا اس طرف بے اجازت یاں ملائک بھی قدم رکھتے نہیں
فقر و فاقہ میں ہمیشہ ہوگئی سب کی بسر ان رداؤں کے سوا کچھ اور ہم رکھتے نہیں
چادریں چھینیں جو رانڈوں کی تو زینبؑ نے کہا کچھ حیا و شرم یہ اہلِ ستم رکھتے نہیں

مرثیہ اک دن میں کیا سب کہہ کے اٹھو گے انیسؔ
ہاتھ سے کیوں آج قرطاس و قلم رکھتے نہیں

□□□

maablib.org

(۳۶)

شبیرؑ کے غم میں رو رہے ہیں — منہ آبِ گہر سے دھو رہے ہیں
گندم گندم سے جو سے جو ہے — کاٹیں گے وہی جو بو رہے ہیں
بے رنج ہیں خفتگانِ مرقد — کیسی راحت سے سو رہے ہیں
بے آب ہے شہ کا تیسرا دن — اعدا سیراب ہو رہے ہیں
بیڑا امت کا تھامنے کو — کشتی اپنی ڈبو رہے ہیں
اکبرؑ سے پسر کو دی ہے رخصت — اپنی دولت کو کھو رہے ہیں
محبوبِ خداؐ کے تن کے کپڑے — اعدا خوں میں ڈبو رہے ہیں
تیغِ اسدِ خدا کے ڈر سے — چھپ چھپ کے کمینہ خو رہے ہیں
ڈھالوں نے بچالئے ہیں سینے — تلواروں کے سر فرو رہے ہیں
روتے تھے بزم میں گنہگار — فردیں عصیاں کی دھو رہے ہیں
ہے سلکِ گہر یہ رشتۂ نظم — کیا کیا موتی پرو رہے ہیں
تیروں کی ہے شہ کے تن پہ بوچھار — تلواروں سے چور ہو رہے ہیں
سب زخم کہو کے آنسوؤں سے — شہ کی غربت پہ رو رہے ہیں
بیتاب ہے پیاس سے سکینہؑ — اصغرؑ جھولے میں رو رہے ہیں

جس کو نہ کیا ہو چار پارہ ایسے کہیں سَو میں دو رہے ہیں
کیسا آبِ حیات اے خضر ہم جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں
کیں جن پہ ریاضتیں وہی گُل کانٹے مرے حق میں بو رہے ہیں
بہتا ہے انیسؔ خونِ انصاف
مضمون مرے قتل ہو رہے ہیں

□□□

۳۷

شاہ تنہا ہیں مددگار نہیں مجرئی کوئی جلو دار نہیں
قدرداں کم ہیں، بہت اہلِ کمال جنس ارزاں ہے خریدار نہیں
کسوتِ خانہ کعبہ ہے سیاہ کون حضرت کا عزادار نہیں
گرم ہے مجلس ماتم ہر جا سرد ہوئے یہ وہ بازار نہیں
شاہ کہتے تھے کہ سائل کے لئے سر تلک دینے میں انکار نہیں
بوسے لے لے کے یہ فرماتے تھے شاہ لب معشوق ہے سوفار نہیں
غل ہوا چمکی جو شمشیرِ حسینؑ غضب حق ہے یہ تلوار نہیں
جب بڑھا پاؤں تو بھاگے دس بیس جب چلا ہاتھ تو دوچار نہیں
کہتے تھے شہ، کسے دکھلاؤں یہ جنگ ہائے عباسؑ علمدار نہیں
بزم میں دوست بھی ہیں دشمن بھی کون سا گل ہے جہاں خار نہیں
غل تھا کعبے میں کہ عابدؑ ہے امام اس پہ یہ ظلم سزاوار نہیں
بخدا تاجِ سرِ عرش ہے یہ آج گو فرق پہ دستار نہیں
دم میں چاہے تو جلا دے مُردے سب کا عیسیٰ ہے یہ بیمار نہیں
بیڑیاں آئیں تو عابدؑ نے کہا ظالمو کچھ مجھے انکار نہیں

سالک راہِ خدا ہے سجادؑ خطرِ وادیٔ پُرخار نہیں

[دکھ مجھے کیا ہے کہ زخمی نہیں تن ٹکڑے تیغوں سے تنِ زار نہیں
[حلق بابا نے کٹایا یہ تو طوق ہے خنجرِ خونخوار نہیں

جھک کے دشمن سے بھی ملتا ہے انیسؔ
نہ کٹے جو یہ وہ تلوار نہیں

□□□

(۳۸)

نہ منصب سے غرض نے خواہشِ جاگیر رکھتے ہیں
جو رکھتے ہیں تو عشقِ روضۂ شبیرؑ رکھتے ہیں

خیالِ زلف و روئے حضرتِ شبیرؑ رکھتے ہیں
ہم اپنی چشم میں دن رات کی تصویر رکھتے ہیں

شبِ ہفتم سے ہے غیظ و غضب عباسؑ غازی کو
نہ کاندھے سے سپر نے ہاتھ سے شمشیر رکھتے ہیں

ٹپک پڑتے ہیں مثلِ شمع آنسو جلنے والوں کے
مرے دلسوز نالے بھی عجب تاثیر رکھتے ہیں

بلا قید آئیں سائل، تھا یہ حکمِ حیدرؑ صفدر
سخی جو ہیں، دروازے میں کب زنجیر رکھتے ہیں

تجرد پیشہ ہیں، ہم کو عداوت ہے تعلق سے
کمر میں بہرِ قطعِ آرزو زنجیر رکھتے ہیں

نبیؐ کے نقشِ پا ہیں یہ زمانہ جن سے روشن ہے
مہ و خورشید کب اس طرح کی تنویر رکھتے ہیں

ورائے فقر کیا ہے اور گھر میں ہم فقیروں کے
وہ دیوانے ہیں دروازے میں جو زنجیر رکھتے ہیں

خوشی ہے قربِ حق کی، آرزو امت کی بخشش کی
گلا خود زیرِ خنجر حضرتِ شبیرؑ رکھتے ہیں

بھلا دیکھیں فشارِ قبر یاں تک کیونکر آتا ہے
کفن میں ہم غبارِ تربتِ شبیرؑ رکھتے ہیں

وہ کٹواتے ہیں امت کے لئے سوکھے گلے اپنے
جو فردوسِ بریں میں جوئے شہد و شیر رکھتے ہیں

علیؑ کی تیغ سے کھودی ہے رن میں قبر چھوٹی سی
لحد میں آپ حضرت لاشۂ بے شیر رکھتے ہیں

وطن سے جن سموں نے شاہ کو مہماں بلایا تھا
وہ تلواروں پہ باڑھیں، ترکشوں میں تیر رکھتے ہیں

بچھا دیتا ہے خولی نوکِ نیزہ پشتِ عابدؑ پر
زمیں پر ہاتھ سے جب پاؤں کی زنجیر رکھتے ہیں

یہ وقتِ ظہر گردوں سے صدا آتی تھی ہاتف کی کہ ہاتھ اب قبضۂ شمشیر پر شبیرؑ رکھتے ہیں
وہ پنجہ ہے کہ جس میں قوتِ مشکل کشائی ہے وہ بازو ہیں جو زورِ شاہِ خیبر گیر رکھتے ہیں
کسی نے نزع میں یہ مرتبہ یہ اوج پایا ہے؟ سر حرؑ اپنے زانو پر شہِ دلگیر رکھتے ہیں

توقع جن سے تھی وہ لوگ مطلب آشنا نکلے
انیسؔ افسوس ہم بھی کیا بری تقدیر رکھتے ہیں

□□□

۳۹

اشکوں کا شور ہے مری چشمِ پُرآب میں
دریا بھرے ہوئے ہیں سلامی حباب میں

شیعوں کو کچھ نہیں خطرِ منکر و نکیر
حیدرؑ شریک ہوں گے سوال و جواب میں

مظلومیٔ حسینؑ کا مجلس میں ذکر ہے
یارو بکا کرو کہ ہو داخل ثواب میں

کرتا جو ابنِ ساقیٔ کوثر سوالِ آب
آتے تھے تیرِ ظلم اُدھر سے جواب میں

اکبرؑ کے رُخ کو دیکھ کے کہتے تھے اہلِ شام
دیکھا نہیں یہ نور کبھی آفتاب میں

روتا ہوں جب کہے کوئی مظلومِ کربلا
کیا بیکسی بھری ہوئی ہے اس خطاب میں

سہرا نہ دیکھا بانو نے اکبرؑ کے بیاہ کا
ارماں یہ رہ گیا دلِ پُر اضطراب میں

پیری میں اس پدر کے کلیجے کو دیکھئے
فرزند جس کا قتل ہو عینِ شباب میں

اکبرؑ جہاں سے اٹھ گئے ناشاد و نامراد
برچھی ستم کی سینے پہ کھائی شباب میں

ہنگامِ ذبح کہتے تھے شہ شکر اے کریم
کیا کیا مزے ملے مجھے خنجر کی آب میں

سجادؑ کے گلے میں تھا یوں طوقِ آہنی
لگتا ہے جس طرح سے گہن آفتاب میں

کہہ کر چلا یہ حُرِؑ جری جانبِ امام
دشتِ خطا سے جاتا ہوں راہِ صواب میں

آئی ندائے غیب کہ گھوڑے سے جلد اتر
ہے پا پیادہ فاطمہؑ تیری رکاب میں

قاسمؑ تو مانگتے تھے رضا رن کی بار بار
نہوڑائے سر کو روتی تھی کبریٰ حجاب میں

زینبؑ یہ کہتی تھیں نہ بچے گا علیؑ کا لال   اماں برہنہ سر نظر آئی ہیں خواب میں
مرنے کو جب چلے تو بجز بیکسی نہ تھا   کوئی رکابِ سبطِ رسالت مآبؐ میں
اک بار آئی عالمِ بالا سے یہ صدا   کس شوق سے چلا ہے تو راہِ صواب میں
ہاں اے سوارِ دوشِ پیمبرؐ سوار ہو   روح الامیں کا ہاتھ ہے تیری رکاب میں
ڈھالوں میں یوں در آتی تھی شمشیرِ شاہِ دیں   جیسے چمک کے گرتی ہے بجلی سحاب میں
سجادؑ سے جو پوچھتا زخموں کا شہ کے حال   کہتے تھے درد ہے دلِ پُر اضطراب میں
تن پر ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تھے   زخمِ گلو نہیں ہے مگر اس حساب میں
زنداں میں کہتی تھی یہ سکینہؑ کہ تم بغیر   کٹتا ہے دن قلق میں تو شب اضطراب میں
ظاہر میں تم گر آ نہیں سکتے تو بابا جان   بیٹی کو آکے شکل دکھا جاؤ خواب میں
زینبؑ نے شمر سے کہا بیٹی علیؑ کی ہوں   منہ تو مجھے چھپانے دے ظالم نقاب میں
جب زخمِ شہ نہ گن سکے عابدؑ تو یہ کہا   ان کا شمار ہوئے گا روزِ حساب میں

شام و سحر خدا سے دعا ہے یہی انیسؔ
ہوں خاک روضۂ خلفِ بوتراب میں

□□□

(۴۰)

السّلام اے لحدِ اقدس و اعلائے حسینؑ
مہبطِ نورِ خدا، طورِ تجلائے حسینؑ

مرکزِ دائرہ دیں، شرفِ کون و مکاں
قبلۂ عالمیاں، منزل و ماوائے حسینؑ

عرش سے آکے ملک ہوتے ہیں مجلس میں شریک
اے خوشا مرتبۂ بزمِ معلائے حسینؑ

یہی بخشش کا وسیلہ ہے، یہی راہِ نجات
فرض ہے امتِ احمدؐ پہ تولائے حسینؑ

کون سی چشم ہے جاری نہیں جس سے آنسو
کون سا دل ہے کہ جس دل میں نہیں جائے حسینؑ

مالکِ نور تھے دنیا میں سدا مثلِ علیؑ
پارۂ نان و نمک تھا من و سلوائے حسینؑ

مکّی و ہاشمی و مُطّلبی و قرشی
فخرِ اقلیمِ عرب تھے جد و آبائے حسینؑ

چرخ نے عالمِ ایجاد کو چھانا کیا کیا
جز حسنؑ اور نہ پایا کوئی ہم پائے حسینؑ

کان رکھ کر جو کوئی قبر پہ زہراؑ کی سنے
یک بیک آئے صدا ہائے حسنؑ ہائے حسینؑ

قد و قامت وہی، زلفیں وہی، رخسار وہی
کیا محمدؐ سے مشابہ تھا سراپائے حسینؑ

قمریاں طوقِ غلامی کا گلے میں ڈالیں
سرو گڑ جائے جو دیکھے قد و بالائے حسینؑ

سرمۂ عینِ بصیرت اسے سمجھیں حوریں
ہاتھ آجائے اگر خاکِ کفِ پائے حسینؑ

رفقا کہتے تھے رکھ دیں ابھی تیغوں پہ گلے
حکمِ خالق ہے ہمارے لئے ایمائے حسینؑ

شمر نے گردنِ اقدس کو قضا سے کاٹا
ہر ہٹی سجدۂ خالق سے نہ سیمائے حسینؑ

قتل ساحل پہ ہوئے بھائی، بھتیجے، بیٹے — خوں میں سب ڈوب گئے گوہرِ دریائے حسینؑ

فرق پر گرز لگا، ہاتھ کٹے شانوں سے — ہائے عباسؑ علی، عاشق و شیدائے حسینؑ

اپنی آغوش میں رکھتے تھے محمدؐ دن بھر — سینۂ فاطمہؑ پر رات کو تھی جائے حسینؑ

مختصر حال یہ بچپن کا ہے پر قتل کے بعد — رہ گیا دھوپ میں عریاں تنِ زیبائے حسینؑ

سر دیا اور نہ دیا ہاتھ میں میخوار کے ہاتھ — واہ کیا فہم تھی، کیا عقل تھی، کیا رائے حسینؑ

ہم رہِ راست سے واللہ بھٹکنے کے نہیں — جادۂ گلشنِ جنت ہے تولائے حسینؑ

جس سے جاری ہوئے آفاق میں نو چشمۂ نور — رحمتِ حضرتِ غفار ہے دریائے حسینؑ

حق کے محبوب نبیؐ ہیں یہ نبیؐ کے محبوب — پوچھے احمدؐ سے کوئی رتبۂ اعلائے حسینؑ

کھیت سینچے گئے، سیراب ہوئے وحش وطیور — تین دن تک تجھے پانی نہ ملا ہائے حسینؑ

بیاہ اکبرؑ کا، نہ اصغرؑ کی جوانی دیکھی — ہے غضب کوئی نہ بر آئی تمنائے حسینؑ

سر پٹکتی تھیں اگر ٹوٹتا تھا زلف کا بال — جنتِ احمدؐ کو گوارا تھی نہ ایذائے حسینؑ

ایک دن یہ تھا اور اک دن یہ غضب کا آیا — ہائے نیزے سے بندھی زلفِ سمن سائے حسینؑ

دشمنوں سے بھی نہ خاطر پہ کدورت آئی — نور کا آئینہ تھا قلبِ مصفائے حسینؑ

اونٹ سے گر کے یہ مقتل میں پکاری زینبؑ — ہے غضب، خاک پہ ہے قامتِ رعنائے حسینؑ

ہے غضب امتِ احمدؐ نے تجھے ذبح کیا — تیری تقصیر نہ تھی کچھ مرے ماں جائے حسینؑ

سیرِ فردوس پہ ہو دورۂ صہبائے طہور — اے خدا جلد دکھا ساغر و مینائے حسینؑ

حُر کو خلعے بھی دیے، حور بھی دی، جنت بھی — اُس مصیبت میں یہ تھی ہمتِ والائے حسینؑ

بیٹیاں بہویں علیؑ کی ہوئیں سب بے چادر — جب کہ خیمے میں دھنسے لوٹ کو اعدائے حسینؑ

تشنہ و بیکس و مظلوم و غریب و مضطر — قتل کے بعد یہ مشہور ہیں اسمائے حسینؑ

قمریاں سرو پہ کوکو کی صدا دیتی ہیں — چھپ گیا خاک میں جب سے قدِ زیبائے حسینؑ

قبر سے ختم رسلؐ چاک گریباں نکلے — رن میں جس وقت کفن پہنے ہوئے آئے حسینؑ
ہے غضب دفن ہوں کفار کے لاشے رن میں — تا بہ چہلم نہ کفن اور نہ لحد پائے حسینؑ
روزِ عاشور لٹا دشت میں سرسبز چمن — خاک میں مل گئے کیا کیا گلِ رعنائے حسینؑ
ضعف طاری ہوا، طاقت نہ سنبھلنے کی رہی — تبر و تیر سے جب کٹ گئے اعضائے حسینؑ
بڑھ کے بازوئے پسر دستِ خدا نے تھاما — جب ہوئے غش میں رکابوں سے جدا پائے حسینؑ

ہند میں ہوں یہ شب و روز دعا ہے یہ انیسؔ
قبر ہو متصلِ قبرِ معلائے حسینؑ

□□□

maablib.org

۴۱

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھتے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھتے ہیں

نبیؐ کا عزّو شرف بوتراب سمجھتے ہیں
علیؑ کی قدر رسالت مآبؐ سمجھتے ہیں

کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا
ہر ایک ذرّے کو ہم آفتاب سمجھتے ہیں

کریم، مجھ کو عطا کر وہ فقر دنیا میں
کہ جس کو فخر رسالت مآبؐ سمجھتے ہیں

کہاں یہ مشکِ ختن اور کہاں حسینؑ کی زلف
یہ موشگاف خطا کو صواب سمجھتے ہیں

بھگو کے کھاتے ہیں پانی میں نانِ خشک کو وہ
اس آبرو کو جو موتی کی آب سمجھتے ہیں

ابوترابؑ کے در کا ہے ذرّۂ بے قدر
ہم آسماں پہ جسے آفتاب سمجھتے ہیں

سیاقِ رحمتِ معبود ہے قیامت و حشر
ہم اس کو بھی کرمِ بے حساب سمجھتے ہیں

جنھیں حصول ہوا رتبۂ فنا فی اللہ
حیات و موت کو وہ ایک خواب سمجھتے ہیں

عجب نہیں ہے جو شیشوں میں بھر کے لے جائیں
ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھتے ہیں

ارے نہ آئیو دنیائے دوں کے دھوکے میں
سراب ہے یہ جسے موجِ آب سمجھتے ہیں

یہ اشکِ تاک ہے کہتے ہیں جس کو آبِ طرب
یہ خونِ گُل ہے جسے سب گلاب سمجھتے ہیں

زمانہ ایک طرح پر کبھی نہیں رہتا
اسی کو اہلِ جہاں انقلاب سمجھتے ہیں

انھیں کو دارِ بقا کی ہے پختگی کا خیال
جو بے ثباتیِ دہرِ خراب سمجھتے ہیں

شباب کھو کے بھی غفلت وہی ہے پیروں کو
سحر کی نیند کو بھی شب کا خواب سمجھے ہیں
جھکائیں سر کو نہ کیونکر عراق کے فصحا
سوالِ شاہ کو سب لاجواب سمجھے ہیں
جو ذوالجناح کو سمجھے ہیں آسماں شوکت
قمر کو زیں، مہ نو کو رکاب سمجھے ہیں
بہشت دے گا خدا خود انھیں تعال اللہ
علیؑ کے دَر کو جو رحمت کا باب سمجھے ہیں
صدا یہ دھوپ میں آتی تھی شہ کے لاشے سے
کہ سہل ہم تپشِ آفتاب سمجھے ہیں
خدا کی راہ میں ایذا سے جن کو راحت ہے
زمینِ گرم کو وہ فرشِ خواب سمجھے ہیں
لحد میں آئیں نکیرین آئیں بسم اللہ
ہر اک سوال کا ہم بھی جواب سمجھے ہیں
حسینؑ کہتے تھے مرنا ہے خوب بیعت سے
ہم اُس کو نیک اِسے ناصواب سمجھے ہیں
حبیب ابن مظاہر نے عرض کی مولا
غلط ہے سب جو یہ خانہ خراب سمجھے ہیں
ہم اس حصار کو اک دم میں توڑ ڈالیں گے
یہ جس کو قلعۂ خیبر کا باب سمجھے ہیں
اگر غرور ہے اعدا کو اپنی کثرت پر
تو اس حیات کو ہم بھی حباب سمجھے ہیں
نہ کچھ خبر ہے حدیثوں کی ان سفیہوں کو
نہ یہ معانیٔ امّ الکتاب سمجھے ہیں
کبھی شقی متمتع نہ ہوں گے دنیا سے
جسے یہ آب، اُسے ہم سراب سمجھے ہیں
گلا کٹانے کو بیعت سے بہتر و خوشتر
حضور سمجھے ہیں یا بوترابؑ سمجھے ہیں
جو سلسبیل کو اک دن سبیل کردے گا
خدا کی شان اُسے محتاجِ آب سمجھے ہیں
تلف ہوا کوئی بیٹا جواں تو جانیں گے
ہمارے صبر کو جو اضطراب سمجھے ہیں
مزیلِ عقل ہے دنیا کی دولت اے منعم
اسی کے نشئے کو صوفی شراب سمجھے ہیں
مرارتیں ہیں نہاں، حلاوتِ دنیا
وہ زہر ہے جسے ہم شہدِ ناب سمجھے ہیں
علیؑ کو کہتے ہیں بے فصل جو وصیِّ نبیؐ
وہی نکاتِ حدیث و کتاب سمجھے ہیں[1]

---

[1] یہ غیر مطبوعہ اشعار جناب سید علی دانش لکھنوی کی کتاب "عکس زار" سے لیے گئے ہیں۔

حسینؑ پیاس میں منہ کھولتے ہیں ذبح کے وقت
چمک کو خنجرِ قاتل کی آب سمجھے ہیں

خدا پناہ دے صدقے میں پنجتن کے اسے
ہم آبرو کی جسے آب و تاب سمجھے ہیں

خدا نے ہے اماموں کو چشمِ آخر بیں
وہی بجا ہے کہ جو کچھ جناب سمجھے ہیں

دیا ہے جس کو شرف حق نے خاکساری کا
زمینِ گرم کو وہ فرشِ خواب سمجھے ہیں

لگا رہے ہیں جگر گوشۂ رسولؐ کے تیر
خطا کی راہ کو خاطی صواب سمجھے ہیں

ہے جن پہ دامنِ خاتونِ حشر کا سایہ
وہ سرد گرمیٔ روزِ حساب سمجھے ہیں

شباب وشیب عجب غفلتوں میں گزرا ہے
وہ شب کا خواب، اسے دن کا خواب سمجھے ہیں

دیے ہیں عالم و دانا نے جن کو اپنے علوم
وہی دقائق اُم الکتاب سمجھے ہیں

انھیں کو طول امل سے غرض نہیں جو لوگ
قلیل عمر جہانِ خراب سمجھے ہیں

نہ کنہ ذاتِ الٰہی کوئی بشر سمجھا
مگر جناب رسالت مآبؐ سمجھے ہیں

عرق کو چہرۂ سرور کے اور گیسو کو
اُسے گلاب اِسے مشک ناب سمجھے ہیں

مفرّحِ جگر و قلب ہے تو قوتِ روح
ہم اشک دیدۂ تر کو گلاب سمجھے ہیں

پکارتے تھے یہ خندق کی جنگ میں جبریل
خدا کا قہر علیؑ کا عتاب سمجھے ہیں

تمام قبر میں ہے روشنی مثالِ فلک
ہم اپنا داغِ جگر آفتاب سمجھے ہیں

یہ نقشِ کفشِ رسولؐ خدا ہے جلوہ نما
جسے سپہر پہ سب آفتاب سمجھے ہیں

انیسؔ مخمل و دیبا سے کیا فقیروں کو
اسی زمین کو ہم فرشِ خواب سمجھے ہیں

□□□

(۴۲)

تحریر کی جو مجرئی شہ کے علم کی شان
راقم کے ہاتھ میں ہوئی دونی قلم کی شان

عباسؑ نے جو دوش پہ رکھا دمِ نبرد
پرچم سے اور شاہِ شہیداںؑ کی چمکی شان

خورشید شرم سے کئی دن تک چھپا رہا
نیزے پہ دیکھ کر سرِ شاہِ اُمم کی شان

روئیں نہ کیوں ہلالِ محرم کو دیکھ کر
ناخن بدل ہے سبطِ پیمبرؐ کے غم کی شان

ہو کر سوار گھوڑے پہ لڑنے کو جب چلے
حیراں ملک تھے دیکھ کے شاہِ اُمم کی شان

ہے کثرتِ ہلال سے رشکِ فلک زمیں
دیکھو سمندِ شاہ کے نقشِ قدم کی شان

چھینیں جو سر کی چادریں یہ کہہ کے شمر نے
بس ہو چکی حسینؑ کے جاہ و حشم کی شان

سجادؑ بولے، مالکِ تطہیر ہیں یہ لوگ
موقوف چادروں پہ نہیں ہے حرم کی شان

قاسمؑ چلے جو رن کو تو ماں بولی بی بیو
دیکھو مرے مسافرِ ملکِ عدم کی شان

سوئے فرات مشک وعلم لے کے جب چلے
شہ بولے کوئی دیکھے سکینہؑ کے غم کی شان

ہو جائے غرق جوئے خجالت میں اے انیسؔ
دیکھے اگر سحاب مری چشمِ نم کی شان

□□□

(۴۳)

زرد چہرہ ہے نحیف و زار ہوں
ماتمِ سجادؑ میں بیمار ہوں

مثلِ بوئے گل سفر ہوگا مرا
وہ نہیں میں جو کسی پر بار ہوں

بلبلیں دم بھر جدا ہوتی نہیں
کس گلِ تر کے گلے کا ہار ہوں

عالمِ پیری میں آئے کون پاس
اے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

دیکھ کر پستی ملا ہے مجھ کو اوج
گر کے جو اٹھتی ہے وہ دیوار ہوں

ہر کس و ناکس سے جھکنے کا نہیں
ہمدمو! میں تیغ جوہر دار ہوں

بس ہے مجھ کو نانِ خشک و آبِ سرد
اے فلک کس کس کا منت دار ہوں

اے زمیں مجھ کو حقارت سے نہ دیکھ
آسماں کا طرّۂ دستار ہوں

شہ کو صغراؑ نے یہ عرضی میں لکھا
رحم کیجئے طالبِ دیدار ہوں

شام سے گنتی ہوں تارے تا سحر
صورتِ مہتاب، شب بیدار ہوں

شربتِ دیدار ہے میری دوا
اے مسیحائے زماں، بیمار ہوں

کہتے تھے عباسؑ اے فوجِ یزید
میں غلامِ سیّدِ ابرار ہوں

میرا آقا ہے حسینؑ بن علیؑ
ابنِ زہراؑ کا علمبردار ہوں

زور جعفرؑ کا مرے بازو میں ہے
جنگ کرنے کے لیے تیار ہوں

کون ہے کونین میں مجھ سا جری
صف شکن ہوں، صفدر و جرّار ہوں
کاٹ ڈالوں گا سرِ اعدائے دیں
ذوالفقارِ حیدرؑ کرّار ہوں
کہتے تھے عابدؑ. انھیں کیونکر قدم
اے ستمگارو نحیف و زار ہوں

دم بدم کھینچو نہ میرے ہاتھ کو
پاؤں بڑھ سکتے نہیں ناچار ہوں
میں پیادہ تم ہو گھوڑوں پر سوار
کس طرح دوڑوں بہت بیمار ہوں

کہتے تھے اعدا سے حضرت وقت جنگ
ورثہ دارِ حیدرؑ کرّار ہوں
میں چڑھا ہوں مصطفیٰؐ کے دوش پر
میں شبابِ خُلد کا سردار ہوں
جبر میں نے خود کیا ہے اختیار
ورنہ جو چاہوں کروں مختار ہوں
خرمنِ ہستی ابھی ہو جل کے خاک
برقِ قہرِ حضرتِ قہار ہوں
بنتِ احمدؐ کا پیا ہے میں نے شیر
شیر ہوں، جرّار ہوں، کرّار ہوں
پہلے حملے میں اُلٹ دوں فوج کو
ایک دم میں ان صفوں سے پار ہوں
بیچ میں ہے امتِ جد کا قدم
کیا کروں مجبور ہوں ناچار ہوں

بولا حُرؑ، لالچ دیا جب شمر نے
میں نثارِ سیّدِ ابرار ہوں
پھر فدا ہونے کی حسرت ہو مجھے
شاہ پر صدقے اگر سو بار ہوں
مجھ کو بہکاتا ہے او مردودِ خلق
تو ہے غافل اور میں ہوشیار ہوں
چھوڑ کر کعبے کو آؤں سوئے دیر؟
نور ہوکر پھر شریکِ نار ہوں

کہتی تھی تیغِ علیؑ یا شاہِ دیں
حکم اگر دیجے تو آشکار ہوں
سب کو کردیتی ہوں فرش اک آن میں
عرش سے اتری ہوئی تلوار ہوں
وار میرا روک سکتا ہے کوئی؟
چیر کر دم میں صفوں سے پار ہوں
میں نے کاٹے ہیں پرِ روح الامیں
میں علیؑ کی تیغ جوہر دار ہوں

چار آئینہ ہو بر میں یا زرہ   چاک کردوں اس کو جس سے چار ہوں
کیا کروں اے خاصِ آلِ عباؑ   آپ کے اس رحم سے ناچار ہوں
کہتی تھی زینبؑ دہائی یا علیؑ   سر برہنہ میں سرِ بازار ہوں

سوکھ کر کانٹا ہوا ہوں اے انیسؔ
آنکھ میں دشمن کی اب تک خار ہوں

□□□

۴۴

کہتی تھی زینبؑ دل خستہ مرے بیر حسینؑ
خاک میں کس نے ملائی تری تصویر حسینؑ

تم تو پردیس میں سر اپنا کٹا کر سوئے
شام کو جاتی ہے سر ننگے یہ ہمشیر حسینؑ

تازیانے مجھے بے جرم لگاتے ہیں لعیں
اس خطا کی انھیں دیتے نہیں تعذیر حسینؑ

روح پیاسی تری جنت کو سدھاری صد حیف
پانی ہاتھ آیا نہ لیکن کسی تدبیر حسینؑ

تیرے لاشے کو کفن بھی نہ ملا ہائے اخی
سر پہ چادر نہ رہی کیا کروں تدبیر حسینؑ

گھر سے بلوا کے کیا آلِ محمدؐ کو شہید
ننگے سر اونٹوں پہ ہم کو کیا تشہیر حسینؑ

پوچھتی ہے تمھیں ہر بار سکینہؑ مجھ سے
اس کے بہلانے کی اب کیا کروں تدبیر حسینؑ

تیرے رتبے کی کسی نے نہ شناسائی کی
یہ نہ سمجھے کہ ہے قرآن کی تفسیر حسینؑ

زینبؑ خستہ جگر کہتی تھی رو کر یہ انیسؔ
میرے عاشق، مرے شیدا، مرے شبیرؑ، حسینؑ

□□□

(۴۵)

دور کر دیتا ہے اک ذرہ سب آزاروں کو — مجرئی خاکِ شفا چاہیے بیماروں کو

کربلا چاہیے شبیرؑ کے زوّاروں کو — باغ پھولوں کو مبارک ہو، فلک تاروں کو

نقدِ دل قلب ہے گر نقش نہ ہو حُبِّ علیؑ — صاف ہونے کی سند سکّہ ہے دینداروں کو

پھول جھڑتے ہیں مرے منہ سے کہ ان کے منہ سے — بُلبلیں سامنے کھولیں مرے، منقاروں کو

روبرو چہروں کے خورشید و قمر ہوتے ہیں زرد — خالِ رخسار سے نسبت نہیں کچھ تاروں کو

لبِ گویا تو ہے شیریں، پہ تبسم نمکیں — نعمتیں سب ہیں حصول ان کے نمک خواروں کو

جھائیاں چاند کے منہ پر، رخِ خورشید ہے زرد — کس سے تشبیہ میں دوں شاہ کے رخساروں کو

زخم سینے پہ جو کھائے تو کہا دولھا نے — خلد میں جائیں گے پہلے ہوئے ان ہاروں کو

گرم اس عہد میں ہے حسن کا کس کے بازار — لاؤ تو مصر سے یوسفؑ کے خریداروں کو

آج کل قید میں رونے نہیں پاتے ہیں حرم — چاہیے جوشِ بکا شہ کے عزا داروں کو

عندلیبانِ جناں لیتے ہیں جب نامِ علیؑ — چشمۂ خلد سے دھو لیتے ہیں منقاروں کو

دیکھ کر عونؑ و محمدؑ کو یہ کہتے تھے عدو — دیکھنا غور سے ان دونوں کے رخساروں کو

آفتابِ رخِ پُرنور کے اک پرتو نے — کر دیا مہرِ درخشاں کی کرن، خاروں کو

ننھے ننھے وہ عمامے ہیں کہ بندش جن کی
بیچ میں لائے مہ و مہر کی دستاروں کو

(۴۶)

جب شہ کا حلق مجرئی پانی سے تر نہ ہو
کس طرح آب آب صدف میں گہر نہ ہو

جو غم میں شہ کے اشکوں سے دامن کو تر رکھے
نارِ جحیم کا کبھی اس پر اثر نہ ہو

کہتی تھی فوجِ شام، سخی تھے بہت حسینؑ
گھر میں عجب نہیں ہے اگر مال و زر نہ ہو

کہتی تھی باتو، کور ہوں آنکھیں تو خوب ہے
تصویر جب حسینؑ کی پیشِ نظر نہ ہو

فوجیں اُدھر کمک کو جو آئیں تو بولے شاہ
کافی مدد خدا کی ہے کوئی اِدھر نہ ہو

اکبرؑ چلے جو مرنے تو بانو نے یہ کہا
آنکھوں سے اوجھل اے مرے رشکِ قمر نہ ہو

شبیرؑ کہتے تھے کہ مجھے غم ہے میرے بعد
عابدؑ کا حال اور بھی نوعِ دگر نہ ہو

زینبؑ یہ رو رو کہتی تھی جز ذاتِ کبریا
فریادی کس سے ہوں جو کوئی دادگر نہ ہو

آیا جو خوان، دل میں یہ گزرا سکینہؑ کے
اس خوان میں کہیں مرے بابا کا سر نہ ہو

کہتے تھے شہ سے بھانجے ہم چاہتے ہیں یہ
قربان تم پہ ہم سے کوئی پیشتر نہ ہو

عباسؑ بولے، تیروں سے چھاتی چھدے چھدے
سوراخ دار مشکِ سکینہؑ مگر نہ ہو

کہتے تھے شامی حُرؑ کی طرح ہم بھی جا ملیں
گر ابنِ سعد کا ہمیں خوف و خطر نہ ہو

مسلمؑ کے بیٹے کیوں نہ بھٹکتے پھریں کہ جب
تاریک شب ہو اور کوئی راہبر نہ ہو

تو جس کی ماں کے مہر میں ہوا ے عطا فرات
کیا قہر ہے کہ پانی سے حلق اس کا تر نہ ہو

کہتی تھیں باتو میں بیوں پانی ہزار حیف — اور آب سے زباں علی اصغرؔ کی تر نہ ہو
آئے حرم تو کوفے کے حاکم کا تھا یہ حکم — آتا ہے سر حسینؑ کا کچھ شور و شر نہ ہو
سجادؑ کہتے تھے کہ اٹھا لے اب اے خدا — کیا لطفِ زندگی ہے جو سر پر پدر نہ ہو
کہتی تھی بنتِ ہند یہ بنتِ حسینؑ سے — لو مجھ سے تم پہننے کو زیور اگر نہ ہو
سر کو جھکا کے شرم سے دیتی تھیں وہ جواب — کیونکر کہوں کہ تجھ کو مفصل خبر نہ ہو
تیرے پدر نے باپ کا میرے کیا ہے خوں — کس طرح خستہ حال یہ تشنہ جگر نہ ہو
ہیں گال زخمی، کان طمانچوں سے لال ہیں — ایسے صغیر سن میں کوئی بے پدر نہ ہو
صغراؔ ہراک سے کہتی تھیں کیونکر نہ روؤں میں — مادر تو پاس ہوئے جو سر پر پدر نہ ہو

کیونکر گناہگاروں کی ہو مغفرت انیسؔ
حامی جو روزِ حشر شہِ بحر و بر نہ ہو

□□□

۴۷

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو
خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں کو

کمالِ فقر بھی شایاں ہے پاک بینوں کو
یہ خاک تخت ہے ہم بوریا نشینوں کو

لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعفِ پیری نے
چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

یہ غل تھا مہرِ نبوت پہ جب چڑھے حسنینؑ
جڑا ہے ایک انگوٹھی پہ دو نگینوں کو

بجا ہے اس لئے اکبرؑ سے تھا حسینؑ کو عشق
کہ دوست رکھتا ہے اللہ بھی حسینوں کو

حسینؑ جاتے ہیں بہرِ نبرد میداں میں
چڑھائے مثلِ یداللہ آستینوں کو

بھلا تردد بے جا سے ان میں کیا حاصل؟
اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

علم لئے ہوئے عباسؑ نکلے خیمے سے
چڑھا لیا علی اکبرؑ نے آستینوں کو

مزہ یہ طرفہ ہے مضمون دستیاب نہیں
مقابلہ پہ چڑھائے ہیں آستینوں کو

غلط یہ لفظ، وہ بندش بری، یہ مضموں سست
ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو

فلک پہ جب ہوئی آوازِ ارکبو! دمِ صبح
تو غازیوں نے رکھا مرکبوں پہ زینوں کو

لگا وغا میں ٹپکنے لہو جو تیغے سے
چڑھا لیا شہِ والا نے آستینوں کو

دہانِ کیسۂ زر بند رکھ پر اے منعم / خدا کا واسطہ وا کر جبیں کی چینوں کو
انھیں کو آج نہیں بیٹھنے کی جا ملتی / معاف کرتے تھے جو لوگ کل زمینوں کو
یہ زائروں کو ملیں سرفرازیاں ورنہ / کہاں نصیب کہ چومیں ملک جبینوں کو
سجایا ہم نے مضامیں کے تازہ پھولوں سے / بسا دیا ہے ان اجڑی ہوئی زمینوں کو
تنوں پہ کھاتے تھے بڑھ بڑھ کے زخمِ تیغ و سناں / بہادروں نے سپر کر دیا تھا سینوں کو
بڑھے جو غیر خدا اور سمت دستِ طلب / تو باندھ دوں میں گریباں سے آستینوں کو
کہاں سے حُرؔ کدھر آیا یہ بخت یاور تھا / نثار شہ پہ ہوا مار کر لعینوں کو
لحد بھی دیکھئے ان میں نصیب ہو کہ نہ ہو / کہ خاک چھان کے پایا ہے جن زمینوں کو
زوالِ طاقت و موئے سپید و ضعفِ بصر / انھیں سے پائے بشر موت کے قرینوں کو
نہیں خبر انھیں مٹی میں اپنے ملنے کی / زمیں میں گاڑ کے بیٹھے ہیں جو دفینوں کو
غضب ہے اہلِ ستم اس میں جائیں دَرّانہ / جس آستاں پہ ملائک رکھیں جبینوں کو
نکلتے چاہ سے برسوں نہ حضرتِ یوسفؑ / جو دیکھتے کبھی زہراؑ کے مہ جبینوں کو
کبھی نہ تھا یہ تلاطم محیطِ دنیا میں / خدا ہی پار لگائے گا ان سفینوں کو
خبر نہیں انھیں کیا بندو بستِ پختہ کی / جو غصب کرنے لگے غیر کی زمینوں کو
جہاں سے اٹھ گئے جو لوگ پھر نہیں ملتے / کہاں سے ڈھونڈ کے اب لائیں ہمنشینوں کو
نظر میں پھرتی ہے وہ تیرگی، وہ تنہائی / لحد کی خاک ہے سرمہ مآل بینوں کو
وہ دینِ حق ہے ہمارے نبیؐ کا دینِ متین / کہ جس نے کر دیا منسوخ سارے دینوں کو
دکھائی تیغ ید اللہ کی ساعدوں نے چمک / علیؑ کے شیر نے الٹا جو آستینوں کو
بشر کو چاہیے دنیا میں اس کے حُسن کا عشق / کہ جس نے خلق میں پیدا کیا حسینوں کو

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

۴۸

سلامی کہتے تھے اعدا، رلاؤ زینبؑ کو سرِ حسینؑ، سناں پر دکھاؤ زینبؑ کو
حسینؑ امام کو جس سے کیا ہے رن میں شہید وہ خوں بھرا ہوا خنجر دکھاؤ زینبؑ کو
جلا کے خاک کرو جلد خیمہ ہائے حسینؑ برہنہ سر سرِ اشتر بٹھاؤ زینبؑ کو
نہ نکلے دخترِ زہراؑ جو خیمے سے باہر پکڑ کے ہاتھ ابھی کھینچ لاؤ زینبؑ کو
ردا جو آپ سے دیوے نہ دخترِ زہراؑ برہنہ تیغ دکھا کر ڈراؤ زینبؑ کو
حسینؑ جیتا نہیں جو حمایت اس کی کرے ستایا جائے جہاں تک ستاؤ زینبؑ کو
پکڑ کے لائے ہیں خیبر شکن کی بیٹی کو یہ کہہ کے شام میں در در پھراؤ زینبؑ کو

وہ بنتِ فاطمہؑ افسوس جس کے حق میں حسینؑ حرم سے کہتے تھے سمجھا کے لاؤ زینبؑ کو
ہمارا نام لو بیٹیوں کو گر وہ روتی ہو اٹھا بٹھاؤ اگر غش میں پاؤ زینبؑ کو
برہنہ سر جو پڑی خاک پر تڑپتی ہو ردائے حضرتِ زہراؑ اڑھاؤ زینبؑ کو
جو بنتِ فاطمہؑ کو ڈھونڈیں لوٹنے والے تمھیں یہ چاہیے اس دم بچاؤ زینبؑ کو
ہمارے پیچھے نہ میداں میں وہ چلی آئے حسینؑ جاتا ہے مرنے، چھپاؤ زینبؑ کو
سر اپنا پیٹ کے مر جائیں گی بہن میری دکھائیو نہ مرے تن کے گھاؤ زینبؑ کو
انیسؔ بہن کا حال عجب تھا دمِ وداعِ حسینؑ پکارتی تھی کہ چھوڑے نہ جاؤ زینبؑ کو

صدائے فاطمہؑ آئی کہ اے مرے شبیرؑ تڑپ رہی ہے گلے سے لگاؤ زینبؑ کو
کہو نہ روؤ کہ زہراؑ کی چھاتی پھٹتی ہے خدا، رسولؐ کی قسمیں دلاؤ زینبؑ کو

امامؑ ہوتے تھے زخمی تو کہتے تھے اعدا جو خیمے سے نکل آئے دکھاؤ زینبؑ کو

وہ کہتی تھی درِ خیمہ پہ بھائی کے بدلے خدا کے واسطے نیزے دکھاؤ زینبؑ کو
دیا یزید نے جلاد کو یہ طیش میں حکم بہ ظلم قتل کرو، کھینچ لاؤ زینبؑ کو

پکارے اہلِ حرم رو کے یا شہِ مرداں یہی ہے وقت مدد کا، بچاؤ زینبؑ کو

حسینؑ زخمی ہوئے جبہت تو دل سے کہا پھر ایک بار چلو دیکھ آؤ زینبؑ کو

لپٹ کے لاشۂ شہ سے یہ بولی بنتِ علیؑ خدا کے واسطے بھیّا بلاؤ زینبؑ کو
بہن کا جینے کا دنیا میں اب مزہ نہ رہا پدر سے، نانا سے، ماں سے، ملاؤ زینبؑ کو

گلا کٹانے دیا کیوں نہ اپنے بدلے مجھے میں تم سے روٹھ گئی ہوں مناؤ زینبؑ کو

اترنے پائی نہ جب اونٹ سے تو رو کے کہا تم آ کے قید سے بابا چھڑاؤ زینبؑ کو

کہا یزید نے جب شمر سے سرِ دربار کدھر ہے دخترِ زہراؑ دکھاؤ زینبؑ کو

چھپا کے ہاتھوں سے منہ کو یہ بولی شہ کی بہن خدا کے واسطے لوگو چھپاؤ زینبؑ کو

چلے وطن کو جو سجادؑ بعدِ دفنِ امام کہا سوار ہوں پہلے، بلاؤ زینبؑ کو
لپٹ کے بھائی کی تربت سے بولی وہ رو رو نہ جاؤں گی میں یہیں چھوڑ جاؤ زینبؑ کو

میں ایک دم کبھی جس بھائی سے جدا نہ ہوئی مزار سے تو نہ اس کے اٹھاؤ زینبؑ کو

انیسؔ اہلِ حرم میں بپا ہوا محشر
کہا جو حاکمِ اظلم نے لاؤ زینبؑ کو

□□□

۴۹

شہ کی یاد آئی ہے جب تشنہ دہانی مجھ کو
زہر ہو جاتا ہے اے مجرئی پانی مجھ کو

کہا زینبؑ نے کہ اے شمر نہ چادر اُتار
خلق میں کہتے ہیں سب مریم ثانی مجھ کو

شاہ کہتے تھے کہ پیری میں گھٹا آنکھ کا نور
علی اکبرؑ نے دیا داغ جوانی مجھ کو

سب کو دکھلا کے سناں ابن انس کہتا تھا
شکل ہے اس سے پیمبر کی مٹانی مجھ کو

کہا حاکم نے کہ دوں خلعت و جاگیر ابھی
آج مُسلمؑ کا پتہ دیوے جو ہانی مجھ کو

کہا کبریٰؑ نے کہ ہو جاؤں گی آخر بیوہ
لوگو پہناؤ نہ پوشاک شہانی مجھ کو

جب کوئی کہتا پیو پانی تو کہتے سجادؑ
کیا پیوں پانی کہ بھاتا نہیں پانی مجھ کو

پیٹ کر سر کو یہی کہتی تھی ہر دم صغراؑ
یاد بابا نے کیا خوب ہی نانی مجھ کو

کتنا عرصہ ہوا کوفے میں خدا خیر کرے
کیا یہ تقدیر سنائے گی سنانی مجھ کو

شاہ کہتے تھے کہ اس دشت میں ہوں گا میں شہید
یہ خبر پہنچی ہے نانا کی زبانی مجھ کو

قصے سب محو ہوئے آہ انیسؔ محزوں
یاد جب آئی غم شہ کی کہانی مجھ کو

۵۰

مجرائی فوج یوں تھی شہ کربلا کے ساتھ
ہو جس طرح سے لشکرِ آمین دعا کے ساتھ

مجرائی ہے ضرور دعا بھی دوا کے ساتھ
آبِ حیات چاہیے خاکِ شفا کے ساتھ

دنیا سے ہاتھ اٹھا کے توکّل خدا پہ کر
ہاتھ اس لئے شریک ہیں دونوں دعا کے ساتھ

افلاک سے عیادتِ بیمار کے لئے
آئے مسیح حمزۂ خاکِ شفا کے ساتھ

گردش عبث ہے کنجِ قناعت میں بیٹھ رہ
رازق نے رزقِ خلق کیا آسیا کے ساتھ

یوں نور تھا رسولؐ کا آدم کے صلب میں
ہوتی ہے جس طرح سے خبر مبتدا کے ساتھ

کیا باک موجِ بحر سے، طوفاں سے کیا خطر
کشتی مری حسینؑ سے ہے ناخدا کے ساتھ

کیوں چرخِ پیر پھر کہیں دیکھے ہیں آج تک
جیسے حسیں جواں تھے شہِ کربلا کے ساتھ

اللہ ری ناتوانیٔ عابدؑ کہ راہ میں
ہر اک قدم پہ بیٹھ گئے نقشِ پا کے ساتھ

روضے پہ جیتے جی جو نہ پہنچے تو بعدِ مرگ
جائے گی خاک اُڑ کے نجف میں ہوا کے ساتھ

رانڈوں کے منہ چھپانے کو چھوڑیں نہ چادریں
کیا دشمنی تھی شمر کو آلِ عبا کے ساتھ

بنتے ہیں موتیوں کے گہر بے بہا وہ اشک
مجلس میں گر ہو گریۂ خالص بکا کے ساتھ

پاسِ طرف سے روتے ہیں جو بے وقوف ہیں
مردودِ کبریا ہے عبادت، ریا کے ساتھ

ہے شاہدِ شکستگیٔ دل ہر اک سخن
کھلتا ہے حال کاسۂ چینی صدا کے ساتھ

ہمراہِ آہِ سرد نہیں اشکِ گرم بھی
باراں کا لطف خوب ہے ٹھنڈی ہوا کے ساتھ

واجب ہے بعدِ نعتِ محمدؐ، علیؑ کی مدح
غافل نہ ہو وزیر بھی ہے بادشاہ کے ساتھ

چادر چھنی تو بنتِ یداللہ نے کہا
اے روح تو بھی تن سے نکل جا ردا کے ساتھ

کہتی تھی ہاتھ مل کے سکینہ کہ ہے غضب
دریا پہ کیوں چلی نہ گئی میں چچا کے ساتھ

نانی ٹھنڈائی لاتیں تو کہتی تھی فاطمہؑ
صحت گئی جہاں سے شہِ کربلا کے ساتھ

جب تلخ زندگی ہو تو کیا زیست کا مزہ
مجھ کو تو کوئی زہر پلا دے دوا کے ساتھ

یوں آہیں کر کے ہم نے جوانی میں کاٹی عمر
جس طرح پیر، راہ کرے طے عصا کے ساتھ

اے روح کوچ خانۂ تن سے ضرور ہے
اُلفت نہ اتنی چاہیے مہماں سرا کے ساتھ

مدحِ حسینؑ کی تو ملا گلشنِ بہشت
پایا سخی کے گھر سے صلہ بھی ثنا کے ساتھ

آیا جو رن میں حرؑ تو پکارا یہ ابنِ سعد
ہوتا ہے کیوں تباہ شہِ کربلا کے ساتھ

حرؑ نے کہا کہ دور ہو او دشمنِ خدا
تو مفتری کے ساتھ ہے، میں مقتدا کے ساتھ

آتا ہے وہ بھلا کہیں سائے میں بوم کے
پایا ہو جس نے اوجِ سعادت ہُما کے ساتھ

بہکا نہ تو مجھے کہ نہ چھوڑوں گا راہ راست
رستہ بھی بھولتا ہے کوئی رہنما کے ساتھ

پہنچا دیا کہاں سے کہاں خضرِ بخت نے
جاتا ہوں اب بہشت میں فوجِ خدا کے ساتھ

ہم مر گئے خلیقؔ کے مرنے سے اے انیسؔ
جینے کا لطف اٹھ گیا اس با خدا کے ساتھ

۵۱

سر تھے نیزوں پہ سلامی سرِ شبیرؑ کے ساتھ
بیبیاں قید میں تھیں زینبؑ دلگیر کے ساتھ

فوج سے شمر و عمر کہتے تھے ہوشیار رہو
ہیں جوانانِ عرب حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ

بانو کہتی تھی کہ پیتے تھے مزے لے لے کر
کیا محبت تمھیں اصغرؑ تھی مرے شیر کے ساتھ

طوق بھاری ہے یہ اعدا سے کہا عابدؑ نے
تھامنے والے چلیں طوقِ گلوگیر کے ساتھ

کہا صغراؑ نے کہ یہ بھی مری قسمت کا لکھا
سب تو ہوں اور میں نہ ہوں حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ

پیشوائی کے لئے آئے نبیؐ جنت سے
حُر گیا خلد میں کس عزت و توقیر کے ساتھ

رن میں اس درد سے مظلومی بیاں کی شہ نے
رو دیا ظالموں نے شاہ کی تقریر کے ساتھ

شہ نے سینے سے جو کھینچا تو یہ بولے عباسؑ
نکلا آتا ہے کلیجہ بھی مرا تیر کے ساتھ

کیا عابدؑ نے سرِ شاہ سے رو رو کے بیاں
قید ہو کر میں چلا لشکرِ بے پیر کے ساتھ

آپ کے ساتھ گئے بھائی، چچا، سب مارے
کوئی ہمدرد نہیں عابدؑ دلگیر کے ساتھ

نکلے شہ خیمے سے تنہا تو پکاری زینبؑ
آج مرنے کوئی جاتا نہیں شبیرؑ کے ساتھ

شاہ پھر پھر کے ہر اک بی بی کو سمجھانے لگے
رہیو ہر حال میں صابر مری ہمشیر کے ساتھ

آئی جب یادِ پدر چوم لیا قبضہ کو
اُنس تھا شاہ کو کیا حیدری شمشیر کے ساتھ

چلتے تھے کانٹوں پہ سجادؑ تو آجاتی تھی
آہِ زہراؑ کی صدا نالۂ زنجیر کے ساتھ

میں نے کاٹا سرِ شہ، شمر نے حاکم سے کہا　　مجھ کو خلعت بھی ملے منصب و جاگیر کے ساتھ
سُن کے غش آگیا صغراؑ کو کسی نے جو کہا　　روتے آتے ہیں حرم عابدؑ دلگیر کے ساتھ
شہ نے عباسؑ کا اک ہاتھ علم پر پایا　　دوسرا ہاتھ مِلا قبضۂ شمشیر کے ساتھ
باتو کہتی تھیں بھرے خون سے ہے ہے اکبرؑ　　اُنس تھا مجھ کو تری زلفِ گرہ گیر کے ساتھ
حاکمِ شام نے بھجوایا سکینہؑ سے جو سر　　تخت تک دوڑی گئی باپ کی تصویر کے ساتھ
لکھا صغراؑ نے مجھے لینے نہ آئے اکبرؑ　　بھائی شاید تمھیں الفت نہیں ہمشیر کے ساتھ
سر کو کٹوا کے لیا ملکِ شہادت شہ نے　　فتح کی جنگ عجب طرح کی تدبیر کے ساتھ
شام میں خطبہ وہ منبر پہ فصاحت سے پڑھا　　مدّعی روتے تھے سجادؑ کی تقریر کے ساتھ
رفقا تھے شہِ بیکس کے وفادار ایسے　　شام تک سر گئے جن کے سرِ شبیرؑ کے ساتھ
رن میں اصغرؑ پہ چلا تیر، اِدھر باتو کا　　رنگِ رخ اُڑ گیا آوازِ پرِ تیر کے ساتھ
شہ نے عباسؑ سے فرمایا کہ لڑیو نہ کہیں　　پانی ہاتھ آئے تو لے آئیو تدبیر کے ساتھ

حق تعالیٰ سے یہی میری تمنا ہے انیسؔ
حشر کے دن بھی ہوں میں حضرتِ شبیرؑ کے ساتھ

□□□

۵۲

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ واہ رے صبر
یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سونے کو پاؤں پھیلا کر
سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغ بہشت
یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے

یہ غل تھا دیکھ کے رُخسارۂ علی اکبرؑ
فلک پہ شمس و قمر یہ ضیا نہیں رکھتے

ابو تراب سے جو پیشوا کے پیرو ہیں
قدم بھی خاک پہ وہ بے رضا نہیں رکھتے

قناعت و گہر و آبرو و دولتِ دین
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

فشارِ قبر کا ڈر ہو تو ان کو ہو جو لوگ
کفن میں صرّۂ خاکِ شفا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منتِ خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

غم حسینؑ کے داغوں سے دل کرو روشن
خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

[مسافر و شبِ اول بہت ہے تیرہ و تار
چراغ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے؟

[وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون ومکاں
سخن سے کان کو جو آشنا نہیں رکھتے

نبیؐ کے حکم سے سر پھیرنا، معاذ اللہ
وہ کون ہیں جو یہ ماتم بپا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا
وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

مسافرانِ عدم کا پتہ ملے کیوں کر
وہ یوں گئے کہ کہیں نقشِ پا نہیں رکھتے

نہ لوٹو آل کو اعدا سے کہتی تھی فضہ
نبیؐ کی روح سے بھی تم حیا نہیں رکھتے

سکینہؑ کہتی تھی کیونکر نہ دم گھٹے اماں
وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آتا راہ میں جس دم تو کہتے تھے سجادؑ
وہ درد ہیں جو امیدِ شفا نہیں رکھتے

تپ دروں، غمِ فرقت، ورم پیادہ روی
مرض تو اتنے ہیں اور کچھ دوا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلقِ پاکِ رسولؐ
حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

جہازِ آلِ نبیؐ کیا بچے تباہی سے
تلاطم ایسا ہے اور ناخدا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے نیچے سے کس طرح ہٹتے
بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

گلوئے اصغرِ معصوم و تیر، واویلا
یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے

شہادتِ پسرِ فاطمہؑ کا ہے یہ الم
کہ تابِ ضبط رسولِ خدا نہیں رکھتے

فقط حسینؑ پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ
کسی کی لاش سے سر کو جدا نہیں رکھتے

پنھاں کے بیڑیاں کہتا تھا شمر عابدؑ سے
میانِ حلقۂ آہن گلا نہیں رکھتے؟

سوم تو باپ کا کرنے دو کہتے تھے سجادؑ
یہ پھول وہ ہیں کہ جن کو اٹھا نہیں رکھتے

کھلے گا حال انھیں جب کہ آنکھ بند ہوئی
جو لوگ الفتِ مشکلکشا نہیں رکھتے

جہاں کی لذت وخواہش سے ہے بشر کا خمیر
وہ کون ہیں کہ جو حرص و ہوا نہیں رکھتے

انیسؔ بچ کے جاں اپنی ہند سے نکلو
جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

□□□

۵۳

ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رُخ سے استخواں پیدا ہوئے

خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

علمِ خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون
ایک "کُن" کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

ہاتھ خالی آئی لاشوں پر شہیدوں کی نسیم
پھول بھی اُس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی، نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

جب کوئی آیا عدم سے یاں تو بولی نفس کے موت
اور لو دو چار دن کے میہماں پیدا ہوئے

ضبط دیکھو سب کی سن لی اور کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پر ایسے بے زباں پیدا ہوئے

جان دی حُرؑ نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

بود و نابودِ علی اصغرؑ کا کیا کیجے بیاں
بے زباں دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے

دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے واغربتا
موت لے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے

شور بختی آئی حصے میں انھیں کے وا نصیب
تلخ کامی کے لئے شیریں زباں پیدا ہوئے

احتیاط جسم کیا، انجام کو سوچو انیسؔ
خاک ہونے کو یہ مُشتِ استخواں پیدا ہوئے

□□□

۵۴

سلامی چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے — غمِ سجادؑ بیکس دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
سلامی چشم میں آنسو ہیں یا دریا چھلکتا ہے — جگر میں داغ ہیں یا کھیت لالے کا لہکتا ہے
دمِ تحریر گریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر — صریرِ کلک ہے یا باغ میں بلبل چہکتا ہے
پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت — وگرنہ رہبرِ عالم کہیں رستہ بھٹکتا ہے
حرم روئے، کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے — علی اکبرؑ اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے
کہا اصغرؑ نے شاید میرے بابا جان پیاسے ہیں — گلے میں ساتویں تاریخ سے پانی اٹکتا ہے
زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہیں — شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے
شہ دیں دیکھتے ہیں شوقِ نُزہ میں یوں سوئے میداں — کہ جیسے کوئی آنے کی کسی کی راہ تکتا ہے
علی اکبرؑ طلب کرتے ہیں رخصت کوئی کیا جانے — لگی ہے غم سے ہچکی ماں کو اور زینبؑ کو سکتہ ہے
گلِ زہراؑ کے غم میں نوحہ خواں ہیں بلبلیں ساری — صدا فریاد کی آتی ہے جب غنچہ چٹکتا ہے
تنِ محرور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہیں سکتیں — تپِ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے
وہاں بٹتا ہے غلہ قحط ہے یاں آب و دانے کا — اِدھر فاقہ ہے اور کھانا اُدھر لشکر میں پکتا ہے
سکینہؑ ناز پرور قید کی آفت کو کیا جانے — یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے
کہا باقرؑ نے شہ سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر — مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ مل کھاتے ہیں تکیوں پر — مسوڑھے ہو گئے ہیں نیلگوں تالو لپکتا ہے
بچا لو واسطہ زہراؑ کا صاحب میرے اصغرؑ کو — نہ بچہ دودھ پیتا ہے نہ اب آنکھیں جھپکتا ہے
صراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بن پانی — گلے میں سانس جب رکتی ہے سر دے دے پٹکتا ہے
وغا میں حضرت عباسؑ یوں جاتے ہیں دشمن پر — گرسنہ شیر جیسے جانب آہو لپکتا ہے
بہو زہراؑ کی کہتی تھی یہی جا جا کے ڈیوڑھی پر — ارے پانی کوئی لا دو میرا بچہ بلکتا ہے
یہ غل تھا شام کے لشکر میں دیکھو شہ کی پیشانی — نشاں سجدے کا ہے یا صبح کا تارا چمکتا ہے
اندھیرے میں جو گھبراتا ہے دم ایامِ گرما میں — ہر اک بچہ درِ زنداں پہ سر دے دے پٹکتا ہے

انیسؔ اللہ تجھ پر سہل کر دے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل دھڑکتا ہے

□□□

maablib.org

۵۵

غبارِ رہِ کربلا ہوگئی مری خاک بھی کیمیا ہوگئی
صبا لے کے آئی جو بوئے نجف گرہ غنچۂ دل کی وا ہوگئی
ردائیں بھی سر پر نہیں اے فلک یہ توقیرِ آلِ عبا ہوگئی
الٰہی مجھی میں نہ تھی کچھ وفا کہ دنیا ہی سب بے وفا ہوگئی
یہ عقدہ نہ کھلتا کبھی حشر تک عنایاتِ مشکلکشا ہوگئی
خوشا خُرّۂ کربلا کا اثر گرہ واں کھلی یاں شفا ہوگئی
نجف میں شراب آکے سرکہ بنی وہ کیفیتِ نشہ کیا ہوگئی
زہے سطوتِ عدلِ شیرِ خدا کہ بنت العنب پارسا ہوگئی
کہا شہ نے زینبؑ سے اکبرؑ کے بعد بہن روح تن سے جدا ہوگئی
یہ دولھا نے دستِ تأسف مَلے کہ ہاتھوں کی مہندی حنا ہوگئی
کلیجوں پہ چلنے لگی تیغِ ہجر بنی جب بنے سے جدا ہوگئی
نہ گل میں محبت، نہ بلبل میں اُنس الٰہی یہ کیسی ہوا ہوگئی؟
یہ صدمہ ہوا وقتِ جنگ و جدل کہ غش بنتِ مشکلکشا ہوگئی
خزاں کا جو گلشن میں جھونکا چلا تو بس جانِ بُلبُل ہوا ہوگئی

وہ تعریف ہے جس میں سازش نہ ہو — وہ رقت ہے جو بے ریا ہوگئی
تلاطم سے نکلا ہمارا جہاز — مناسب، موافق ہوا ہوگئی
بہت ڈر سمندر کی لہروں سے تھا — طبیعت مگر آشنا ہوگئی
کیا ابرِ رحمت نے ایسا کرم — کہ پانی رو کربلا ہوگئی
نگہبانِ کشتی جو تھا فخرِ نوحؑ — ہر اک موج خود ناخدا ہوگئی
مجھی پر نہیں کچھ علیؑ کا کرم — ہزاروں کی حاجت روا ہوگئی
کہا شہ نے نکلا جو اصغرؑ کا دم — ہرے پھول سے بو جدا ہوگئی
فلک کیوں نہ پھٹ کر زمیں پر گرا — علیؑ کی بہو بے ردا ہوگئی
دمِ نزع کس کس کا شکوہ کریں — نہ اک تاب و طاقت جدا ہوگئی
رہا مدتوں ساتھ جس روح کا — وہ دم بھر میں ناآشنا ہوگئی
گھلا یہ غمِ شہ میں عابدؑ کا جسم — قبا تھی جو تن میں عبا ہوگئی
سکینہؑ یہ کہتی تھی زندان میں — محبت عنایت وہ کیا ہوگئی
گلا میرا باندھا، نہ پوچھی خبر — چچا بس میں تم سے خفا ہوگئی
کئی دن نہ پانی کا قطرہ ملا — مسافر پہ کیا کیا جفا ہوگئی
کسی نے نہ پوچھا لعینوں سے آہ — کہ معصوم سے کیا خطا ہوگئی

انیسؔ آچکے تھے جو تیغِ مرگ
سپر مومنوں کی دعا ہوگئی

□□□

۵۶

بکا میں کئی شب، سحر ہوگئی — یوں ہی عمر اپنی بسر ہوگئی
ہوا ماتمِ شاہ دیں کا یہ جوش — کہ دریا مری چشمِ تر ہوگئی
یہ قاسمؑ پہ میداں میں تیغیں چلیں — کہ ٹکڑے قبا سر بہ سر ہوگئی
شبِ قتل دم بھر نہ سوئے حسینؑ — عبادت میں شہ کو بسر ہوگئی
سرِ شہ سے کہتی تھیں زینبؑ یہی — بہن آپ کی در بدر ہوگئی
دہائی ہے فریاد ہے اے اخی — کہ بلوے میں، میں ننگے سر ہوگئی
تجلی ہے حضرت کے رخسار کی — زمیں دور تک جلوہ گر ہوگئی
ہمیں کچھ نہیں تیغِ عصیاں کا ڈر — علیؑ کی محبت سپر ہوگئی
جبہہ خاک چمکا جو داغِ عزا — لحد صاف برجِ قمر ہوگئی
یہ کہتی تھی صغرؑا تپ ہجر میں — لبِ گور میں نوحہ گر ہوگئی
نہ آتے ہیں بابا نہ آتی ہے موت — مری آہ کیوں بے اثر ہوگئی
یہ کہتی تھی اصغرؑ کے لاشے پہ ماں — نہ چونکے تم اور دوپہر ہوگئی

درِ شہ پہ پہنچوگے تم بھی انیسؔ
طلب اس طرف سے اگر ہوگئی

۵۷

جز پنجتنؑ کسی سے تولا نہ چاہیے
غیر از خدا کسی کا بھروسا نہ چاہیے

خادم اُمید وارِ حضوری ہے یا حسینؑ
چاہیں اگر حضور تو پھر کیا نہ چاہیے

اک در پہ بیٹھ کر ہے توکّل کریم پر
اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

تکرار کیا ہے زندگیٔ مستعار میں
اے موت، بار بار تقاضہ نہ چاہیے

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیے

ہر اک کے واسطے ہے ترقی بقدرِ حال
اسفل کو فکرِ منصبِ اعلیٰ نہ چاہیے

ہر کوہ پر نہ ہوگی تجلی مثالِ طور
ہر ہاتھ کے لئے ید بیضا نہ چاہیے

کھانے کو رزق، رہنے کو گھر اور لحد کو جا
دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیے

کہتے تھے شاہ پیاس میں لذت ہی اور ہے
دریا کو آنکھ اٹھا کے بھی دیکھا نہ چاہیے

یارب گناہگار ہوں، خاطی ہوں، رحم کر
مختار سے غلام کو پردہ نہ چاہیے

صغراؑ نے شاہِ دیں کو لکھا خط تو بھیجیے
گر چاہتے نہیں ہمیں اچھا نہ چاہیے

دو بیٹیاں تو پاس ہوں ایک جاں بلب بعید
میں سچ کہوں یہ آپ کو بابا نہ چاہیے

فرقت رہی تو کون سی ہے زندگی کی شکل
بیمار پر عتابِ مسیحا نہ چاہیے

کہتے تھے فاطمہؑ سے علیؑ گھر میں جو ہو دو
خالی کبھی فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

کپڑے سفید پہنے جو قاسمؑ نے، بولی ماں — اتنی بھی سادگی نئے دولھا نہ چاہیے
دولھا نے عرض کی کہ اجل ہے گلے کا ہار — چہرے پہ مرنے والوں کے سہرا نہ چاہیے
پانی کا ذکر کرتی سکینہؑ تو کہتے شاہ — بی بی محال شے کی تمنا نہ چاہیے
کہتا تھا شمر چادریں رانڈوں کی چھین لو — ایسے گنہگاروں کو پردہ نہ چاہیے
حیرت اسی کی ہے کہ جئے کیونکر اتنے دن — گر موت آگئی تو اچنبھا نہ چاہیے
ثابت قدم رہے رہِ حق میں مثالِ شمع — گردن سے سر جدا ہو تو پروا نہ چاہیے
ہم عازمِ سفر ہیں بتاؤ مسافرو — کیا اس سفر میں چاہیے اور کیا نہ چاہیے
عباسؑ گرد پھرتے تو کہتے تھے شاہِ دیں — تکلیف اتنی اے مرے شیدا نہ چاہیے
کہتے تھے شاہ زہر کشندہ ہے اس کی چاہ — مومن کو حُبِّ دولتِ دنیا نہ چاہیے
اپنی زباں سے پوچھو خوشی کی لذتیں — جاہل سے اعتراض پہ جھگڑا نہ چاہیے
ردّوبدل سے ہوتے ہیں کس طرح کے فساد — بہتر تو ہے یہ بات کہ بولا نہ چاہیے
وقت ضرور حکمِ تکلم بھی ہے مگر — یوں چاہیے کلام کہ گویا نہ چاہیے
کہتی تھی فضہ شام میں بازاریو ہٹو — زہراؑ کی بیٹیوں کا تماشہ نہ چاہیے
یہ کون بیبیاں ہیں تمھیں کچھ خبر نہیں — آلِ رسولؐ پر ستم ایسا نہ چاہیے
آزار تو نہ دو جو حمایت نہ ہوسکے — کیوں کلمہ گو یو چاہیے یہ یا نہ چاہیے

مرقد چراغِ داغ سے روشن رہے انیسؔ
شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

□□□

۵۸

صورتِ آئینہ استغنا کے جوہر کھل گئے
ایک درہم پر ہو اگر بند سو در کھل گئے

مسکرانے میں جو دندانِ پیمبرؐ کھل گئے
صاف گویا عرشِ نورانی کے اختر کھل گئے

مہرِ حیدرؑ جب ہوئی فردوس کے در کھل گئے
بابِ رحمت ہم پہ مثلِ بابِ خیبر کھل گئے

چرخ سے بہرِ رسولؐ اتری تھی بیشک ذوالفقار
آئی قبضے میں علیؑ کے جب تو جوہر کھل گئے

آج کچھ کھلتا نظر آتا ہے جو بن مہر کا
غالباً بندِ نقابِ روے اکبرؑ کھل گئے

کیا بیاں ہو سکتی ہے شہ کی مصیبت اے انیسؔ
جب پڑھے ہم نے مصائب غم کے دفتر کھل گئے

□□□

maablib.org

۵۹

مجرئی قید سے جب عابدؑ بے پر چھوٹے
شام میں شور ہوا آلِ پیمبرؐ چھوٹے

رن میں فرماتے تھے بھر کر نفسِ سرد حسینؑ
مجھ سے اس دشت میں کیا کیا مرے یاور چھوٹے

بانوؑ کہتی تھیں کہ ہاتھوں سے اجل کے ہے ہے
نہ تو اکبرؑ ہی بچے اور نہ اصغرؑ چھوٹے

حُرؑ یہ کہتا تھا کروں گا مددِ سبطِ رسولؐ
اس میں فرزند جدا ہو کہ برادر چھوٹے

ایک عالم سے جو چھٹ جاؤں تو پروا نہیں کچھ
پر نہ ہاتھوں سے مرے دامنِ سرور چھوٹے

خاک پر گر کے دمِ نزع یہ اکبرؑ نے کہا
اب یقین ہے کہ نہ تا حشر یہ بستر چھوٹے

شہ نے زینبؑ سے گلے مل کے کہا وقتِ وداع
اے بہن تم سے ہم اب تا دمِ محشر چھوٹے

بیبیاں کہتی تھیں کیوں اونٹوں پہ در در نہ پھریں
سر پہ وارث نہ رہے، قید ہوئے، گھر چھوٹے

شمر کہتا تھا کہ یوں آلِ نبیؐ کو لوٹو
نہ کسی پاس ردا چھوٹے نہ زیور چھوٹے

لاشِ اصغرؑ پہ کہا بانوؑ نے اماں صدقے
چھ مہینے مری چھاتی سے نہ دم بھر چھوٹے

آ کے جنگل میں کیا باپ کا پہلو آباد
ماں سے اس عمر میں بیٹا علی اصغرؑ چھوٹے

عورتیں آن کے صغراؑ کو یہ سمجھاتی تھیں
تیرے رونے سے تو ہمسائیوں کے گھر چھوٹے

وہ یہ کہتی تھی کہ ماں باپ سے جو چھوٹی ہو
اس سے رونا کہو دن رات کا کیوں کر چھوٹے

شاہ کہتے تھے کٹے حلق مگر ہاتھوں سے
دامنِ صبر نہ زیرِ دمِ خنجر چھوٹے

جو کہ سوتا ہو محمدؐ کی ردا پر افسوس
خوں کی اس کے تنِ مجروح سے چادر چھوٹے

اسد اللہ کے نواسوں کی جو آمد دیکھی
مارے وحشت کے ستمگاروں سے سنگر چھوٹے

شور یہ چار طرف تھا کہ خبردار رہو
لشکرِ شاہ سے دو شیر برابر چھوٹے

خط پہ خط کوفیوں کے آئے تو سرور نے کہا
ہم سے نزدیک ہے اب قبرِ پیمبر چھوٹے

کہتی تھی بالی سکینہؑ ستمِ اعدا سے
ہائے اماں نہ مرے کانوں کے گوہر چھوٹے

بولے اعدا تنِ شہ سے جو سکینہؑ لپٹی
باپ کی لاش سے حیراں ہیں یہ کیونکر چھوٹے

شمر کہتا تھا کرو رحم نہ اس پر ہرگز
نیزے دکھلاؤ یہ تا لاش سے ڈر کر چھوٹے

باتو کہتی تھیں کہ لاشے پہ اڑھاؤں شہ کے
ہاتھوں سے ظالموں کے گر مری چادر چھوٹے

پیاس میں کہتے تھے اعدا سے رفیقانِ حسینؑ
تم سے دریا نہ چھٹے، ہم سے نہ کوثر چھوٹے

گر بٹھاتا کوئی مسند پہ تو کہتے سجادؑ
اٹھ گیا چین ہی جس روز سے سرور چھوٹے

زیرِ سر ہاتھ دھرے خاک پہ سو رہتا ہوں
ہوئے چالیس برس بالش و بستر چھوٹے

شاہ کہتے تھے رفیقوں سے چھٹا گو دریا
یہ دعا مانگو کہ پیاسوں سے نہ کوثر چھوٹے

اصغرؑ و شہ کے لگا گردن و بازو پہ جو تیر
خوں کے دو زخموں سے فوارے برابر چھوٹے

کان کے درد سے کیا بالی سکینہؑ تڑپی
بد گہر کے نہ مگر ہاتھ سے گوہر چھوٹے

لاش پر بیٹے کی شہ کہتے تھے ہم سے افسوس
بعد اٹھارہ برس کے علی اکبرؑ چھوٹے

یہ غمِ اکبرؑ و عباسؑ میں کہتے تھے حسینؑ
آج حیدرؑ سے چھٹا، آج پیمبرؐ چھوٹے

خلد میں رو کے سکینہؑ نے کہا سرورؑ سے
قیدِ زنداں سے تو ہم چھوٹے پہ مرکر چھوٹے

خبرِ مرگِ علیؑ جس نے سنی رو کے کہا
آج دنیا کے غم و رنج سے حیدرؑ چھوٹے

آرزو یہ ہے کہ ہنگامۂ محشر میں انیسؔ
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبرؐ چھوٹے

۶۰

سلامی خلق کا آغاز و انجام اس پہ ظاہر ہے
کہ جو اوّل ہے ہر اوّل سے ہر آخر سے آخر ہے

الٰہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو
کہ میں ہوں بندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دو عالم دو ورق ہیں اک کتابِ وصفِ حیدرؑ کے
یہ مجموعہ وہ ہے جس کا نہ اول ہے نہ آخر ہے

کہا عباسؑ نے پانی تو پینے دو مسلمانو
تمھارا میہماں سیّد ہے، بیکس ہے، مسافر ہے

جو اچھے ہیں انھیں ملتا ہے مر کر قرب اچھوں کا
قریبِ قبرِ سرور تربتِ ابنِ مظاہر ہے

کہا حضرت نے حرؑ سے تیسرا فاقہ ہے بچوں پر
مرے احوال سے رزاقِ عالم خوب ماہر ہے

حسینؑ ابنِ علیؑ کہتے تھے گر امت کے کام آئے
یہ بچے بھی مرے موجود ہیں، یہ سر بھی حاضر ہے

بھلا ان کی ثنا کیونکر کرے کج مج بیاں مجھ سا
فرشتوں کی زباں مداحیٔ حیدرؑ میں قاصر ہے

پیادہ سیدِ سجادؑ سوئے شام جاتے ہیں
نہ محمل ہے، نہ ہودج ہے، نہ اشتر ہے، نہ قاطر ہے

پکارا خونیِ ملعون، صف آرا جب ہوئے حضرت
نبیؐ مجھ کو برہنہ سر نظر آئے یہ کیا سر ہے

حصین بن نمیر رو سیہ نے تب کہا ہنس کر
یہ اولادِ نبیؐ کا سحر ہے جو تجھ پہ ظاہر ہے

حبیب ابنِ مظاہر تب پکارے او شقی چپ رہ
خدا لعنت کرے بے دیں ہے تو، مرتد ہے، کافر ہے

نبی کے لال کے رتبے سے شاید تو نہیں واقف
یہ اعلیٰ ہے یہ اتقیٰ ہے یہ طیّب ہے یہ طاہر ہے

یہ وہ شبیرؑ ہے ماں ہے جنابِ فاطمہؑ جس کی
یہ وہ سیّد ہے جو قبرِ محمدؐ کا مجاور ہے

اگر ہو شبہ تجھ کو پوچھ لے اوروں سے لشکر میں
ارے او کور باطن، اس کا رتبہ سب پہ ظاہر ہے

کلیدِ قفلِ جنت ہے ولا آلِ محمدؐ کی
خدا کو جس نے پہچانا ہے وہ ان سے بھی ماہر ہے

کسی کا کچھ گلہ کرتا نہیں دو دن کے فاقے ہیں
خدا کا دوست ہے، دیندار ہے، صابر ہے، شاکر ہے

جو اندھا ہے تو آنکھیں چل کے مل نعلینِ سرور پر
نبیؐ کے لال کی خاکِ قدم کحلِ جواہر ہے

سخی ایسا ہے یہ سیّد کہ بہرِ امّتِ عاصی
لٹا دینے کو گھر موجود ہے، مرنے کو حاضر ہے

مدینے سے سوئے کعبہ گیا، کعبے سے یاں آیا
یہ رہبر ہے، یہ سیّد ہے، یہ سرور ہے، یہ صابر ہے

ہزاروں مل کے لڑنے آئے ہو بیکس سے مہماں سے
نہ کچھ اسلام کا ہے پاس نہ ایماں کی خاطر ہے

چڑھائی کس پہ ہے فوجوں کی، کس کو قتل کرتے ہو؟
کوئی اس ماجرے کا پوچھنے والا بھی آخر ہے

یہ ہر افضل سے افضل ہے یہ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ہے
یہ ہر بہتر سے ہے بہتر، یہ ہر نادر سے نادر ہے

کیے ہیں پا پیادہ بیس حج اس نے مدینے سے
یہ حق کا برگزیدہ ہے، یہ حاجی ہے، یہ زائر ہے

زباں جل جائے گی تیری معاذ اللہ توبہ کر
شقی! تو صاحبِ اعجاز کو کہتا ہے ساحر ہے

خبر لینا انیسؔ زار کی یا احمدؐ مرسل
تمھاری آل کا مدّاح ہے، سیّد ہے ذاکر ہے

□□□

maablib.org

۶۱

عجب وقت ہے اور عجب انجمن ہے
سلامی یہ مجلس علیؑ کا چمن ہے

سلامی یہ آلِ نبیؐ پر محن ہے
کہ بارہ تو بازو ہیں اور اک رسن ہے

نہیں انگلیاں، پانچ مصرعے ہیں گویا
مرے ہاتھ میں خمسۂ پنجتن ہے

یہ مٹی سے پرہیز اے جسم کب تک
کہ آخر یہی خاک ہے اور کفن ہے

بہشت ان کا مول اور زر ان کی قیمت
تصدق اِن آنکھوں پہ دُرِّ عدن ہے

کھلا یہ دو رنگی سے برگِ حنا کی
یہ رنگِ حسینؑ اور وہ رنگِ حسنؑ ہے

گریباں کو اب چھوڑ، اے حرصِ دنیا
مرے ہاتھ میں دامنِ پنجتنؑ ہے

کہا ماں نے، جاتے ہو اصغرؑ کہاں تم
اشارہ کیا قصدِ نہرِ لبن ہے

کہا حرؑ نے تیغیں نہ حضرت پہ کھینچو
لعینو یہ سیّد غریب الوطن ہے

محمدؐ نے معراج میں جس کو پہنا
وہی یہ عمامہ، وہی پیرہن ہے

گلے میں رسن جب بندھی بولے عابدؑ
کہ ہم میں بھی مشکلکشا کا چلن ہے

مکاں دیکھے معراج میں دو نبیؐ نے
کہ ہر ایک جنت میں پرتو فگن ہے

محل اک زمرد کا ہے رشکِ طوبیٰ
تو وہ دوسرا رشکِ لعلِ یمن ہے

کہا سرخ اور [1] سبز کیوں ہیں یہ دونوں
دل اس وقت کچھ خود بخود نعرہ زن ہے

۱۔ ہم رنگ

کہا حاملِ وحی نے سر جھکا کر — یونہی مرتضیٰؑ حضرتِ ذوالمنن ہے
کروں مختصر عرض ہے طول اس میں — یہ قصرِ حسینؑ اور وہ قصرِ حسنؑ ہے

صفیں توڑ کر رن میں کہتے تھے اکبرؑ — مرا جدؑ مرحوم خیبر شکن ہے

اسیروں کو دکھلا کے خولی پکارا — یہ کنبہ علیؑ کا اسیرِ محن ہے
سرا جس کے بازو میں ہے ریسماں کا — یہ زہراؑ کی بیٹی ہے شہ کی بہن ہے
منہ اپنا جو ہے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپے — یہی نامراد ایک شب کی دلہن ہے

کہا شہ نے قاتل سے زانو ہٹا لے — کہ تیروں سے غربال سارا بدن ہے

پکارا شقی حلق پر رکھ کے خنجر — یہی بوسہ گاہِ رسولِ زمن ہے

نظر آیا مقتل تو عابدؑ پکارے — یہ لاشِ امامِ غریب الوطن ہے
نہیں جسم پر ایک چادر کا سایہ — نئی گردشِ آسمانِ کہن ہے
ندا آئی لاشے سے بیٹا نہ روؤ — وہ خوش ہو تو راحت یہ رنج و محن ہے
یہ نیزوں کی چوبیں ہیں تابوت اپنا — یہ دامانِ صحرا ہمارا کفن ہے
نہیں رنج کچھ اپنی عریاں تنی کا — یہ غم ہے کہ زینبؑ اسیرِ محن ہے

پکارے عدو دیکھ کر روئے اکبرؑ — شبیہِ پیمبرؐ عجب گل بدن ہے
یہ دنداں ہیں یا دُرِّ شہوار گویا — دہن ہے کہ درجِ عقیقِ یمن ہے

زہے نورِ رخسار و گیسوئے مشکیں — یہ صبحِ حلب ہے، وہ شامِ ختن ہے

یہ کہتے تھے آپس میں مرغانِ صحرا — کہ سادات پر کیا جفا و محن ہے
محمدؐ نے آغوش میں جس کو پالا — نہ اُس کے لئے گور ہے نہ کفن ہے

کرو دھوپ میں اُس پہ سایہ پروں کا — یہ فخرِ سلیماں کا زخمی بدن ہے

چھڑی رکھ کے بولا یزیدِ سیہ رو — خجل شہ کی ہونٹوں سے لعلِ یمن ہے

پکاری یہ زینبؑ ہٹا چوب ظالم　کہ بے چین روحِ رسولؐ زمن ہے
علیؑ کے یہ لب ہیں نہ چھیڑ ان لبوں کو　ارے یہ رسولؐ خدا کا دہن ہے
کہا شہ نے قاصد کو لے جا کے رن میں　یہ لاشِ علیؑ اکبرؑ گلبدن ہے
انھیں کو لکھے ہیں نہ آنے کے شکوے　وہ ہجراں کشیدہ انھیں کی بہن ہے
وہ سوتے ہیں دریا پہ عباسؑ غازی　یہ پامالِ سرو ریاضِ حسنؑ ہے
گیا رن میں دولھا تو اعدا پکارے　حسیں مثلِ یوسف یہ گل پیرہن ہے
مہِ نو ہے ابرو، جبیں ماہِ کامل　یہ چہرہ ہے خورشید سہرا کرن ہے

انیسؔ اس قدر شور بختی کا شکوہ
یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

□□□

maablib.org

۶۲

خیالِ چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہے
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے

خدا کا قہر نبیؐ کا عتاب رہتا ہے
عدو علیؑ کا ہمیشہ خراب رہتا ہے

ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑ اے گردوں
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے

جو دل جلے ہیں انھیں تا سخن ہے گرما گرم
مزہ ہے تیغ پہ جب تک کباب رہتا ہے

زباں سوالِ نکیرین میں نہ بند ہوئی
خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے

کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
سیاق داں سے حساب و کتاب رہتا ہے

بخیل کیا ہے جو دے گا کسی کو اے توبہ
ولا سخی کو ہمیشہ حجاب رہتا ہے

علیؑ کے خوف سے جنگل میں شیر کانپتے ہیں
جگر نہنگ کا پانی میں آب رہتا ہے

شبوں کو ہوتی ہیں شاہوں کی ڈیوڑھیاں معمور
مگر کھلا ہوا تیرا ہی باب رہتا ہے

بھری ہے کون سی یارب دلِ انیسؔ میں آگ
کہ جس کی آنچ سے دوزخ کباب رہتا ہے

□□□

۶۳

ذکرِ خوش قامتیٔ شاہ جو چل جائے ابھی
مجرئی رنگ قیامت کا بدل جائے ابھی

اے سخن، نور کا سانچا ہے طبیعت میری
کوئی کاواک بھی مضموں ہو تو ڈھل جائے ابھی

پردۂ چشم سے مردم نہ نکلنے دیں اگر
طفلِ اشکِ غمِ شبیرؑ مچل جائے ابھی

مومنو مرثیۂ شاہ ہے نخلِ ماتم
آنسوؤں سے اُسے دو آب تو پھل جائے ابھی

اشہبِ شہ کا اشارہ تھا طرارے جو بھروں
شیرِ گردوں مری ٹاپوں سے کچل جائے ابھی

عصر کے وقت کے مشتاق تھے ایسے شبیرؑ
صبح سے تھی یہ دعا دن کہیں ڈھل جائے ابھی

حکمتِ شیرِ خدا راہ اگر بتلادے
آسماں چشمۂ سوزن سے نکل جائے ابھی

روضۂ شاہ پہ اس جسم سے دم نکلے گا
نہیں مرنے کے، سرہانے سے اجل جائے ابھی

شب کو حضرت نے کہا ہوئیں گی کل راہیں بند
جس کو جانا ہو وہ لشکر سے نکل جائے ابھی

مرنے والوں نے یہ کی عرض کہ پروا کیا ہے
تیغ کل سر پہ جو چلنی ہو تو چل جائے ابھی

غش سکینہ کو جو آتا تھا تو ماں کہتی تھی
سینۂ شہ کی طلب ہو تو سنبھل جائے ابھی

بیبیاں کہتی تھیں صبر آئے گا رفتہ رفتہ
باپ سے بچھڑی ہے کس طرح بہل جائے ابھی

دل مومن تو ہے شیشے سے کہیں نازک تر
آئے اس بزم میں پتھر تو پگھل جائے ابھی

روضۂ حضرتِ عباسؑ کا اللہ رے جلال
اُس کی جھوٹی جو قسم کھائے تو جل جائے ابھی

دل کو مجروح کیا جان کے کھٹکے نے انیسؔ
پھول ہو جائیں یہ کانٹا جو نکل جائے ابھی

(۶۴)

مثالِ بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمالِ شوقِ زیارت ہے اب کی سال مجھے
کریم، ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

برنگِ سبزۂ بیگانہ باغِ دہر میں تھا
ترے سحابِ کرم نے کیا نہال مجھے

کریم، جو تجھے دینا ہو بے طلب دیدے
فقیر ہوں پہ نہیں عادتِ سوال مجھے

نگاہ نامۂ اعمال پر جو کی پسِ مرگ
گناہگار نظر آیا بال بال مجھے

جو خضرِ بخت مجھے کربلا میں پہنچادے
نہ آئے خواب میں بھی ہند کا خیال مجھے

یہ الفتیں بھی ہیں دنیا میں یادگار اے مرگ
مرا خیال تجھے اور ترا خیال مجھے

فلک! میں سبزۂ بیگانہ اس چمن میں نہیں
یہ کیا روش ہے جو کرتا ہے پائمال مجھے

کبھی خوشی سے جو دنیا میں ایک پل گزرا
وہ صدمہ کش ہوں کہ برسوں رہا ملال مجھے

غمِ حسینؑ میں کہتا ہے زخمِ دل ہر دم
لہو جگر کا بہے گر ہو اندمال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

پھڑک پھڑک کے مروں گا وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

بھلا میں دوں قدِ اکبرؑ سے کس طرح تشبیہ
چمن میں سرو دکھائے تو اپنی چال مجھے

لہو بدن کا عرق ہو کے بہہ گیا سارا
ہوا یہ اپنے گناہوں سے انفعال مجھے

تری مدد کا فقط یا علیؑ بھروسا ہے
کسی کی آس نہیں وقتِ انتقال مجھے

یہ فخر ہو کہ ملی بادشاہی دنیا کی
غلام سمجھیں اگر قنبر و بلال مجھے

اجل قریب ہے جلدی نجف میں پہنچادے
بس اے نصیب نہ اگلے برس پہ ٹال مجھے

جواں وہ ہوں کہ نہ آؤں گا دامِ دنیا میں
فریب دیتی ہے ناحق یہ پیر زال مجھے

جب آئیں بیٹوں کی لاشیں تو کہتی تھیں زینبؑ
کچھ ان کے مرنے کا مطلق نہیں خیال مجھے

فدا کروں گہرِ بے بہا سے زہراؑ پر
دیئے تھے حق نے اسی واسطے یہ لال مجھے

وغا میں تیغوں کے پھل کھائے پھول سے تن پر
نہال کر گئے یہ دونوں نونہال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پروردگار رہیو گواہ
کہ قتل کرتے ہیں ناحق یہ بدخصال مجھے

اچٹتا راتوں کو جب دل تو کہتی تھی بانو
دکھا دے اے علی اصغر جھنڈولے بال مجھے

حسینؑ کہتے تھے اک ذوالفقار کافی ہے
نبرد میں نہ زرہ چاہیے نہ ڈھال مجھے

چڑھا یہ کہہ کے جو سینے پہ شاہ کے قاتل
ملے گا آج بہت سا متاع و مال مجھے

پکارا خنجرِ براں کہ الغیاث اے شمر
نہ کر نبیؐ کے نواسے کے خوں سے لال مجھے

چلی جو شام کو بانو تو کہتی تھی رو کر
اکیلے رہنے کا اصغرؑ کے ہے ملال مجھے

جدا جو کرتے تھے اعدا مزارِ اصغرؑ سے
تو بانو کہتی تھی اتنا نہ دو ملال مجھے

خدا کے واسطے مقتل میں مجھ کو رہنے دو
کہ شب کو چونک کے ڈھونڈے گا میرا لال مجھے

حسینؑ کہتے تھے پشتِ فرس سے گرتا ہوں
مدد کا وقت ہے اے بیکسی سنبھال مجھے

رہِ حسینؑ میں لازم ہے سر کے بل چلنا
پسند آئی کمیتِ قلم کی چال مجھے

حسینؑ کہتے تھے زینبؑ سے سب کا غم ہے مگر
بہت تمھاری تباہی کا ہے ملال مجھے

اندھیری قبر میں مشکل انیس کو ہے بہت
دکھاؤ یا علیؑ اب چاند سا جمال مجھے

□□□

۶۵

مجرئی جبکہ عیاں ماہِ عزا ہوتا ہے
چرخ پر ماتمِ شاہِ شہدا ہوتا ہے

رونے والوں کا بھی کیا رُتبہ ہے سبحان اللہ
جن کے اشکوں کا خریدار خدا ہوتا ہے

سرِ حُرؔ گود میں شہ نے لیا اللہ اللہ
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

کانپتی ہے لحدِ انورِ محبوبِ الٰہ
قبر سے نانا کی شبیرؑ جدا ہوتا ہے

دیکھ کر حضرت کو دمِ نزع جو روئے عباسؑ
پیار سے شاہ لگے کہنے یہ کیا ہوتا ہے

کیوں خجل ہوتے ہو پانی نہ ملا تو نہ ملا
وہ کیا تم نے جو کچھ حقِ وفا ہوتا ہے

پھیر دیں آنکھیں جو اصغرؑ نے پکاریں بانو
دوڑو اے بی بیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے

برچھیاں چلتی تھیں قاسمؑ پہ تو کہتی تھی قضا
رانڈ ہوتی ہے بنی، قتل بنا ہوتا ہے

دیر بیٹوں کو لگی رن میں تو زینبؑ نے کہا
لاشیں آتی ہیں اگر فضلِ خدا ہوتا ہے

شمر کہتا تھا کہ بیعت کا تھا بیجا انکار
جو ستم شاہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

شاہ سے اکبرؑ غازی نے کہا جان چلی
زخم میں چھاتی کے اب درد سوا ہوتا ہے

شاہ رو دیتے تھے کہتی تھی سکینہؑ جس دم
پیاس سے سینے میں دم اب تو خفا ہوتا ہے

شور چہلم کو ملائک میں فلک پر تھا یہی
چلو مقتل میں کہ دفنِ شہدا ہوتا ہے

حوصلہ تھا یہ حسینؑ بن علیؑ کا ورنہ
سجدہ خنجر کے تلے کس سے ادا ہوتا ہے

دیکھ ہم شکلِ پیمبرؐ کو یہ کہتے تھے عدو
اس کے چہرے سے عیاں نورِ خدا ہوتا ہے

کہتی تھی خلقِ خدا دیکھ کے عابدؑ کو اسیر
کہیں بیمار بھی رسّی سے بندھا ہوتا ہے

ذبح شہ ہوتے تھے، چلاتی تھی زینبؑ رو رو
بیگنہ قتل شہِ ہر دوسرا ہوتا ہے

جنگ میں کہتے تھے ہنس ہنس کے نمک خوارِ حسینؑ
زخم کھانے میں بھی اک طرفہ مزہ ہوتا ہے

شاہ بن روتی سکینہؑ تو یہ کہتی بانو
موت ہے باپ سے بچہ جو جدا ہوتا ہے

شہ کے لب ہلتے ہوئے دیکھ کے زینبؑ نے کہا
صاحبو! نیزے پہ بھی ذکرِ خدا ہوتا ہے

ماں نے عباسؑ کی اُمّ سلمہ سے پوچھا
تپ سے بچی کو افاقہ بھی ذرا ہوتا ہے

بولی وہ غش میں پڑی رہتی ہے غش میں بھی مگر
کبھی ماں کا کبھی بھنوں کا گلہ ہوتا ہے

رن میں کہتے تھے لعینوں سے شہِ تشنہ دہن
بند پانی جو کیا تم نے تو کیا ہوتا ہے

میرے منہ میں وہ محمدؐ کی زباں کا ہے اثر
شجرِ خشک پہ تھوکوں تو ہرا ہوتا ہے

تا بہ چہلم یہ صدا آتی تھی میداں سے انیسؔ
دیکھیں کب قید سے سجادؑ رہا ہوتا ہے

□□□

۶۶

گرد ہے اکسیر خاکِ کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا طلاء کے سامنے

فاصلہ کیسا؟ اِدھر پہنچے، اُدھر داخل ہوئے
کربلا جنت کے، جنت کربلا کے سامنے

جسم کو اک دن فنا کردیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اڑا دینا ہوا کے سامنے

پردہ پوشِ عاصیاں ہے ان کا دامانِ وسیع
کیا گنہ کا ڈھانپنا آلِ عباؑ کے سامنے

کہتے تھے حضرت علیؑ اکبر کا مرنا ہے غضب
ہم نہ دنیا سے گئے اس دلربا کے سامنے

حلق سے اتری کہ آنکھیں سرد، دل ٹھنڈا ہوا
گرد ہو جاتی ہے تپ خاکِ شفا کے سامنے

جب سکینہؑ کی زباں میں پیاس سے کانٹے پڑے
سر جھکا کر مشک لے آئی چچا کے سامنے

فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے

ذوالفقارِ حیدرِ صفدر سے شرماتی ہے برق
ابرِ نیساں تر ہے زہراؑ کی ردا کے سامنے

خوف کیا ہے بہرِ پرسش آئیں گر منکر نکیر
بندۂ حیدرؑ ہوں کہہ دوں گا خدا کے سامنے

عقدۂ دل جلد حل ہوتے ہیں گھبراتا ہے کیوں
کیا گرہ کا کھولنا مشکلکشا کے سامنے

تارکِ دنیا کو اسبابِ حشم سے کیا غرض
تختِ شاہی خاک سے کم ہے گدا کے سامنے

کہتے تھے خولی سے عابدؑ چادرِ زینبؑ نہ چھین
ہاتھ باندھے جائیں گے مشکلکشا کے سامنے

یاد رکھ ظالم، پریشاں ہوگا مجمع حشر کا
فاطمہؑ جب بال کھولے گی خدا کے سامنے

فصلِ پیری میں ہوسِ دُنیا کی توبہ کر انیسؔ
حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

۶۷

اے سلامی یوں ارم ہے کربلا کے سامنے
ہو چمن جس طرح قصرِ بادشا کے سامنے

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشا کے سامنے
ہاتھ پھیلائے تو انگر کیا گدا کے سامنے

کیوں نہ دب جائیں تو انگر بادشا کے سامنے
آسماں کو فوق کیا عرشِ علا کے سامنے

وائے حسرت کچھ نہ دنیا میں کیے اعمالِ نیک
ہاتھ خالی ہم چلے اپنے خدا کے سامنے

قلب میں داغوں کے گل، دامن میں اشکوں کے گہر
ہم یہ ہدیے لے کے جائیں گے خدا کے سامنے

حُرؑ کو آتی تھی صدا کیوں کانپتا ہے مثلِ بید
نار کا ڈر ہے تو چل نورِ خدا کے سامنے

واہ ری رحمت کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈا کردیا
آگ پانی ہوگئی خاکِ شفا کے سامنے

معجزے سے آپ نے عفریت کے باندھے جو ہاتھ
مدتوں روتا پھرا وہ انبیا کے سامنے

پر کسی سے اس کی مشکل کا نہ عقدہ حل ہوا
وہ گرہ آخر کھلی مشکلکشا کے سامنے

دے گا شہ کی بے گناہی پر شہادت روزِ حشر
خنجرِ قاتل زباں بن کر خدا کے سامنے

کہتے تھے عباسؑ بہکاتا ہے کیا او شمرِ شوم
دم بھی نکلے گا تو شاہِ کربلا کے سامنے

مجھ سے کہتا ہے کہ آقا کی رفاقت چھوڑ دو
یہ دغا بازی کی باتیں، باوفا کے سامنے

اس سے زر بنتا ہے اور اس سے گنہ ہوتے ہیں پاک
قدر کیا اکسیر کی خاکِ شفا کے سامنے

تن میں رعشہ پڑ گیا، پیری سے گردن خم ہوئی
اب تو جھک سجدے میں او سرکش خدا کے سامنے

عرش پہ دستِ علیؑ نکلا حجابِ نور سے — شیر کا کاسہ جب آیا مصطفیٰؐ کے سامنے

کور باطن تھا حُرِ غازی مگر اللہ رے فیض — قلب روشن ہوگیا نورِ خدا کے سامنے

تیرے بندے اور امامِ بت شکن کے ہیں غلام — حشر کے دن ہم یہ کہہ دیں گے خدا کے سامنے

روضۂ شہ میں صدا آتی ہے یہ زوّار کو — دیکھ یاں بابِ اجابت ہے دعا کے سامنے

حُرؑ نے بیٹے سے کہا ہاتھوں کو اپنے باندھ کر — یوں چلو لختِ دلِ مشکلکشا کے سامنے

کیا سخاوت تھی کہ چھپ چھپ کر علیؑ ہنگامِ شب — آپ لے جاتے تھے کھانا ہر گدا کے سامنے

حشر میں اک اور ہوگا حشر، جس دم فاطمہؑ — لائے گی شہ کا سرِ پُرخوں خدا کے سامنے

روضۂ سرور پہ پہنچا دے ہماری روح کو — ملتجی رہتا ہوں میں بادِ صبا کے سامنے

جب چڑھا جلاد سینے پر تو حضرت نے کہا — روک لے اپنی ردا آلِ عباؑ کے سامنے

دوڑی آئے گی وہ مقتل میں کہ عاشق ہے مری — ذبح کر مجھ کو نہ بنتِ مرتضیٰؑ کے سامنے

کہتی تھی زینب تمھیں بھی کچھ خبر ہے یا حسینؑ — ننگے سر نکلی ہوں میں اہلِ جفا کے سامنے

تربتِ سرور پہ جا کر خاک ہو جاؤں انیسؔ
ہے زباں پر یہ دعا ہر دم خدا کے سامنے

□□□

(۶۸)

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے منہ چھپا کے چلے

مقام یوں ہوا اس کارگاہِ دنیا میں
کہ جیسے دن کو مسافر سرا میں آ کے چلے

خیال آگیا دنیا کی بے ثباتی کا
چلے جہاں سے جو اصغرؑ تو مسکرا کے چلے

طلب سے عار ہے اللہ کے فقیروں کو
کبھی جو ہو گیا پھیرا، صدا سنا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

خرامِ اسپ شہِ دیں سے دیں گے ہم تشبیہ
کہاں ہے کبکِ دری، چال تو بنا کے چلے

جنھیں ملا انھیں افتادگی سے اَوج ملا
انھوں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

حسینؑ کہتے تھے واحسرتا علی اکبرؑ
بہارِ باغِ جوانی ہمیں دکھا کے چلے

ملک پکارے کہ اُلٹا زمین کا طبقہ
حسینؑ فوج پہ جب آستیں چڑھا کے چلے

ملی نہ پھولوں کی چادر تو اہلِ بیتِ امامؑ
مزار شاہ پہ لختِ جگر چڑھا کے چلے

چلے وطن کو جو عابدؑ تو کہتے تھے رو کر
علیؑ کے چاند کو ہم خاک میں چھپا کے چلے

رہی غرور سے نفرت خجستہ کاروں کو
قلم کی طرح چلے جب تو سر جھکا کے چلے

تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

ادھر تھا شور کہ بجھ جائیں گی صفیں دس بیس
جو دو ہی ہاتھ ادھر سیفِ مرتضٰی کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

۷۹

بین اے مجرئی قاسمؑ کی دلہن کیا جانے
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے

دم جو گھٹتا تو یہی کہتی تھی کبراؑ رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابنِ حسنؑ کیا جانے

چین رستے میں نہ ملتا تو یہ فرماتے تھے شاہ
مجھ سا غربت زدہ آرامِ وطن کیا جانے

لاشِ شبیر سے آتی تھی صدا مقتل میں
کب میسر مجھے ہوئے گا کفن کیا جانے

عمر بھر جس نے نہ دیکھی غل و زنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے

باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجادؑ
مرغِ بے بال بھلا سیرِ چمن کیا جانے

کہتی تھی پیاس کی شدت میں سکینہؑ رو رو
ہوگا کب پانی سے تر خشک دہن کیا جانے

داغ اصغرؑ کا کوئی بانو کے دل سے پوچھے
چھد گیا کس کا جگر تیر فگن کیا جانے

کہا زینبؑ نے کہ شبیر سا بھائی نہ رہا
کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن کیا جانے

رات کو بیاہ ہوا، صبح کو کٹوایا گلا
لطف شادی کا بھلا ابنِ حسنؑ کیا جانے

تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغرؑ
بے زباں ہوئے جو بچہ وہ سخن کیا جانے

قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلمؑ
کیا کریں شاہ سے، یہ عہد شکن کیا جانے

ردِ دعوت نہیں کرنے کا پسر زہراؑ کا
اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن کیا جانے

زخمی اکبرؑ کو جو شبیرؑ نے دیکھا تو کہا
ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن کیا جانے

شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینبؑ نے کہا
زیب تن ہوتا ہے کیوں رختِ کہن کیا جانے

بولے شہ پانی تو ملتا نہیں، مرنے کے بعد
کوئی دے گا کہ نہ دیوے گا کفن کیا جانے

دم خفا ہوتا تو کہتی تھی سکینہؑ رو رو
کب کٹے گی مری گردن سے رسن کیا جانے

اہل کیں کہتے تھے ہنس ہنس کے ہیں مرتے جاتے
کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے

ظلم تو ہوتے تو فرماتے تھے سجادؑ حزیں
ہم سے برگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن کیا جانے

لاشِ شبیرؑ پہ زہراؑ نے کہا رو رو کر
قبلہ رو خاک پہ کس کا ہے یہ تن کیا جانے

کس طرح قدر تجھے اپنے سخن کی ہو انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

□□□

(۷۰)

غمِ حسینؑ میں رو مجرئی ثواب یہ ہے
سمجھ ہر اشک کو رشکِ دُرِ خوش آب یہ ہے

لحد میں دیکھیے داغِ غمِ حسینؑ کی ضو
زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب یہ ہے

امام کہتے تھے کیونکر رکھوں نہ حُرؑ کو عزیز
خدا گواہ کہ لاکھوں میں انتخاب یہ ہے

امام کہتے تھے مہماں تھا حُرؑ مگر افسوس
ضیافت اس کی نہ کچھ ہو سکی حجاب یہ ہے

رگڑ کے ایڑیاں قاسمؑ نے وقتِ نزع کہا
عدم کے ہیں سفری اپنا پا تراب یہ ہے

بنےؑ کی لاش پہ روئی پکار کر نہ بنی
حیا و شرم اسے کہتے اور حجاب یہ ہے

زمیں کو جھاڑ کے بالوں سے کہتی تھی زہراؑ
چبھے نہ کچھ مرے بچے کا فرشِ خواب یہ ہے

سوالِ خط کیا قاصد نے جب تو شہ نے کہا
جوابِ زیست نے ہم کو دیا، جواب یہ ہے

ملا نہ مالکِ کوثر کو ایک قطرۂ آب
ہنوز خلق میں دریا کو پیچ و تاب یہ ہے

سوالِ آب جو کرتے تھے شہ تو دشمنِ دیں
لگا کے تیرِ ستم کہتے تھے جواب یہ ہے

دکھا کے حاکمِ کوفہ کو شمر کہنے لگا
بہن حسینؑ کی زینبؑ جگر کباب یہ ہے

ملک، فلک پہ یہ کہتے تھے وقتِ قتلِ امامؑ
جفا و جور یہ ہے، ظلم بے حساب یہ ہے

سوارِ دوشِ رسولؐ خدا کی چھاتی پہ
چڑھا ہے شمر زمانہ کا انقلاب یہ ہے

پدر کو کھو کے پھرا زندہ، کہتے تھے سجادؑ
کہیں گے کیا مجھے اہلِ وطن حجاب یہ ہے

چھپا کے بالوں سے چہروں کو کہتی تھیں رانڈیں — ردا بس اب یہ ہے، پردہ یہ ہے، نقاب یہ ہے

صفائے حسن کو اکبرؑ کے دیکھ بولے عدو — نگہ ٹھہرتی نہیں رُخ پہ آب و تاب یہ ہے

نہ سمجھو نقطۂ خالِ سیاہ ابرو پر — کتابِ حسن کی اک بیت انتخاب یہ ہے

خجل ہے زلف کی خوشبو سے بوئے عنبر و مشک — عرق نہیں گلِ رخسار پر گلاب یہ ہے

لگا کے خونِ جبیں ریش پر یہ شہ نے کہا — جہاں سے جاتے ہیں ہم آخری خضاب یہ ہے

دمِ خبر جو ندا شہ کو چرخ سے آئی — کدھر خیال ہے کس فوج پر عتاب یہ ہے

حسینؑ ضرب ہے تیری، ہمارے ہاتھ کی ضرب — علیؑ کے لال سے سر بر ہو کس میں تاب یہ ہے

رسولؐ کہتے تھے بازو پکڑ کے حیدرؑ کا — مدینہ علم کا تو میں ہوں اور باب یہ ہے

جسے پہنچنا ہو مجھ تک وہ اس سے راہ رکھے — خطا کے اور ہیں رستے، رہِ صواب یہ ہے

سرِ حسینؑ کو نیزے پہ دیکھ کہتی تھی خلق — قسم خدا کی قیامت کا آفتاب یہ ہے

اسیر دیکھ کے بانوؑ کو کہتے تھے کوفی — بندھا ہے جس کا گلا مالک الرقاب یہ ہے

یہ بانو کہتی تھی اصغرؑ کی قبر سے رو رو — تڑپ رہی ہوں مرے دل کو اضطراب یہ ہے

ہماری چھاتی پہ آرام کرتے تھے کل تک — زمیں پہ سوتے ہو تم آج فرشِ خواب یہ ہے

نسب بیاں جو کیا اپنا شہ نے بولے عدو — جواب کیا دیں کہ تقریر لاجواب یہ ہے

دعائے بخششِ امت جو شہ نے کی تہِ تیغ — ندائے غیب یہ آئی کہ مستجاب یہ ہے

ہر ایک زخم کے اوپر لگے تھے سو سو زخم — جراحتِ تنِ شبیرؑ کا حساب یہ ہے

زمیں پہ دیکھ تنِ شہ کو کہتے تھے رہرو — اڑاؤ خاک کہ فرزندِ بوتراب یہ ہے

امام کہتے تھے کیا اعتبار دنیا کا — اگر خیال سے دیکھے کوئی تو خواب یہ ہے

کہا یہ قاسمؑ و اکبرؑ کو دیکھ اعدا نے — وہ ماہِ چار دہم ہے تو آفتاب یہ ہے

مروں تو رنج سے چھٹ جاؤں کہتی تھی صغراؑ — بدن سے جان نکلتی نہیں عذاب یہ ہے

امام کہتے تھے بن پانی بچے مرتے ہیں فرات سامنے ہے، اور قحطِ آب یہ ہے
فلک نے سر پہ رکھا ہے بنا کے جس کو ہلال سمندِ صاحبِ معراج کی رکاب یہ ہے
حسینؑ کہتے تھے کیا ہست و بود انساں کی کہ موج خیز ہے بحرِ جہاں، حباب یہ ہے
فرس سے کہتے تھے عباسؑ چل، برستے ہیں تیر چھدے نہ مشک کہیں مجھ کو اضطراب یہ ہے
جب آیا گھوڑا تو عابدؑ نے آنکھیں مل کے کہا قدم تھا شاہ کا جس میں وہی رکاب یہ ہے
سوار دیکھ کے اکبرؑ کو کہتے تھے اعدا رسولؐ چڑھتے تھے جس پر وہی عقاب یہ ہے
ستاتے کوئی جو سجادؑ کو تو کہتے حرم ادب کرو کہ امامِ فلک جناب یہ ہے
سکینہؑ چونک کے روئی تو باتو کہنے لگی کہاں حسینؑ ہیں، بی بی خیال و خواب یہ ہے

یزید تخت کے اوپر ہو، اور تلے سرِ شاہ
انیسؔ دیکھ، زمانے کا انقلاب یہ ہے

□□□

۷۱

آ کے جو بزمِ عزا میں رہ گئے مجرئی وہ فردِ عصیاں دھو گئے
یاد آیا دامنِ مادر کا چین پاؤں پھیلا کر لحد میں سو گئے
اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے
موت آئی ہے محبّو! الفراق آج سب وعدے برابر ہو گئے
رکھ کے تربت میں پکارے شاہِ دیں ہائے آج اصغرؑ اکیلے ہو گئے
ہاتھ سے جاتا رہا نقدِ حیات جان لے کر آئے بے جاں ہو گئے
عالمِ فانی میں ہم کو کیا ملا اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے
راحت آبادِ عدم ہے خوب جا پھر نہ آئے وہ، جہاں سے جو گئے
ہتھکڑی اور بیڑیوں کو دیکھ کر دست و پا عابدؑ کے ٹھنڈے ہو گئے
چھد گیا مثلِ گہر ناوک سے حلق لعل سی جاں اپنی اصغرؑ کھو گئے
خون گردن سے جو نکلا گرم گرم بھر کے آہِ سرد ٹھنڈے ہو گئے
احمدؐ و زہراؑ و حیدرؑ اور حسنؑ آ کے سب لاشے پہ حرؑ کے رو گئے

عالمِ پیری میں یہ غفلت انیسؔ
رات بھر جاگے، سحر کو سو گئے

□□□

۷۲

واجب الرحم تھے زنداں کے سزاوار نہ تھے
مجرئ اہلِ حرم قابلِ آزار نہ تھے

بولے عابدؑ کہ فدائے شہ دیں غیر ہوئے
اک فقط ہم ہی شہادت کے سزاوار نہ تھے

شاہ فرماتے تھے ایسے ہیں ہمارے انصار
نانا صاحب کے بھی اس طرح کے انصار نہ تھے

تیر اصغرؑ کے جو مارا تو کہا سرورؑ نے
ہم گنہگار تھے بچے تو گنہگار نہ تھے

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہنِ زخمِ بدن دیدۂ خونبار نہ تھے

بدھیاں زخموں کی پہنے ہوئے تھے ابن حسنؑ
کیا ہوا پھولوں کے گردن میں اگر ہار نہ تھے

کہا صغراؑ نے کہ فرقت نے پدر کی مارا
آگے اے صاحبو ہم ایسے تو بیمار نہ تھے

شہ کے دانتوں پہ چھڑی رکھ کے کہا حاکم نے
ہم نے اس طرح کے دیکھے دُرِ شہوار نہ تھے

صبحِ عاشور تلک ساتھ تھے مولا کے رفیق
عصر کے وقت اکیلے تھے، جلودار نہ تھے

کہا زہراؑ نے فلک میں نے ستایا تھا کسے
میرے بچے تو اس آفت کے سزاوار نہ تھے

گل سے تلووں کا یہ عابدؑ کے ہوا تھا احوال
کون سا چھالا تھا وہ جس میں کہ دو خار نہ تھے

بیڑیاں پہنیں تو کہنے سے پدر کے پہنیں
لاکھ بیمار تھے سجّادؑ پہ ناچار نہ تھے

اہلبیتؑ آکے مقید ہوئے اس زنداں میں
جس میں لکھا ہے کہ ثابت در و دیوار نہ تھے

کیوں نہ سر دیتے رفیقانِ حسینؑ ابن علیؑ
دیں کے طالب تھے وہ دنیا کے طلبگار نہ تھے

گر مسیحِ دوجہاں کا ہوا افضال انیسؔ
اچھے یوں ہوئیں گے جیسے کبھی بیمار نہ تھے

(۷۳)

غمِ شہ میں گر داغ دل پر رہے سلامی لحد میں منور رہے
اک افسانہ بیکسی رہ گیا نہ قاتل رہا اور نہ سرورؑ رہے
صبا لے کے جا میرے پھولوں کی بو دماغ عدو بھی معطر رہے
فقیروں کی کیا موت کیا زندگی جگہ جس جگہ مل گئی مرَ رہے
بدن گھل گیا مثلِ تیغِ اصیل نہ کس بل رہا اور نہ جوہر رہے
پسر گو تھے زینبؑ کے چھوٹے بڑے لڑائی میں دونوں برابر رہے
قیامت ہے کفار سیراب ہوں جگر تشنہ مختارِ کوثر رہے
وہ ہے آدمی جس سے ہو کارِ خیر بشر وہ جو دنیا میں بے شر رہے
جنازہ اٹھانا ہے احباب کو مناسب ہے گر جسم لاغر رہے
چڑھائیں عدو اس کو نیزے پہ آہ محمدؐ کے زانو پہ جو سر رہے
نہ کھائی برس دن بھی یاں کی ہوا بہت کم زمانے میں اصغرؑ رہے
کبھی لاش اٹھائی، کبھی رو دیئے اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے
زمانے میں یکساں گزرتی نہیں مشقت کی بھی طبع خوگر رہے
کہا شہ نے سر ہو گئی راہِ عشق جو ثابت قدم زیرِ خنجر رہے

عمر سے کہا فوج نے خوب ہے اگر پردۂ آلِ اطہر رہے
محمدؐ کی حرمت کا لازم ہے پاس محافہ میں زہراؑ کی دختر رہے
کہا شمر نے اس طرح لوٹیو کہ سر پر کسی کے نہ چادر رہے
ہمیں حکم ہے حاکمِ شام کا کہ بلوے میں زینبؑ کھلے سر رہے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیسؔ
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

□□□

۴۷

ہوا جو عشقِ ثنائے ابوترابؑ مجھے
خدا نے کردیا ذرّے سے آفتاب مجھے

تہہ زمیں نظر آئے ہیں بوترابؑ مجھے
ملا ہے قبر کی ظلمت میں آفتاب مجھے

زمینِ ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو
کرو نجف میں طلب یا ابوترابؑ مجھے

بہت کھپے گا ادھر سے جو ہوئی بارشِ اشک
برس کے جوش میں لاتا ہے کیوں سحاب مجھے

خزانۂ گہرِ بے بہا تھا پردوں میں
دکھائے چشم نے کیا کیا دُرِ خوش آب مجھے

کبھی نہ دوں عرقِ روئے شاہ سے نسبت
ہزار طرح سے چھینٹے جو دے گلاب مجھے

غمِ حسینؑ میں ندی چڑھی یہ اشکوں کی
کہ آسماں نظر آنے لگا حباب مجھے

پدر کے غم میں تڑپتی ہوں کہتی تھی صغرا
نہ چین آتا ہے اے پیشوا نہ خواب مجھے

چھلکتے جام رہیں، میکدہ رہے آباد
خُمِ غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے

گُلِ حدیقۂ زہراؑ نے آبرو دے کر
کلی سے پھول کیا، پھول سے گلاب مجھے

صدا یہ آتی تھی مقتل سے بعدِ قتلِ حسینؑ
کسے خبر ہے جو حاصل ہوئے ثواب مجھے

غریب وبیکس ومظلوم وتشنہ کام وشہید
ملے ہیں خلق میں سردے کے یہ خطاب مجھے

بندھی رسن میں جو گردن تو بولے عابدِ زار
خدا نے آج کیا مالک الرقاب مجھے

حسینؑ کہتے تھے اے تیغ سب فنا ہوجائیں
ستم کی فوج پہ آئے اگر عتاب مجھے

ترا نظیر ہے دنیا میں اور نہ کوئی مرا   تجھے ہلال بنایا ہے، آفتاب مجھے

رُخِ حسینؑ سے دعوائے ہمسری کیا خوب   دکھائے زلف تو چہرے پہ آفتاب مجھے

نقاب رُخ سے الٹ دیجیے علی اکبرؑ   چمک دکھا کے جلاتا ہے آفتاب مجھے

کیے جو آ کے نکیرین نے سوال انیسؔ
بتا دیے مرے مولا نے سب جواب مجھے

□□□

۷۵

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے — شمعِ کشتہ ہوں فنا میں ہے بقا میرے لئے

زندگی میں تو نہ اک دم خوش کیا ہنس بول کر — آج کیوں روتے ہیں میرے آشنا میرے لئے

کنجِ عزلت میں مثالِ آسیا ہوں گوشہ گیر — رزق پہنچاتا ہے گھر بیٹھے خدا میرے لئے

تو سراپا اجر، اے زاہد، میں سرتاپا گناہ — باغِ جنت تیری خاطر، کربلا میرے لئے

کہتے تھے شہ سخت ہے تیغ و گلو کا مرحلہ — یہ بھی مشکل سہل کر دے گا خدا میرے لئے

یا حسینؑ ابنِ علیؑ، فیاضِ عالم، جانِ خلق — آپ نے کی ہر مصیبت میں دعا میرے لئے

آبرو و مال و فرزندانِ صالح، عزّ و جاہ — کس کی خاطر یہ ہوا، جو کچھ ہوا میرے لئے

بھر دیا دامن کو مولا نے دُرِ مقصود سے — زر دیا زر پر، عطا پر کی عطا میرے لئے

قطعِ اُمید ایک در سے گر ہوئی کچھ غم نہیں — اور کچھ سامان کر دے گا خدا میرے لئے

نام روشن کر کے کیونکر بُجھ نہ جاتا مثلِ شمع — ناموافق تھی زمانہ کی ہوا میرے لئے

ہر نفس آئینۂ دل سے یہ آتی ہے صدا — خاک تو ہو جا تو حاصل ہو جِلا میرے لئے

بھیج دے جنت میں یا دوزخ میں ہاں مجرم تو ہوں — تو ہے عادل، جو مناسب ہو سزا میرے لئے

اے ہوس اپنی اپنی قسمت اس کا رشک کیا — کیمیا تیرے لئے، خاکِ شفا میرے لئے

کہتے تھے شہ حضرتِ آدمؑ سے تا ختمِ رُسلؐ — روئے سارے انبیاء و اولیا میرے لئے

کہتی تھی صغراؔ ٹھنڈائی سے نہ ہوئے گی شفا   شربتِ دیدارِ اکبرؑ ہے دوا میرے لئے
کہتے تھے حضرت، علی اکبرؑ سا شیریں لب نہیں   تلخ ہے اب زندگانی کا مزا میرے لئے
کہتے تھے شہ سر کو آنکھوں سے رکھوں گا زیرِ تیغ   واجب عینی ہے وعدے کی وفا میرے لئے

خاک سے ہے خاک کو اُلفت تڑپتا ہوں انیسؔ
کربلا کے واسطے میں، کربلا میرے لئے

□□□

maablib.org

۷۶

سلامی درِ شہ پہ گر جائیں گے تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے
ہر اک آن یاں زندگی موت ہے جئیں گے تو واں جا کے مر جائیں گے
کہا فوجِ اعدا سے عباسؑ نے سرک جاؤ، ہم نہر پر جائیں گے
نہ پہنچے گا گر اب بھی پانی انھیں پھڑک کر کئی طفل مر جائیں گے
گلوں سے جو اترے گا ایک ایک گھونٹ تو اُکھڑے ہوئے دم ٹھہر جائیں گے
سکینہؑ کی ننھی سی اک مشک سے جو ہو نہر خالی تو بھر جائیں گے
چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی تو نظروں سے دریا اتر جائیں گے
لعینوں سے کہتے تھے زینبؑ کے لال جو کچھ ہم سے ہوگا وہ کر جائیں گے
نہ دکھلاؤ تیغیں سمجھ کر صغیر ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے
پہن کر کہا شہ نے رختِ کہن یہ کپڑے بھی تن سے اتر جائیں گے
حرم سے شبِ قتل کہتے تھے شاہ دمِ صبح ہم کوچ کر جائیں گے
مصیبت کی راتیں بسر ہوگئیں نہ روؤ، یہ دن بھی گزر جائیں گے
یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی کہ اکبرؑ جواں ہو کے مر جائیں گے

عدو رنج دیتے تو کہتے تھے شاہ ہم اب پھر کے یاں سے نہ گھر جائیں گے
خدا تو ہے شاہد کہ بے جرم ہوں چھپیں گے کہاں اور کدھر جائیں گے

خدا بات رکھے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

□□□

madblib.org

۷۷

شباب روضۂ فرزندِ بوترابؑ ملے
کھلیں نصیب جو خلدِ بریں کا باب ملے

تلاش جس کی ہے دل کو بصد شتاب ملے
جہاں میں نور ہے جس کا وہ آفتاب ملے

خوشا عطا و زہے رتبۂ غمِ شبیرؑ
کہ ایک آہ میں تسبیح کا ثواب ملے

ندائے غیب یہ حُرِّ جری کو آتی تھی
گناہ عفو ہوئے اجر بے حساب ملے

بھٹک رہا ہے کدھر راہِ خلد سے غافل
اُدھر کو جا کہ جدھر جادۂ صواب ملے

حرم حسینؑ کے کہتے تھے رو کے بلوے میں
چھپائیں چہروں کو ہم گر کوئی نقاب ملے

حسینؑ کہتے تھے لکھا تھا یہ مقدر میں
کہ خاک میں علی اکبرؑ، ترا شباب ملے

پتہ علیؑ سے ملا اور سب اماموں کا
کہ ایک نور سے گیارہ یہ آفتاب ملے

غریب و بیکس و بے پر، شہید و تشنہ دہن
حسینؑ کو پسِ مردن یہ سب خطاب ملے

حسینؑ آپ گئے حُرؑ کی پیشوائی کو
کسے زمانے میں رُتبے یہ بے حساب ملے

[مقامِ غور ہے چمکیں نہ کس طرح طالع
کہ خود جب آن کے ذرّے سے آفتاب ملے

ذرا سوالِ نکیرین میں جو بھٹکا میں
زبانِ مصحفِ ناطق سے سب جواب ملے

جہاں کا آب و نمک جس کی ماں کے مہر میں ہو
پسر کو اس کے نہ دنیا میں جامِ آب ملے

انیسؔ فیض کا معدن ہے بارگاہِ حسینؑ
صلے خدا کی عنایت سے بے حساب ملے

۷۸

اعدا حرم کو مثلِ گنہ گار لے گئے
مُجرائی بے ردا سرِ بازار لے گئے

اعدا سے شاہ کہتے تھے اب جنگ کیا کروں
طاقت ہماری بھائی علمدار لے گئے

زینبؑ نثار ہوگئی بیٹوں کے عزم پر
جب دونوں آکے جنگ کے ہتھیار لے گئے

لکھا ہے سرِ حسینؑ کا روتا تھا طشت میں
سیدانیوں کو جب سرِ دربار لے گئے

جب اس نے خط دیا علی اکبرؑ کے نام کا
قاصد کو لاش پر شہ ابرار لے گئے

کہتی تھی فوجِ شام کو لہجہ عرب کا ہے
باتوں میں حُرؑ کو سیدِ ابرار لے گئے

بانو لپٹ کے تربتِ اصغرؑ سے کہتی تھیں
مجھ کو نہ ساتھ اے مرے دلدار لے گئے

روئیں گے ہم لپٹ کے مزارِ حسینؑ سے
گر شہ کے در پہ طالعِ بیدار لے گئے

کھینچی مہار اونٹوں کی مقتل سے شام تک
بارِ گراں یہ عابدؑ بیمار لے گئے

بالوں سے منہ چھپائے ہوئے ساتھ ساتھ تھے
مجلس میں جب حرم کو ستمگار لے گئے

جائے گا تو انیسؔ مقرر بہشت میں
سن لیجیو کے حیدرؑ کرار لے گئے

□□□

۷۹

مجرئی قتل جب اکبرؑ سا پسر ہوجائے
غم سے کیوں ٹکڑے نہ سرور کا جگر ہوجائے

قتل کی شب یہی شبیرؑ کی تھی حق سے دعا
یا الٰہی کہیں جلدی سے سحر ہوجائے

کہتے تھے شہ عمرِ سعد اگر دے مہلت
آج کی رات عبادت میں بسر ہوجائے

جس جگہ آب کا ہو کام غضب ہے یارو
اس جگہ خنجرِ قاتل کا گزر ہوجائے

تیر اصغرؑ کے گلے پر جو لگائیں ظالم
کیوں نہ خم مثلِ کماں شہ کی کمر ہوجائے

شاہ فرماتے تھے رو کر مجھے غم ہے کہ کہیں
قتلِ اکبرؑ کی نہ صغراؑ کو خبر ہوجائے

پوچھا زینبؑ نے ہوئی فتح؟ تو سرور نے کہا
سر کٹا دوں تو مہم جنگ کی سر ہوجائے

جبہ سائی درِ شبیرؑ کی ہوئے جو نصیب
تو یقیں ہے کہ جبیں رشکِ قمر ہوجائے

رن میں اکبرؑ کو لگی دیر تو ماں کا اس کی
تھا یہ نزدیک کہ سو ٹکڑے جگر ہوجائے

جا کے ڈیوڑھی پہ یہ چلائی کہ کہہ دو یا شاہ
گھر میں اک دم کو مرا نورِ نظر ہوجائے

نانی کہتی تھیں سفر سے پھریں جب تک شبیرؑ
کہیں صغراؑ کا نہ دنیا سے سفر ہوجائے

کہتی تھی فاطمہ صغراؑ اگر آئیں بابا
کیسا اجڑا ہوا آباد یہ گھر ہوجائے

کہا عابدؑ نے دل اے شمر نہ پگھلا تیرا
میں کروں آہ تو پتھر میں اثر ہوجائے

لاش لاتے جو رفیقوں کی تو کہتی زینبؑ
بھانجوں پر بھی عنایت کی نظر ہوجائے

لائیں ڈھالیں تو یہ بیٹوں سے کہا زینبؑ نے
ایک اک نیمچہ بھی زیرِ کمر ہو جائے
مرنے والوں کو تو درکار نہیں ہیں ڈھالیں
چاہیے جنگ میں سینہ ہی سپر ہو جائے

بعدِ مردن رہے یادِ رُخِ اکبرؑ جس کو
داغِ دل گور میں بھی رشکِ قمر ہو جائے

ٹپکے ہر موج نہ ساحل سے سر اپنا کیوں کر
پیاسا جب قتل شہِ جن و بشر ہو جائے

بولے عابدؑ اسے کیا سوجھے سوا رونے کے
جس کی آنکھوں سے نہاں روئے پدر ہو جائے

کہا سجادؑ نے، اعدا جو مجھے رونے دیں
دامنِ دشت ابھی اشکوں سے تر ہو جائے

لگ کے چھاتی سے پدر کی یہ سکینہؑ نے کہا
پھر چلو سوئے وطن صلح اگر ہو جائے

شاہ پر چھوڑ کے گھر بار فدا ہوں جو انیسؔ
اُن کا کیونکر دلِ زہراؑ میں نہ گھر ہو جائے

□□□

۸۰

مُجرا اُسے جو لاغر و رنجور تن بھی ہے — محبوسِ طوق بھی ہے، اسیرِ رسن بھی ہے
پیدل تو آگے آپ ہے اور پیچھے اونٹ پر — عریاں سر پھوپھی بھی ہے ماں بھی بہن بھی ہے
عابدؑ سے شمر کہتا تھا پہنا کے بیڑیاں — گردن کو خم کرو ابھی طوق و رسن بھی ہے
کہتے تھے لوگ دیکھ کے زینبؑ کو ننگے سر — یہ بنتِ فاطمہؑ بھی ہے، شہ کی بہن بھی ہے
لشکر میں غل ہے آمدِ عباسؑ ہے ڈرو — فرزندِ مصطفےٰؐ بھی ہے اور صف شکن بھی ہے
رو رو سکینہؑ کہتی تھی اکبرؑ کی لاش پر — تیغوں سے ٹکڑے ہائے یہ نازک بدن بھی ہے
غلطاں ہیں خاک وخوں میں یہ رخسار چاند سے — ڈوبی لہو میں زلفِ شکن در شکن بھی ہے
قاسمؑ کا سر دکھا کے یہ حاکم سے بولا شمر — رانڈوں کے ساتھ قید میں اس کی دلہن بھی ہے
زینبؑ کا صبر دیکھ کے فرماتے تھے یہ شاہ — زہراؑ کا جو چلن تھا وہ اس کا چلن بھی ہے
دو بیٹے اپنے راہِ خدا میں فدا کئے — قائم مقامِ فاطمہؑ میری بہن بھی ہے
قاسمؑ کا خیمہ دیکھ کے کہنے لگی قضا — شادی کا یہ مکاں بھی ہے بیت الحزن بھی ہے
خلعے بہشت کے جو پہنتا تھا اُس کی لاش — بے غسل بھی ہے ہائے غضب بے کفن بھی ہے
قاسمؑ چچا سے کہتے تھے رخصت اگر ملے — امیدوارِ حرب کا ابنِ حسنؑ بھی ہے
وقتِ وداع کہتے تھے زینبؑ سے رو کے شاہ — بھیا، بس آج خاتمہ، پنجتن بھی ہے

کہتے تھے زخم کھا کے لعینوں سے رن میں شاہ — جز میرے کوئی سبطِ رسولِ زمن بھی ہے
ملبوسِ مصطفیٰؐ کا کرو پاس ظالمو! — دستار بھی وہی ہے وہی پیرہن بھی ہے
عابدؑ نے جب کہا کہ نہ غسل و کفن ملا — بابا سا میرے کوئی غریب الوطن بھی ہے
یوں وقتِ دفن آئی سرِ شاہ سے صدا — بیٹا نہ روؤ خاک سے بہتر کفن بھی ہے
پہنا شہانہ جوڑا تو قاسمؑ نے یہ کہا — خلعت بیاہ کا ہے یہی اور کفن بھی ہے
کہتا تھا فوج سے عمرِ سعد ہر گھڑی — دیکھو تو کوئی یاورِ شاہِ زمن بھی ہے
سر اُس کا کاٹ سکتے نہیں تم کہ جو غریب — زخمی بھی، فاقہ کش بھی ہے، تشنہ دہن بھی ہے
سب نے کہا کہ قتل کریں اس کو کس طرح — سیّد بھی ہے، امام بھی ہے، بے وطن بھی ہے
بولا یزید دیکھ کے دندانِ شاہِ دیں — بے قدر ان کے سامنے دُرِّ عدن بھی ہے
چلّائی بنتِ فاطمہؑ اس دم کہ او شقی — کچھ تجھ کو پاسِ روحِ رسولِ زمن بھی ہے
جلدی ہٹا چھڑی کو ستمگر کہ یہ دہن — زہراؑ کا بھی، علیؑ و نبیؐ کا دہن بھی ہے

مقبول ہے انیسؔ وہ جس کی زبان پر
حمدِ خدا بھی ہے صفتِ پنجتن بھی ہے

□□□

maablib.org

۸۱

زباں پر مدح ہے باغ علیؑ کے نونہالوں کی — گلستاں سے ہیں رنگیں مجلسیں نازک خیالوں کی

وہ پہلو اور پیکانِ سہ پہلو کیا قیامت ہے — وہ سینہ شہ کا اور نوکیں ستمگاروں کے بھالوں کی

کمر کس کر علی اکبرؑ نے جب سر پر رکھا شملہ — بلائیں لیں اٹھ کر ماں نے گھونگھر والے بالوں کی

جوانانِ حسینؑ نے صفیں توڑیں، پرے اُلٹے — نہ بھولے گی لڑائی تا قیامت مرنے والوں کی

قلم بھی رہ گیا ہر بار نقطہ دے کے ناخن پر — نہ سوجھی جب کوئی تشبیہ روئے شہ کے خالوں کی

جوانانِ علیؑ کو دیں تو پھر تشبیہ کس سے دیں — کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں بے مثالوں کی

علی اکبرؑ کے ابرو دیکھتا تھا جو وہ کہتا تھا — یہ تصویریں ہیں دونوں چاند کے نیچے ہلالوں کی

بحمد اللہ عابدؑ کہتے تھے جب پوچھتی زینبؑ — پھوپھی قربان، اب کیا شکل ہے تلووں کے چھالوں کی

معاذاللہ رعب دلبرانِ حضرت زینبؑ — علیؑ کا رعب، چتون شیر کی، آنکھیں غزالوں کی

جھکے تھے سر، عرق چہروں پہ تھا اور بند تھیں آنکھیں — پڑی تھیں چادریں سیدانیوں کے منہ پہ بالوں کی

جھکا تھا پشت پر ایک اک کی، سر ایک ایک بی بی کا — یہ نقشہ قیدیوں کا تھا یہ صورت پردہ والوں کی

اٹھائے یہ سکینہؑ نے جفائے شمر کے صدمے — کہ رنگت ہو گئی تھی سوسنی ان گل سے گالوں کی

ہوا اک حشر جب زینبؑ نے پوچھا آ کے مقتل میں — کہاں قبریں بنی ہیں میرے دونوں مرنے والوں کی

عزادار اس طرف سب تعزیے شہ کے اٹھاتے ہیں — اُدھر نقلیں لکھی جاتی ہیں جنت کے قبالوں کی

جو پوچھا حال انصار آکے زعفر نے شہ دیں سے
کہا شہ نے حقیقت کچھ نہ پوچھو مرنے والوں کی

حسینؑ ایسے نہ ہوں گے باغ عالم میں کبھی پیدا
زباں سے کیا بیاں تعریف ہو یوسف جمالوں کی

غم اصغرؑ میں بانو کہتی تھیں مرتی ہوں اے بیٹا
سونگھاؤ اٹھ کے خوشبو اپنے گھونگر والے بالوں کی

جب آتا ذکر بیٹوں کا تو زینبؑ سب سے کہتی تھی
خدا بخشے ابھی کیا عمر تھی ان مرنے والوں کی

جگہ جب مول لی شہ نے تو ہاتف نے کہا رو کر
یہیں بستی بسے گی فاطمہؑ کے نونہالوں کی

پڑے تھے خاک پر اہلِ حرم تکیہ نہ بستر تھا
ہوئی تھی شکل زنداں میں یہ ان یوسف جمالوں کی

کہا زینبؑ سے بیٹوں نے اجازت آپ تو دیجے
سنانیں شوق سے ہم کھائیں گے سینوں پہ بھالوں کی

بوقت جوشِ گریہ فاطمہؑ کہتی ہیں شیعوں سے
جگہ آنکھوں میں اور دل میں ہے ان سب رونے والوں کی

جب آئے غیظ میں عباسؑ فوجِ شام کے آگے
صفیں ہٹ ہٹ گئیں میدان سے جنگی رسالوں کی

گرے جب شاہ گھوڑے سے ندا ہاتف کی یہ آئی
جگہ جھاڑی ہوئی ہے فاطمہ زہراؑ کے بالوں کی

کبھی مقتل، کبھی کوفہ، کبھی صحرا، کبھی زنداں
حقیقت کچھ نہ پوچھو فاطمہؑ کبرا کے چالوں کی

انیسؔ اب تو ہلال و بدر کو یکساں سمجھتے ہیں
رہی ہے منصفوں میں قدر یہ صاحب کمالوں کی

□□□

۸۲

مُجرا اسے جو کہتی تھی بابا چلے گئے — صحت ہو گیا، کہ میرے مسیحا چلے گئے
صغرؑا یہ رو کے کہتی تھیں کس بیکسی سے ہائے — پھر پھر کے دیکھتے مجھے بابا چلے گئے
کہتی تھی رو کے مادرِ قاسمؑ کہ میرے لال — جی بھر کے بھی دلھن کو نہ دیکھا چلے گئے
کہتی تھی باتو جان چلی میری ان کی سمت — اصغرؑ کو لے کے جب شہِ والا چلے گئے
کہتی تھی باتو یاد جب آتے تھے شاہِ دیں — لونڈی کو دُکھ میں چھوڑ کے آقا چلے گئے
اکبرؑ جو گم ہوئے تو یہ کہتے تھے شاہِ دیں — آزردہ ہو کے باپ سے بیٹا چلے گئے
اصغرؑ کو دیکھتی نہ سکینہؑ تو پوچھتی — اماں تمھاری گود سے بھیا چلے گئے
کہتی تھی باتو خواب میں اصغرؑ کو دیکھ کر — مادر کو اپنی چھوڑ کے تنہا چلے گئے
تم تو کسی کی گود میں اصغرؑ نہ جاتے تھے — کیونکر اجل کی گود میں بیٹا چلے گئے
منہ ڈھانپے باتو کہتی تھی رو رو کے میرے لال — کیا آئے ماں کی گود میں اور کیا چلے گئے
زنداں میں تنگ ہوتی سکینہؑ تو کہتی تھی — اس دُکھ میں چھوڑ کر مجھے بابا چلے گئے

قسمت نے یاوری کی تو سُن لیجیو انیسؔ
اک روز کربلائے معلی چلے گئے

□□□

۸۳

مجرائی گردشِ فلکِ پیر دیکھیے
چوبِ سناں و گیسوئے شبیرؑ دیکھیے

سجادؑ رو کے کہتے تھے چہلم قریب ہے
ملتا ہے تن سے کب سرِ شبیرؑ دیکھیے

مجرائی باغِ خلد کی تعمیر دیکھیے
چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

نکلے وطن سے شہ تو یہ رو رو کے کہتے تھے
لے جائے کس طرف ہمیں تقدیر دیکھیے

حیراں ہوں میں کہ کیوں نہ قیامت بپا ہوئی
چوبِ یزید اور لبِ شبیرؑ دیکھیے

زنداں میں سر کو پیٹ کے کہتے تھے اہلبیتؑ
کرتی ہے کب رہا ہمیں تقدیر دیکھیے

چہلم تلک یہ دشت میں زہراؑ کی تھی صدا
کب دفن ہوئے لاشۂ شبیرؑ دیکھیے

دیکھا مہِ عزا تو یہ زینبؑ سے بولے شاہ
کیا گزرے اس مہینہ میں ہمشیر دیکھیے

شہ کہتے تھے عدم کو گئے سب رفیق و یار
ہم کارواں سے چھٹ گئے تقدیر دیکھیے

رو کر سرِ حسینؑ سے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی جفائے لشکرِ بے پیر دیکھیے

فریاد ہے کہ شمر نے چھینی میری ردا
بلوے میں کھل گیا سرِ ہمشیر دیکھیے

کس یاس سے یہ کہتے تھے مولائے بیکساں
کب تک جفائے لشکرِ بے پیر دیکھیے

کافر کو بعدِ مرگ مسلمان کردیا
معجز نمائی سرِ شبیرؑ دیکھیے

بانو پکاری سب نے جو پوچھا پسر کا حال
دم توڑتا ہے اصغرؑ بے شیر دیکھیے

جمال نے قلم کئے مرنے پہ شہ کے ہاتھ   کیا سنگدل تھا، بدعت بے پیر دیکھیے
سجّادؑ سے جو دردِ اسیری کو پوچھتا   کہتے تھے استخواں پہ ہے زنجیر دیکھیے
دانستہ حرملا نے خطا کی، ہزار حیف   حلقِ صغیر دیکھیے اور تیر دیکھیے
باتو بیاں یہ کرتی تھیں سرور کی لاش پر   یاشاہ، حالِ بانوے دلگیر دیکھیے
ہیں ریسمانِ ظلم سے بازو بندھے ہوئے   اعدا نے کی ہے یہ مری توقیر دیکھیے

گھبرا رہی ہے ہند میں اب روح اے انیسؔ
چل کر بہارِ روضۂ شبیرؑ دیکھیے

□□□

۸۴

ذکرِ شہ کر کے محبوں کو رُلایا میں نے
اپنا گھر مجرئی جنت میں بنایا میں نے

شاہ کہتے تھے مرے بھائی کے بازو کاٹے
اس پہ بھی ہاتھ نہ امت پہ اٹھایا میں نے

دیکھ کر سینے میں پھل برچھی کا اکبرؑ نے کہا
ثمرِ باغِ جوانی بھی نہ پایا میں نے

آبرو رہ گئی عباسؑ نے دریا پہ کہا
شکر ہے پانی نہ ہونٹوں سے لگایا میں نے

ماں تو کہتی تھی نہ دیتی میں رضا میداں کی
ہائے اکبرؑ تمھیں ہاتھوں سے گنوایا میں نے

کوئی حسرت مرے دل کی نہ نکلنے پائی
تم کو دولھا بھی نہ اے لال بنایا میں نے

شاہ کہتے تھے کروں گا نہ گلہ امت کا
پانی دو روز نہ پایا تو نہ پایا میں نے

شہ نے قاصد سے کہا، بیٹی کو خط کیا لکھتا
آکے یاں ایک گھڑی چین نہ پایا میں نے

کہیو صغراؑ سے کہ مشکل ہے وطن میں آنا
اب تو بی بی اسی جنگل کو بسایا میں نے

ماں تو کہتی تھی میں جیتی رہی ہے ہے قسمت
تیر بدلے علی اصغرؑ کے نہ کھایا میں نے

جلتی ریتی پہ کیا آج انھوں نے آرام
چھ مہینے جنھیں چھاتی پہ سُلایا میں نے

مارا اکبرؑ کو تو کہتا تھا یہی ابن نمیر
آج [illegible] محمدؐ کو مٹایا میں نے

سرِ بے تن سے یہ حضرت کے صدا آتی تھی
نیزے پر مرتبہ معراج کا پایا میں نے

اشمر کہتا تھا دکھایا کیا وہ خشک زباں
اور پانی نہ دمِ ذبح پلایا میں نے

نامِ زہراؑ و محمدؐ کا تھا جس سے روشن آج اس شمعِ ہدایت کو بجھایا میں نے
شاہ کہتے تھے کہ پیاسا مرا مہماں ہوا قتل حُرؑ کے مرنے کا بڑا رنج اٹھایا میں نے
آئی آواز علیؑ کی، نہ کڑھو اے بیٹا آبِ کوثر ترے مہماں کو پلایا میں نے

کام عقبیٰ کا نہ کچھ کر چلے دنیا میں انیسؔ
ہائے کیا عمر کو غفلت میں گنوایا میں نے

□□□

۸۵

چشموں میں اشک ہیں جو سراسر بھرے ہوئے
دامن میں مجرئی کے ہیں گوہر بھرے ہوئے

عابدؑ کو لے گئے جو ظالم برہنہ پا
تھے آبلوں میں خار سراسر بھرے ہوئے

صرفِ خزاں ہوا تھا جو گلزارِ فاطمہؑ
جھولی میں تھے اجل کی گلِ تر بھرے ہوئے

برسائے تھے یہ ظالموں نے شہ پہ تیرِ ظلم
پیکاں تھے جسمِ پاک کے اندر بھرے ہوئے

مشرق سے داد خواہ نکلتا ہے ہر سحر
منہ کو لہو سے خسروِ خاور بھرے ہوئے

بچوں سمیت گرمی میں گھٹتے تھے اہلبیتؑ
زنداں کے ایک حجرے کے اندر بھرے ہوئے

سجادؑ کے جو گل سے کفِ پا فگار تھے
تھے خوں سے خارِ صورتِ نشتر بھرے ہوئے

یوں جلوہ گر تھے ظلمتِ زنداں میں اہلبیتؑ
دامانِ شب میں جیسے ہوں اختر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ، جاؤں گا نانا کے سامنے
اصغرؑ کے خوں سے روئے منوّر بھرے ہوئے

ٹکراتی تھیں جو رو رو کے سر اپنا بیبیاں
تھے خوں سے قید خانے کے سب در بھرے ہوئے

شہ تشنگی میں کہتے تھے ہیں میرے منتظر
کوثر کا جام ساقیِ کوثر بھرے ہوئے

صغراؑ کا رنگ اڑ گیا، دل کانپنے لگا
آیا جو بال خوں میں کبوتر بھرے ہوئے

مقتل میں لوٹتے تھے طیورانِ کربلا
خونِ تنِ حسینؑ سے شہپر بھرے ہوئے

جنت میں حوریں کہتی تھیں پیاسوں کے واسطے
کوثر کے گرد رکھے ہیں ساغر بھرے ہوئے

اکبرؑ کی لاش ڈھونڈتے پھرتے تھے ہر طرف
آنکھوں میں اشک سبطِ پیمبرؐ بھرے ہوئے

پیشِ امیرِ شام گئے کس غرور سے
تلواریں شہ کے خوں میں ستمگر بھرے ہوئے

کہتے تھے شاہ، سیفِ خدا ہوں میں ظالمو!
ہیں مجھ میں ذوالفقار کے جوہر بھرے ہوئے

پہچانیں لاشیں بھانجوں کی شہ نے دیر میں
تھے خاک و خوں میں دونوں دلاور بھرے ہوئے

تل دھرنے کی نہ جا تھی شہیدوں کے جسم پر
تھے زخمِ تن و تیر سے پیکر بھرے ہوئے

جیسے شفق میں مہر منوّر ہو جلوہ گر
تھے خوں میں اس طرح علیؑ اکبرؑ بھرے ہوئے

اک دم میں فوجِ ظلم کے خالی کئے پرے
غصے میں تھے زبس شہِ صفدر بھرے ہوئے

نیزوں پہ مثلِ ماہِ دو ہفتہ تھے جلوہ گر
ہر چند تھے غبار میں سب سر بھرے ہوئے

کوٹھوں سے زخمی کرتے تھے مسلمؑ کو سنگدل
جھولی میں تھے ہر ایک کی پتھر بھرے ہوئے

عابدؑ وطن میں کہتے تھے ظلمِ یزید سے
افسوس خالی ہو گئے کیا گھر بھرے ہوئے

ماتم میں شاہ کے ہمہ تن درد ہوں انیسؔ
رگ رگ میں جائے خون ہیں نشتر بھرے ہوئے

□□□

۸۶

فقیری میں دل بادشاہ چاہیے — سلامی توکّل سدا چاہیے
سلامی تجھے اور کیا چاہیے — غمِ شہ میں ہر دم بکا چاہیے
مجھے دردِ عصیاں سے تا ہو نجات — لحد میں بھی خاکِ شفا چاہیے
ہوئے قتل اکبرؑ تو شہ نے کہا — ولا، تجھ کو شکرِ خدا چاہیے
سرِ شہ سے زینبؑ کو آئی صدا — نہ شکوہ، نہ لب پر گلہ چاہیے
مناسب یہی ہے کہ ہر رنج میں — بہن عاصیوں کی دعا چاہیے
سکینہؑ نے رو کر کہا شمر سے — یتیموں پہ خوفِ خدا چاہیے
دلہن نے کہا رو کے صندل چھڑاؤ — بس اب خاک، افشاں کی جا چاہیے
بڑھائے مری ناک سے نتھ کوئی — مجھے سُرخ پوشاک کیا چاہیے
دمِ قتل شہ نے کہا شمر سے — ترس مجھ پہ او بے حیا چاہیے
اگر کاٹنا ہے گلے کو مرے — تو اک بوند پانی دیا چاہیے
سرِ شہ سے زینبؑ نے رو کر کہا — چھپانے کو منہ کے ردا چاہیے
صدا سر سے آئی کہ بیکس بہن — بہرحال شکرِ خدا چاہیے

کہا حُرؔ نے حضرت کی روکی تھی راہ   مجھے اس خطا کی سزا چاہیے
گلے سے لگا کر یہ شہ نے کہا   ملا خلد اب اور کیا چاہیے

دعا کر یہ خالق سے ہردم انیسؔ
مجھے شہ سے اس کا صلہ چاہیے

□□□

maablib.org

۸۷

قاسمِ نار و جناں قتل جو پیاسا ہوئے — مجریٔ حشر نہ کیوں خلق میں برپا ہوئے

اوج میں اوجِ سلیماںؑ سے بھی بالا ہوئے — مجریٔ شاہ کا گر ہو تو یہ رتبہ ہوئے

واہ کیا روضۂ پرنور ہے، اللہ اللہ — یاں پہ ادنیٰ بھی کوئی آئے تو اعلیٰ ہوئے

شہ نے صغراؑ سے کہا دیکھ لو جی بھر کے ہمیں — کربلا جاتے ہیں، شاید کہ نہ آنا ہوئے

حُرؑ یہ کہتا تھا، مرے دل میں تمنا ہے یہی — قصرِ فردوس ہو اور سایۂ طوبیٰ ہوئے

حُرملا شمر سے کہتا تھا کہ حسرت ہے مجھے — حلقِ اصغرؑ مرے ناوک کا نشانہ ہوئے

گھر گئے فوج میں عباسؑ تو بولا یہ عمر — لطف جب ہو کہ یہ تیروں کا نشانہ ہوئے

پھر یہ نوفل سے کہا بڑھ کے لگا اک تلوار — ایک ہی ہاتھ میں بیکار یہ شانہ ہوئے

ہے غضب اس کا پسر نہر پہ پیاسا ہو شہید — مہر میں جس کے ہر اک خلق کا دریا ہوئے

رات کو بیاہ ہو اور صبح بنے رانڈ بنی — حیف، چوتھی کے عوض شام کا چالا ہوئے

ظلم کرتے تھے عدو شہ پہ تو کہتے تھے ملک — خلق میں صابر و شاکر ہو تو ایسا ہوئے

بعدِ قتلِ شہِ دیں فوج سے بولا یہ عمر — کہیں عابدؑ بھی بچے جنگ نہ آنا ہوئے

لوٹ لو رانڈوں کو اور قتل کرو اس کو بھی — خیمۂ شاہ بھی جل جائے تو اچھا ہوئے

مرتے مرتے بھی پڑھی شہ نے نمازِ واجب — عابد و راکع و ساجد ہو تو ایسا ہوئے

دیر اصغرؑ کو لگی رن میں تو بانو نے کہا — فوج اعدا نہ کہیں در پئے ایذا ہوئے
علی اکبرؑ تو ہوئے تیغوں سے ٹکڑے رن میں — کہیں اصغرؑ بھی نہ تیروں کا نشانہ ہوئے
رو کے زینبؑ نے کہا، اے فلکِ ناانصاف — شہر برباد ہو، آباد یہ صحرا ہوئے

اے انیسؔ اپنی خوشی بس ہے یہی حشر کے دن
میں بھی اُس جا ہوں جہاں پر مرا آقا ہوئے

□□□

۸۸

صغراؑ کہتی تھی جو بابا کی خبر ہاتھ لگے
مرہمِ زخمِ دل و زخمِ جگر ہاتھ لگے

سر جدا کرتا تھا شبیرؑ کا اور کہتا تھا شمر
عاقبت جائے پہ دنیا میں تو زر ہاتھ لگے

شمر کو دیکھتے جب رن میں تو کہتے عباسؑ
دو ہی ٹکڑے کروں شمشیر سے گر ہاتھ لگے

بانو شبیرؑ سے کہتی تھی کہ جاؤ سرور
ڈھونڈ لاؤ مرے اکبرؑ کو جدھر ہاتھ لگے

شاہ بولے مری آنکھوں میں ہے تاریک جہاں
کس طرح دیکھئے وہ نورِ نظر ہاتھ لگے

جس نے نتھ چھینی تھی کبراؑ کی وہ یہ کہتا تھا
بیش قیمت مجھے یہ دونوں گہر ہاتھ لگے

چلتی تلوار تھی اور دل میں تھے کہتے قاسمؑ
زیں سے ارزق کو اٹھا لوں جو کمر ہاتھ لگے

گھر گئے نہر پہ عباسؑ تو بولے یارب
ہوں قلم بازو بھی، پانی مجھے پر ہاتھ لگے

منع جو رونے کو کرتا تو یہ کہتے سجادؑ
شہر سے دور الٰہی مجھے گھر ہاتھ لگے

لے چلے شاہ جو اصغرؑ کو تو بولی بانو
نذر دوں پھر جو سلامت یہ پسر ہاتھ لگے

شہ چلے چھوڑ جو صغراؑ کو تو منہ دیکھ اُس کا
ملنے افسوس سے سب وقتِ سفر ہاتھ لگے

کہا صغراؑ نے کہ آنے میں تمھارے بابا
دیر ہو تو مجھے کس طرح خبر ہاتھ لگے

آج کی صبح بھی کم شامِ مصیبت سے نہیں
پھاڑ ڈالوں جو گریبانِ سحر ہاتھ لگے

بانو کہتی تھی کہ اصغرؑ کے نچوڑوں منہ میں
کوئی کپڑا بھی اگر پانی سے تر ہاتھ لگے

چل تو اب یاں سے سوئے روضۂ شبیرؑ انیسؔ
اُس کا گھر خلد میں ہے جس کے وہ در ہاتھ لگے

۸۹

سنگِ خارا ہے جو اس غم سے نہ ہو دل پانی
مجرئیؑ شہ نے نہ پایا دمِ بسمل پانی

کس طرح غم سے نہ مجرائیؑ کا ہو دل پانی
نہ ملا شہ کو جبھی خنجرِ قاتل پانی

جانِ عباسؑ لگی تن سے کنارا کرنے
بہہ گیا مشک کا جس دم لبِ ساحل پانی

بیبیاں بچوں کا منہ تکتی تھیں جب کہتے تھے شاہ
اس سفر میں نہ ملے گا کسی منزل پانی

شاہ فرماتے تھے کیا نہر پہ جائیں پیاسے
جان دینے پہ بھی ہوتا نہیں حاصل پانی

چلتا تھا ذبح میں رُک رُک کے جو بس خنجرِ شمر
حلقِ سرور سے صدا آتی تھی قاتل پانی

نہر پہ مر گئے عباسؑ تو کہتے تھے حرم
اب ہے پیاسوں کے لئے زہرِ ہلاہل پانی

شمر کہتا تھا نہ سجادؑ کو دینا ہرگز
مانگے بھی گر یہ گرفتارِ سلاسل پانی

شاہ کہتے تھے ہمیں پیاس میں ملتا ہے مزہ
ورنہ دریا سے تو لانا نہیں مشکل پانی

شہ نے مرتے ہوئے دریا کو نہ دیکھا، ورنہ
مانگتے مانگتے مرجاتا ہے گھائل پانی

غش میں کہتی تھی سکینہؑ کہ چچا جلد آؤ
ورنہ پھر حلق سے اُترے گا بمشکل پانی

کہتے تھے شاہ ہمیں پانی نہیں دیتے اعدا
جانور پیتے ہیں آکر لبِ ساحل پانی

بولے عابدؑ کہ اگر معجزہ دکھلاؤں میں
موم ہو جائے ابھی طوقِ سلاسل پانی

یہ ضیا حُسن کی اس کے تھی کہ ہو جاتا تھا
آئینہ بھی رُخِ اکبرؑ کے مقابل پانی

شاہ فرماتے تھے پیاسوں کا ہے خوں اس میں شریک
اے سکینہؑ نہیں یہ پینے کے قابل پانی

چین کچھ ہوئے تو ہو عالمِ باقی میں انیسؔ
راحت اس منزلِ فانی میں ہے مشکل پانی

۹۰

اے مجرئ فریاد و فغاں کرکے نہ روئے
افسوس ہے شبیرؑ کو جی بھر کے نہ روئے

حیرت ہے کہ ان لوگوں نے کیا آنکھوں سے دیکھا
ماتم میں جو فرزندِ پیمبرؐ کے نہ روئے

دم مارا نہ شہ نے غمِ عباسؑ میں ورنہ
ممکن ہے کوئی غم میں برادر کے نہ روئے

کیا قہر ہے مقتل میں تھا رانڈوں پہ بھی یہ حکم
لاشے پہ کوئی سبطِ پیمبرؐ کے نہ روئے

شہ روئے بہت مر گئے جب عونؑ و محمدؑ
خیمے میں مگر سامنے خواہر کے نہ روئے

اکبرؑ گئے رن میں تو عجب حال تھا دل کا
پر اہلِ حرم خوف سے سرور کے نہ روئے

کہتی تھی یہ باتو کہ مجھے آتا ہے وسواس
لوگو! کوئی پیچھے علی اکبرؑ کے نہ روئے

بے چین ہوں باتو سے یہ کہتا تھا سرِ شاہ
بیٹی سے کہو واسطے گوہر کے نہ روئے

گودی میں سکینہؑ کو چھپائے رہی باتو
تا شمرِ سیہ رُو سے یہ ڈر ڈر کے نہ روئے

زینبؑ نے کہا لاشوں سے بیٹوں کی لپٹ کر
کس طرح یہ ماں آہ و بُکا کر کے نہ روئے

جس طرح سے میں لاشوں پہ روتی ہوں وہ اس طرح
صدقے گئی تابوت پہ مادر کے نہ روئے

دربار میں لائے تھے جو شہ کا سرِ اقدس
قدغن تھا کہ قیدی کوئی غل کر کے نہ روئے

بولا یہ سکینہؑ کی طرف دیکھ کے حاکم
یہ لڑکی قریب آن کے اِس سر کے نہ روئے

جب بیبیاں سمجھاتی تھیں تو کہتی تھی زینبؑ
کس طرح بہن غم میں برادر کے نہ روئے

ماں کہتی تھی اصغرؑ کبھی سویا نہیں تنہا لوگو! میرا بچہ کہیں ڈر ڈر کے نہ روئے
اس رونے پہ فرماتے تھے سجادؑ دمِ مرگ حسرت ہے کہ ہم باپ کو جی بھر کے نہ روئے

شبیرؑ وہ بیکس ہے انیسؔ جگر افگار
احوال پہ اس کشتۂ خنجر کے نہ روئے

□□□

٩١

مجرائیِ بزمِ شاہ میں آہ و بکا رہے
گلشن میں بلبلوں کی فغاں کی صدا رہے

انساں کو چاہیے کہ خیالِ قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسولؐ خدا رہے

مرنے کو ہم بھی آتے ہیں جلد اے مجاورو
نزدیک کفشِ کن کے ہماری بھی جا رہے

چھٹتا ہے ان سے کب کوئی مضمونِ گریہ خیز
جو مدتوں شناورِ بحرِ البکا رہے

اس کو کسی مرض سے نہ پہنچے جہاں میں رنج
بازو پہ جس کے تربۂ خاکِ شفا رہے

کیا قہر ہے، امام کو پہنائیں بیڑیاں
حبل المتیں جو ہو وہ رسن میں بندھا رہے

کشتی کو اس کی موجِ حوادث سے خوف کیا
بحرِ جہاں میں جس کا علیؑ ناخدا رہے

چکّی وہ پیسے خلق میں کیوں چرخِ دانہ رُو
خدمت گزار جس کی سدا آسیا رہے

کرتے ہیں مدحِ گوہرِ دندانِ شاہ ہم
کچھ دن صدف میں اور دُرِ بے بہا رہے

بھٹکے جنابِ حُر بھی بہت راہِ راست سے
ہر پھر کے پر نجات کے رستے پہ آ رہے

دنیا کا بھی محل ہے عجب عاریت سرا
ہم آج رہ کے اٹھ گئے، کل اور آ رہے

یارب ہو بیچ میں لحدِ ذاکرِ حسینؑ
ہو اس طرف نجف تو اُدھر کربلا رہے

زینبؑ کو آ رہی تھی صدا شہ کی بعدِ قتل
اب تا بہ حشر تم سے بہن ہم جدا رہے

بحرِ جہاں میں قطروں نے کیا سر اٹھائے ہیں
دیکھیں کہ ان حبابوں کی کب تک ہوا رہے

اللہ کیا نمک ہے کلامِ انیسؔ میں
دشمن بھی گر پڑھے تو زباں پر مزا رہے

۹۲

کودکی، پیری، جوانی دیکھ لی
تین دن کی زندگانی دیکھ لی

برق تھی گویا کہ چمکی، چھپ گئی
تیری مدّت اے جوانی دیکھ لی

دانہ زد لوگوں سے پالا پڑ گیا
جنس راحت کی گرانی دیکھ لی

نیک بد ٹھہرے، بُرے اچھے ہوئے
منصفوں کی قدر دانی دیکھ لی

روتے ہنستے کٹ گئے دن زیست کے
رنج دیکھے، شادمانی دیکھ لی

مثلِ شبنم شب کی شب مہماں رہے
رونقِ گلزار، فانی دیکھ لی

اب زمیں کا پیار باقی ہے فقط
آسماں کی مہربانی دیکھ لی

موت بھی ٹکرا کے سر کو پھر گئی
ہم نے اپنی سخت جانی دیکھ لی

شاہ پر فاقوں میں گزرے تین دن
کوفیوں کی میہمانی دیکھ لی

گھٹ گیا جب قید میں کبرؑا کا دم
اپنے دولھا کی نشانی دیکھ لی

کہتے تھے عابدؑ کٹا زہراؑ کا باغ
ظالموں کی تیغ رانی دیکھ لی

کہتے تھے سجّادؑ غم میں باپ کے
دیدۂ تر کی روانی دیکھ لی

طوق کا بھی بوجھ اٹھایا شکر ہے
بیڑیوں کی بھی گرانی دیکھ لی

اٹھ گیا لو شعرِ تر پڑھ کر انیسؔ
کیوں طبیعت کی روانی دیکھ لی؟

□□□

۹۳

دکھایا ضعف نے زور اپنا جب مکاں سے چلے
مثالِ نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے

خدا کی راہ کے سودے میں لب کو بند نہ رکھ
بڑی ہے خیر اگر کام کچھ زباں سے چلے

یہ شرط ہے کہ نہ دعویٰ کروں طلاقت کا
کسی کی تیغ جو بڑھ کر مری زباں سے چلے

ہوا سخن کے سبب شہر شہر میں شہرہ
جدھر قلم کی طرح ہم چلے زباں سے چلے

پکارتا ہے نہیبِ عدالتِ حیدرؑ
کہ بچ کے باز کبوتر کے آشیاں سے چلے

درا کی ہے یہ صدا منزلیں ہیں سب پُر خوف
مسافرو، کوئی بڑھ کر نہ کارواں سے چلے

محال ہے غلبہ اسفلوں کا اعلیٰ پر
زمیں کا زور بھلا خاک آسماں سے چلے

قوی ہے ضعف، تھرتھج کجا، خرام کجا
دو منزلہ کیا گر دو قدم مکاں سے چلے

خدا کی شان یہ کہتے تھے دمبدم عابدؑ
یہ بوجھ بیڑیوں کا مجھ بے ناتواں سے چلے

بلا کسی طرف آئے گی رنج اِدھر ہوگا
نشانہ ہوں گے ہمیں، تیر جس کماں سے چلے

لکھی تھی بخت میں گردش جو صورت پرکار
پھر آگئے اسی مرکز پہ ہم جہاں سے چلے

لکھا ہے یہ کہ محل تھا وہ امّ ہانیؑ کا
رسولؐ جانبِ معراج جس مکاں سے چلے

خوشا براقِ سبک رو کی تیز رفتاری
اس آسمان سے گزرے اُس آسماں سے چلے

حریمِ حق میں جو پہنچے تو سر اٹھا کے کہا
خدا کی شان کہاں آگئے کہاں سے چلے

بٹھایا ہے مجھے قسمت نے اس سفینے پر
جو نا خدا سے رواں ہو نہ بادباں سے چلے

انیسؔ بارِ خلائق پہ اور بارِ گناہ
اٹھا وہ بوجھ جو اس مشتِ استخواں سے چلے

۹۴

مجرئی خیمے میں جب برچھیوں والے آئے — دکھ زدی رانڈوں پہ تلواریں نکالے آئے
لائے رخصت کے لیے گھر میں جو عباسؑ کو شاہ — باہیں گردن میں عجب پیار سے ڈالے آئے
لاشِ اکبرؑ پہ عجب حال سے آئے شبیرؑ — دونوں ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے آئے
بیبیاں کہتی ہوئی دوڑیں کہ ہے ہے دولہا — لاش قاسمؑ کی جو شہ گھوڑے پہ ڈالے آئے
خوں بھرا شہ سے گریبان چھپایا نہ گیا — لاش اصغرؑ کی تو دامن میں چھپالے آئے
جب سنا نہر سے عباسؑ پھرے ڈیوڑھی تک — ننھے بچے لیے ہاتھوں میں پیالے آئے
لوٹنے والوں سے کہتا تھا بہ تاکید عمر — ہاں، کوئی دخترِ زہراؑ کی ردا لے آئے
تیر مارا جو ستمگر نے علی اصغرؑ کو — شاہ روتے ہوئے چھاتی سے لگالے آئے
زخم تیروں کے یہ کاری تنِ شبیرؑ میں تھے — لاش کے گرد نظر خون کے تھالے آئے
غل فرشتوں میں یہ تھا دیکھیے آگے کیا ہو — عرش تک فاطمہ زہراؑ کے تو نالے آئے
کہتی تھی فاطمہ صغریٰؑ خبر آتی نہیں تو — بوئے گلزارِ محمدؐ ہی صبا لے آئے
خارِ صحرا نہ ہوئے تھے شرف اندوز ہنوز — پہلے عابدؑ کی قدم بوسی کو چھالے آئے

دردِ عصیاں کی دوا کچھ نہیں درکار انیسؔ
کربلا یاں سے گئے خاکِ شفا لے آئے

۹۵

مجرئ تب دلِ غمدیدہ کا ارماں نکلے | روضۂ شاہ پہ جب تن سے مری جاں نکلے
خوف تھا شہ کو دمِ ذبح کہ اب خیمے سے | جنتِ زہراؑ نہ کہیں با سرِ عریاں نکلے
سرِ شبیرؑ جو تنور میں رکھیں اعدا | چشمِ عابدؑ سے نہ کیوں اشک کا طوفاں نکلے
بانو کہتی تھی جدائی کا نہ صدمہ دیکھوں | پہلے گر رخصتِ سرور سے مری جاں نکلے
خاک و خوں میں جو بھریں گیسوئے مشکینِ حسینؑ | کس طرح خاک سے سنبل نہ پریشاں نکلے
ڈوب کر فوج میں یوں ہوتے تھے اکبرؑ ظاہر | جس طرح ابر میں چھپ کر مہِ تاباں نکلے
حُرؑ سے مل مل کے گلے کہتے تھے انصارِ حسینؑ | لاکھ بے دینوں میں تم صاحبِ ایماں نکلے
رفقاء کہتے تھے اعدا کی الٹ دیویں صفیں | منہ سے گر سبطِ پیمبرؐ کے ابھی ہاں نکلے
ننگے سر پیٹتی پیچھے نکل آئی بانو | خیمے سے مرنے کو جب اکبرؑ ذیشاں نکلے
جدّ کے روضے پہ نہ رہنے دیا ملعونوں نے | یہ ستایا کہ وطن سے شہِ ذیشاں نکلے
بولے شہ شرم سے کیونکر نہ ہوں پانی پانی | زخم کھانے کو جو رن میں مرا مہماں نکلے
سخت جاں مجھ سے نہ ہوگا کوئی بانو نے کہا | علی اکبرؑ تو مریں اور نہ مری جاں نکلے
بچہ ہاتھوں پہ تڑپتا تھا تو کہتے تھے حسینؑ | کس طرح گردنِ اصغرؑ سے یہ پیکاں نکلے
شاہ کہتے تھے یہ ناری ہوں ابھی خاکِ سیاہ | میرے سینے سے اگر نالۂ سوزاں نکلے

رونے والوں سے کہیں گے یہ ملک حشر کے دن
فردِ اعمال سے تم لوگوں کے عصیاں نکلے
آج ہر قطرے کا ہے کوثر و فردوس صلہ
جن کو تم سمجھے تھے آنسو، دُرِ غلطاں نکلے

شاہ کہتے تھے محمدؐ کا نہ کچھ پاس کیا
سنگدل کافروں سے بھی یہ مسلماں نکلے

دفن کے وقت تنِ پاک شہ والا سے
سیکڑوں تیر ستم خون سے غلطاں نکلے
زخم پر زخم لگے تھے زبس اور تیر پہ تیر
تو بھی کچھ رہ گئے کچھ تیروں کے پیکاں نکلے

شاہ کہتے تھے لعینو نہ ستاؤ مجھ کو
روحِ احمدؐ نہ کہیں قبر سے نالاں نکلے

کہا زینبؑ نے کہ واللہ مجھے عید ہوئی
بیٹے شبیرؑ پہ جب ہونے کو قرباں نکلے
اترے سرتن سے تو بولی کہ یہ پروان چڑھے
شکر ہے، آج مرے دل کے سب ارماں نکلے

شاہ فرماتے تھے اعدا سے اگر چاہوں میں
چشمۂ کوثر و تسنیم ابھی یاں نکلے

لوگ کہتے تھے وہ انساں ہے حسینؑ ابن علیؑ
دشت سے جس کے لئے رونے کو حیواں نکلے

خیمہ جلنے لگا جس وقت تو ناموسِ نبیؐ
ننگے سر، روتے ہوئے، چاک گریباں نکلے

کس قدر شوقِ شہادت تھا کہ رخصت کو امام
خیمۂ خاص میں گریاں گئے خنداں نکلے

روئے جو ماتمِ شبیرؑ میں دن رات انیسؔ
چاہیے حشر میں وہ قبر سے خنداں نکلے

□□□

۹۶

اے مجرئ حسینؑ کی بھی کیا جناب ہے
سجدہ کرے کوئی تو جبیں آفتاب ہے

حضرت نے پانی مانگا، لگایا لعیں نے تیر
یہ شاہ کا سوال وہ اس کا جواب ہے

فرماتے تھے حسینؑ چل آہستہ ذوالجناح
تھامے جناب فاطمہؑ زہراؑ رکاب ہے

رو دیتے شاہ کہتی سکینہؑ لپٹ کے جب
اب تو کلیجہ پیاس کے مارے کباب ہے

قاصد نے عرض کی کہ مجھے لکھ دیجئے جواب
صغراؑ کو یا حسینؑ بہت اضطراب ہے

فرمایا شہ نے زیست نے ہم کو دیا جواب
صغرا کو کہیے بس یہی خط کا جواب ہے

سجادؑ گن کے زخم تنِ شاہ کہتے تھے
جو ظلم شاہِ دیں پہ ہوا بے حساب ہے

دریا میں جب در آیا علمدارؑ بولا شمر
کیا جلوۂ رخِ خلفِ بوترابؑ ہے

دریا پہ عکسِ روئے مبارک جو ہے پڑا
ہیں رشکِ گل حباب تو پانی گلاب ہے

کہتے تھے شاہ کم کرو الفت سکینہؑ جاں
شبیرؑ اب مسافرِ پا در رکاب ہے

اکبرؑ گرے جو خاک پہ گھوڑے سے بولے شاہ
دنیا سے بس حسینؑ کا یہ پا تراب ہے

کہتی تھی فوج ڈوبا ہے خوں میں علیؑ کا لال
یا آج یہ شفق میں غروب آفتاب ہے

سمجھاتے تھے عمر کو لبِ نہر شاہِ دیں
بحرِ جہاں میں زندگی مثلِ حباب ہے

یہ اس پہ ظلم و جور غریب الوطن جو ہو
ظالم بتا عذاب ہے یہ یا ثواب ہے؟

اصغرؑ ہے شہ کے ہاتھوں پہ کہتے تھے اہلِ کیں | یا دستِ آفتاب میں یہ ماہتاب ہے
پڑھتا تھا یوں رجز خلفِ مرتضیٰ علیؑ | یہ تیغ وہ ہے سیلِ فنا جس کی تاب ہے
شیرِ خدا ہوں، تیغ کا قبضہ ہے ہاتھ میں | ضربِ خدا کی کس کو زمانے میں تاب ہے
ماں میری فاطمہؑ ہے، علیؑ ہے پدر مرا | نانا مرا جنابِ رسالتؐ مآب ہے
کہتے تھے شاہ نہر سے دو پانی ظالمو! | اصغرؑ کی جان آنکھوں میں مثلِ حباب ہے
دکھلاتے بچے خشک زبانیں تو کہتے شاہ | کیا بے گناہوں پر ستمِ بے حساب ہے
کانٹے ہر ایک گل کے دہن میں ہیں پڑ گئے | اس درجہ باغِ فاطمہؑ میں قحطِ آب ہے
سجادؑ کہتے تھے رخِ اکبرؑ کے دھیان میں | دل کو بسانِ قبلہ نما اضطراب ہے
کہتے تھے لوگ دیکھ کے زینبؑ کو شام میں | یہ نورِ چشمِ بنتِ رسالتؐ مآب ہے
اٹھا تھا اس کی ماں کا جنازہ تو رات کو | افسوس دن کو بلوے میں یہ بے نقاب ہے
کہتے تھے شاہ جا کے پھر آتے ہیں خشک لب | یہ آب میرے لوگوں کو خاطر سراب ہے
کی صف کشی جو شہ نے تو اعدا میں تھا یہ شور | تھوڑا سا لشکرِ شہِ عالی جناب ہے
پر کیسے یہ دلیر ہیں، کیسے حسینؑ ہیں | ہے کوئی آفتاب کوئی ماہتاب ہے
کس کس جری کے شکل و شمائل کو دیکھیے | واللہ ایک ایک جواں انتخاب ہے
آئی صدا یہ چرخ سے شہ کو دمِ وغا | حملے کی تیرے کس کو زمانے میں تاب ہے
حیدرؑ کی ذوالفقار کو جلدی غلاف کر | ورنہ بنائے ہستیٔ عالم، خراب ہے
تجھ کو جلال ہے تو ہمیں بھی جلال ہے | غصہ ترا حسینؑ، ہمارا عتاب ہے

روزِ شمار سے تو ہراساں ہے کیوں انیسؔ
آقا ترا تو شافعِ یوم الحساب ہے

□□□

۹۷

غنچے ہیں اس چمن میں اگر زر لئے ہوئے
مجرائی اپنی چشم ہے گوہر لئے ہوئے

مجلس میں بہرِ نذرِ شہنشاہِ کربلا
دستِ مژہ ہے سبحۂ گوہر لئے ہوئے

سر ننگے نکلے بی بیاں، ڈیوڑھی پہ جب گئے
بیٹے کی لاش سبطِ پیمبرؐ لئے ہوئے

بھائی کی لاش پر جو گئے سرورِ اُمم
گودی میں تھے سکینہؑ کو اکبرؑ لئے ہوئے

عبرت کی ہے یہ جا کہ گیا جانبِ عدم
دنیا سے خالی ہاتھ سکندر لئے ہوئے

عباسؑ حُر سے کہتے تھے دیکھ اپنا مرتبہ
ہیں تیرے سر کو زانو پہ سرورؑ لئے ہوئے

کہتے تھے شاہ دیکھئے کیا ہو مآلِ کار
جاتا ہے کربلا کو مقدر لئے ہوئے

بیٹے سے وقتِ جنگ یہ فرماتے تھے حسینؑ
گھوڑے کی باگ اے علی اکبرؑ لئے ہوئے

حُر وقتِ نزع کہتا تھا مولا ترے نثار
حوریں اشارے کرتی ہیں ساغر لئے ہوئے

اکبرؑ گئے جو رن میں تو بہرِ نظارہ تھے
ہاتھوں میں برچھیوں کو ستمگر لئے ہوئے

یوسف چھپا رہے تھے منہ اپنا نقاب میں
حیراں تھا آئینے کو سکندر لئے ہوئے

حوریں کھڑی ہیں منتظرِ حُرؑ تشنہ لب
ہاتھوں میں اپنے ساغرِ کوثر لئے ہوئے

عباسؑ بھر کے مشک پھرے جب تو بولے شاہ
بھائی ہیں آج دوش پہ کوثر لئے ہوئے

روتی تھی بنتِ فاطمہؑ بکھرائے سر کے بال
ہنستا تھا شمر ہاتھ میں چادر لئے ہوئے

مانندِ ابر روتے تھے دریا پہ شاہِ دیں ہاتھوں میں اپنے دستِ برادر لئے ہوئے
کس کو ملے یہ صبر کے جوہر، بجز حسینؑ کھاتے تھے زخم، تیغ دو پیکر لئے ہوئے
ہنستے تھے کس شکوہ سے زینبؑ کے لاڈلے ہاتھوں میں نیمچوں کو برابر لئے ہوئے
کہتے تھے شاہ شوکتِ عباسؑ دیکھ کر گویا علَم ہیں دوش پہ جعفرؑ لئے ہوئے
آئے تھے بہرِ جنسِ شہادت، پدر کے ساتھ مٹھی میں نقدِ جاں علی اصغرؑ لئے ہوئے
اللہ رے زورِ بازوئے دستِ خدا کا زور دو انگلیوں پہ تھے درِ خیبر لئے ہوئے
آواز فاطمہؑ نے یہ دی شہ کو وقتِ ذبح آئی ہوں لاشِ محسنؑ بے پر لئے ہوئے
آنکھیں پھرا کے دیکھتے ہو کیا اِدھر اُدھر اماں تو دیر سے ہے ترا سر لئے ہوئے
روحِ نبیؐ پکاری بس اب ہاتھ تھام لو نانا کھڑا ہے قتل کا محضر لئے ہوئے
نیزے پہ تھا جو دھوپ میں سبطِ نبیؐ کا سر سورج کبھی تھا مہرِ منوّر لئے ہوئے
کعبے میں بہرِ بت شکنی واہ رے عروج کاندھے پہ تھے علیؑ کو پیمبرؐ لئے ہوئے

چھیڑا سمندِ طبع کو تعریفِ شہ میں جب
مضموں خود آیا سامنے لشکر لئے ہوئے

□□□

۹۸

ہم اُن کا بحرِ مصیبت میں نام لیتے ہیں
جو ڈوبتے ہوئے بیڑے کو تھام لیتے ہیں

سحر کو اٹھ کے زباں سے یہ کام لیتے ہیں
خدا کے بعد محمدؐ کا نام لیتے ہیں

پہنچ کے خلد میں پیاسے حسینؑ کے رفقاء
علیؑ کے ہاتھ سے کوثر کا جام لیتے ہیں

یہ زائرانِ امامِ زمن کا رُتبہ ہے
کہ جن کے سبطِ محمدؐ سلام لیتے ہیں

خوشا بحال کہ آقا کی اک زیارت میں
ثوابِ حج کا، علیؑ کے غلام لیتے ہیں

نکل کے فوج سے حُرؔ نے کہا کہ او غافل
جناں کی راہ علیؑ کے غلام لیتے ہیں

کوئی گھڑی میں ہَوا کی طرح اُڑا کے فرس
رکابِ شاہ کو اب چل کے تھام لیتے ہیں

پسر کے ہجر میں جس وقت درد اٹھتا ہے
جگر کو بیٹھ کے شبیرؑ تھام لیتے ہیں

انیسؔ ظلم سے اعدا کے مہدیؑ ہادی
ظہور کر کے بس اب انتقام لیتے ہیں

□□□

۹۹

خاکِ درِ شبیرؑ ہے جاگیر ہماری
اے مجرئی کیا خوب ہے تقدیر ہماری

صحرا میں رُکا اسپ تو شہ رو کے پکارے
تربت بھی یہیں ہوئے گی تعمیر ہماری

شہ کہتے تھے اعدا سے پلاؤ ہمیں پانی
حالت ہے بہت پیاس سے تغئیر ہماری

وہ کہتے تھے پانی کا تو مذکور نہیں ہے
ہے تشنۂ خوں آپ کی، شمشیر ہماری

کہتی تھی سکینہؑ ہمیں لا دیجئے پانی
ہے خشک زباں یا شہِ دلگیر ہماری

شہ نے کہا مجبور ہیں ناچار ہیں بیٹا
سنتا نہیں یہ لشکر بے پیر ہماری

کبریٰ نے کہا بیاہ کے دن رانڈ ہوئے ہم
کیا سو گئی اے صاحبو تقدیر ہماری

مسلم نے کہا سر تو قلم کرتے ہو اعدا
پر لاش نہ تم کیجیو تشہیر ہماری

شہ کہتے تھے اعدا ہمیں مجبور نہ سمجھیں
چلتی ہے تو رُکتی نہیں شمشیر ہماری

آوازِ نبیؐ آتی ہے امت کو نہ مارو
خاطر ہے جو یا حضرتِ شبیرؑ ہماری

کہتے تھے نبیؐ لاشۂ اکبرؑ پہ یہ رو رو
افسوس کہ اب مٹ گئی تصویر ہماری

کہتی تھی سکینہؑ کہ چچا منہ نہ چھپاتے
گر مشک نہ ہوتی ہدفِ تیر ہماری

تھا دھیان دمِ ذبح بھی یہ شاہِ اممؑ کو
خیمے سے نکل آئے نہ ہمشیر ہماری

عابدؑ نے کہا ہم کو نہیں طاقتِ رفتار
اور اس پہ کئی من کی ہے زنجیر ہماری

شہ کہتے تھے کیوں ذبح ہمیں کرتا ہے ظالم ثابت ہے بتا کون سی تقصیر ہماری
آتی تھی صدا رن میں گلوئے شہ دیںؑ سے گردن تو نہ تھی لائق شمشیر ہماری
سمجھے نہ ہمیں اپنے پیمبرؐ کا نواسا کاٹی گئی گردن دمِ تکبیر ہماری

ہوتی ہے جو مشکل تو انیسؔ جگر افگار
کرتے ہیں مدد حضرت شبیرؑ ہماری

□□□

۱۰۰

مجرائی رو رو کہتی یہ زہراؑ کی جائی ہے   سر کاٹا میرے بھائی کا نانا دہائی ہے

کہتا تھا شمر فوج سے لڑنا سمجھ کے آج   عباسؑ سے نہیں یہ علیؑ سے لڑائی ہے

کہتے تھے شاہ بچوں کی کیونکر بجھے گی پیاس   دریا پہ ظالموں نے تو چوکی بٹھائی ہے

اکبرؑ جو آیا رن میں تو لشکر سے بولا شمر   اس کو بھی مار لو تو بس آگے صفائی ہے

بانو پکاری شاہ کو ڈیوڑھی پہ آن کر   میری تمام عمر کی لٹتی کمائی ہے

دوڑو خبر لو بیٹے کی اے فاطمہؑ کے لال   برچھی ستم کی سینے پہ اکبرؑ نے کھائی ہے

کہتی تھی بانو بیبیو! اب مارے پیاس کے   اصغرؑ کے میرے مردنی چہرے پہ چھائی ہے

زینبؑ پکاری کر کے منہ اپنا سوئے نجف   جلد آؤ یا علیؑ دمِ مشکل کشائی ہے

کچھ بس نہیں ہے چلتا کھڑی دیکھتی ہوں میں   بھائی پہ میرے فوج ستم کی چڑھائی ہے

گھر مصطفیٰؐ کا ہوتا ہے برباد ظلم سے   رن میں بتولؑ پاک کی لٹتی کمائی ہے

بانو یہ بین کرتی تھی اصغرؑ کی لاش پر   واری گئی یہ ماں ترے لاشے پہ آئی ہے

ہرگز نہ ہوگا صاحب اولاد وہ لعیں   جس نے یہ خاک میں تری صورت ملائی ہے

زینبؑ پکاری سبطِ نبیؐ کا نہ کاٹ سر   اے شمر ڈر خدا سے یہ کیا بے حیائی ہے

جو شہ کے سر کو پوچھتا زینبؑ یہ کہتی تھی   لوگو میں کیا بتاؤں کہ یہ میرا بھائی ہے

حاکم نے پوچھا شمر سے اپنا جو منہ چھپائے ۔۔۔ یہ کون ہے جو شام کی بندی میں آئی ہے
بولا یہ شمر خواہرِ شبیرؑ ہے یہی ۔۔۔ زینبؑ اس کا نام ہے زہراؑ کی جائی ہے

مداح ہے جو سبطِ پیمبرؐ کا اے انیسؔ
بے شبہ اس کی خلدِ بریں تک رسائی ہے

□□□

۱۰۱

کب بزمِ غم میں شہ کے سلامی کو کل پڑے
جب تک نہ آہِ سرد کے ساتھ اشک ڈھل پڑے

سر کیوں نہ روزِ عقد کٹا دیوے وہ بنا
اس طرح جب غریب کے پیچھے اجل پڑے

عباسؑ شہ سے کہتے تھے بھائی قبول ہے
گر مجھ پہ لاکھ تیغ تمھارے بدل پڑے

باتو نے جب سنا علی اکبرؑ ہوئے شہید
نزدیک تھا کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

خنجر کے نیچے کرتے تھے شبیرؑ یہ دعا
امت کی مغفرت میں نہ یارب خلل پڑے

یہ باغیوں نے کاٹے تھے اشجارِ باغِ دیں
تھے رن میں لاکھوں خوں بھرے تیغوں کے پھل پڑے

میداں میں خوں بھرے ہوئے لاشے شہیدوں کے
کرتے تھے شکرِ نعمتِ عزّ و جل پڑے

آیا جو سر حسینؑ کا آگے یزید کے
جس کی نگاہ جا پڑی آنسو نکل پڑے

[کھولے چھری سے ہونٹ جب اس نے حسینؑ کے
زینبؑ پکار اٹھیں کہ ترا ہاتھ گل پڑے

دریا سے دور تک گئے منہ پھیرے اہلبیتؑ
تا پانی کے لئے نہ سکینہؑ مچل پڑے

زنداں میں بیٹھیں زینبؑ و کلثومؑ کیوں فلک
اور ان کے ہوں مدینہ میں خالی محل پڑے

فریاد سُن حرم کی یہ کہتے تھے اہلِ شام
شاید یہ لوگ قید میں پہلے پہل پڑے

ایسا سلام نظم کیا تو نے اے انیسؔ
جو اہلِ فہم اس کو سُنے اور اُچھل پڑے

□□□

۱۰۲

قبر میں خاکِ شفا، پھولوں کی چادر باہر
مجریٔ بوئے ارم پھیلی ہے اندر باہر[۱]

دیکھ عبرت سے ذرا گورِ غریباں کی طرف
استخواں قبر کے اندر ہے تو پتھر باہر

دیکھ کرشمۂ ایوانِ طلا کارِ حسینؑ
مہر کترا کے نکل جاتا ہے باہر باہر

کیا صفائی ہے کہ آیا نہ کبھی عکسِ غبار
شیشۂ دل سے صدا آئی کہ باہر باہر

شاعرو! قامتِ اکبر سے نہ دینا تشبیہ
ابھی جامہ سے نہ ہوجائے صنوبر باہر

گھر میں حاکم کے ہے قتلِ شہِ مظلوم کا جشن
سب زن و مرد، زری پوش ہیں اندر باہر

آستیں ابن یداللہ نے الٹی دمِ جنگ
سب نے جانا کہ ہوا میان سے خنجر باہر

گھِر گئے شاہ جو زغے میں تو عباسؑ علی
باندھے ہتھیار پھرا کرتے تھے باہر باہر

شب کو بھی گھر میں ٹھہرتے تھے نہ مانندِ قمر
گرد خیمہ کے کیا کرتے تھے چکر باہر

شاہ خیمہ میں ہیں، ڈیوڑھی پہ علمدارِ حسینؑ
مہر ہے برجِ شرف میں، مہِ انور باہر

ہوگئی آلِ پیمبرؐ میں قیامت برپا
نکلے ہتھیار جو سج کر علی اکبرؑ باہر

غل ہوا تیغِ حسینی سے شرارے جو اُڑے
دن کو پردوں سے نکل آئے ہیں اختر باہر

۱۔ اس سلام کے کچھ شعر مونسؔ کی جلد میں بھی ہیں لیکن پورا سلام میر انیسؔ کے مقطع کے ساتھ قلمی نسخہ جعفر منزل مملوکہ ڈاکٹر سید تقی عابدی میں محفوظ ہے۔

منہ سے کہتا تھا پانی مجھے دیتی ہیں بتولؑ   ہاتھ جنت کے دریچے میں ہیں، ساغر باہر
بے زباں منہ میں مگر شہروں میں پھرتا ہے کلام   اپنی شمشیر تو کاٹھی میں ہے، جوہر باہر
ہر سحر ماتمِ سرورؑ میں نکل آتا ہے   مَل کے چہرے پہ لہو خسروِ خاور، باہر

ہے تمنائے انیسؔ اب کہ دمِ باز پسیں
مرقدِ شہ سے نہ ہووے مرا بستر باہر

□□□

۱۰۳

یوں فلک ہے روضۂ شبیرؑ عالی جاہ پر
اے سلامی ہے کلف جس طرح روئے ماہ پر

خضر قرباں ہیں سلوکِ حیدری ذی جاہ پر
پھر نہ وہ بہکا جسے لائے خدا کی راہ پر

احمدؐ مرسل نے دنیا میں جو کی فاقہ کشی
رزق ہر ممکن کا واجب ہوگیا اللہ پر

حضرت یعقوبؑ کی الفت کی قدر اس دم ہوئی
کھینچ کر جب لائے یوسف کو برادر چاہ پر

قبر میں ہے تخت اُس کا ہے نہ اِس کا بوریہ
ڈھیر مٹی کا برابر ہے گدا و شاہ پر

ہاتھ وہ ہیں، بند جو ہوویں نہ امرِ خیر میں
پاؤں وہ ہیں، جو چلے جائیں خدا کی راہ پر

سارقوں نے سن لیے مضمونِ مولودِ علیؑ
اب کمندیں پھینکتے ہیں قصرِ بیت اللہ پر

کہتے تھے قاسمؑ کوئی ہم سا نہیں حسرت نصیب
جو نئے دولھا ہیں روئیں گے ہمارے بیاہ پر

اسفل و اعلیٰ کو یوں لازم ہے حفظِ آبرو
چاہ دریا پر نہ جاتا ہے نہ دریا چاہ پر

عیب بینوں میں ہنر کوئی نہیں جز اعتراض
شعر کیسے معترض اب ہوں گے بیت اللہ پر

فقر کی نعمت کا میں بھوکا ہوں یا مشکل کشا
آپ کشکولِ گدا بھر دیں خدا کی راہ پر

حبِّ حیدرؑ چاہیے کیسی خطا، کیسے گناہ،
بخش دینا جرم، کیا دشوار ہے اللہ پر

دولت اِس کو دی قناعت کی تو اُس کو گنجِ زر
لطف اس عادل کا یکساں ہے گدا و شاہ پر

الفتِ یوسفؑ زلیخا کو، ہمیں عشقِ علیؑ
کوئی پیاسا حوضِ کوثر پر ہے کوئی چاہ پر

تختِ سلطانی سے بالاتر ہے اس کا بوریہ
صاحبِ مسند ہے، تکیہ ہے جسے اللہ پر

رن سے جو بھاگا نہ جھپٹے اس پہ حضرت جنگ میں
شیرِ نر حملہ کبھی کرتا نہیں روباہ پر

آدم و جن و ملک، حور و پری وحش و طیور
کس کا سر ہے جو نہیں جھکتا تری درگاہ پر

ہر جگہ پیکاں پہ پیکاں تو سری پر تھی سری
یہ کمانوں سے چلے تھے تیر جسمِ شاہ پر

ابروؤں پر شہ کی کیا زیبا تھی نورانی جبیں
خوشنما ہے لوح ہر سورے میں بسم اللہ پر

لاشۂ شبیرؑ عریاں تھا تو صحرا کے طیور
شہپروں سے دھوپ میں سایہ کیے تھے شاہ پر

فکر کا ہے کی ہے کیا دنیا سے جاؤ گے انیسؔ
اپنی روٹی لے کے دسترخوانِ شاہنشاہ پر

□□□

نوحے

maablib.org

maablib.org

انیسؔ کے نوحے

شاعری کی قدیم ترین صنف نوحہ ہے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کے بین سے نوحہ کی ابتدا ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ دنیا کی ہر زبان اور دنیا کے ہر اُس مقام پر نوحہ پہنچ گیا جہاں موت پہنچ سکتی تھی۔ عربی ادبیات میں حضرت آدمؑ سے منسوب شعر، عربی زبان میں نوحے کی زبان میں ملتا ہے۔ سر جیمس جان فریزر اپنی کتاب گولڈن باؤ میں لکھتے ہیں۔ ''جب اسیس (Isis) اپنی بہن کے ساتھ جا کر اپنے شوہر Osiris کی لاش کے قریب بیٹھ گئی اور مسلسل نوحہ و بین کرنے لگی تو لوگ اس سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہ نوحہ و بین کے اشعار ایک عام رسم کی صورت میں ہر مرنے والے پر پڑھے جانے لگے، یعنی تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح نوحہ مقبول ہو چکا تھا۔ قدیم یونانی میں ''مسز موس'' ساتویں صدی قبل مسیح، ہندوستان میں سنسکرت کا شاعر ''امارو'' چوتھی صدی قبل مسیح، روم میں ''کیٹولس'' پہلی صدی قبل مسیح کے شاعر نے بھی نوحے لکھے جو اس دور میں بے پناہ مقبول ہوئے اور اسی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں معروف نوحہ نگار شعرا پیدا ہوئے اور درد دل کے نغمے سناتے رہے۔ جہاں تک اردو شاعری کا تعلق ہے نوحہ بھی دکن کی سرزمین سے نکلا اور جلد ہی شمالی، مشرقی اور غربی برصغیر ہند میں پھیل گیا۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی رونا پیٹنا، بین کرنا اور چلا کر مرنے والے پر رونے کے ہیں۔ اصطلاح میں نوحہ امام حسین علیہ السلام یا شہدائے کربلا کے

مصائب نظم کو کہتے ہیں۔'' مہذب اللغات کے مؤلف جناب مہذب لکھنوی نے اس میں دو شرطیں بڑھادی ہیں کہ ایک ہی فرد کے حال میں ہو اور کسی ایک کی زبان ہو۔ بہرحال نوحوں کی بیاضوں سے آخر الذکر شرط کی تائید نہیں کی جاسکتی ہے۔

اردو نعتیہ مضامین میں حضرت فاطمہ زہراؑ سے منسوب ایک نعت کی نشاندہی کی جاتی ہے جب کہ ''فصول المهمة'' میں ابن صباغ نے اسے نوحہ لکھا ہے اور اس کے موضوع اور مطالب نوحہ کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس نوحہ کا ایک معروف شعر ہے:

صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام عدن لیالیا

اوپر کا اقتباس ہم نے اپنی کتاب ''کائناتِ نجم'' جلد دوم کے مضمون ''نجم آفندی نوحوں کا پرورگار'' سے دیا ہے۔ ہمارا مقصد اس تحریر میں مختصر طور پر انیسؔ کے نوحوں پر روشنی ڈالنا ہے اس لیے ہم یہاں نوحہ کی تاریخ، تدریجی ارتقا اور دوسرے شعرا کے نوحوں کے تقابل سے گریز کرتے ہیں۔ چند اہم مسائل اور موضوعات جو نوحوں سے منسلک ہیں نکات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

ا۔ نوحہ، مرثیہ اور سلام کی طرح اردو شاعری کی ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔

ب۔ نوحہ اگرچہ عربی اور فارسی ادب میں موجود ہے لیکن اردو نوحہ مرثیے ہی کی طرح برصغیر کی تہذیبی اور سماجی قدروں کا آئینہ ہے۔

ج۔ یہ سچ ہے کہ نوحے پر تحقیقی اور تنقیدی کام جس کا وہ مستحق ہے ابھی تک نہ ہوا لیکن یہ بات خوش آئند ہے کہ گذشتہ چند دہائیوں میں نوحے نے اپنی طرف ادیبوں شاعروں اور محققوں کو متوجہ کرلیا ہے۔

د۔ نوحہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی مرنے والے پر رونا اور بین کرنا ہے۔

ہ۔ اردو نوحہ بھی ایک منظوم صنف ہے جو گذشتہ چند صدیوں سے سلام یا غزل کی ہیئت میں لکھا جا رہا ہے جس میں درد و گداز رقت و گریہ کے عوامل بھرے ہوتے ہیں اور عموماً اس کو راگ یا ترنم سے اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ اس پر سینہ زنی بھی ہو سکے۔

و۔ دور قدیم میں نوحے ہر ہیئت میں لکھے جاتے تھے چنانچہ آج بھی قدیم مخطوطات او رمطبوعات میں نوحہ مربع، مخمس، مثنوی، مسدس ترجیع اور ترکیب بند میں نظر آتا ہے۔

ز۔ نوحہ قدیم ترین صنف رثائی شاعری ہے۔ یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ شاید نہ کہی جا سکے کہ مرثیہ نوحے کی توسیع ہے یا نوحہ مرثیہ کا اقتباس۔

ح۔ یہ بھی سچ ہے کہ نوحے کا رواج عورتوں میں زیادہ تھا اس لیے زنانی مجالس میں صرف نوحہ خوانی ہوتی تھی دوسرے خود نوحہ عورتوں کے بین و گریہ زاری کا ترجمان سمجھا جاتا تھا لیکن وقت کے گزرتے سلام اور مرثیہ کی طرح نوحوں میں بھی رثائی ادب کے دوسرے موضوعات نظر آنے لگے اس کے باوجود آج بھی صنف نوحہ مترنم اور غنائیت سے لبریز ہے جس پر لوگ جواب بڑھا سکیں اور سینہ زنی ہو سکے۔ یہ سچ ہے فریاد کی کوئی لے نہیں لیکن نوحے میں نغمگی کی ضرورت ہے اگرچہ آج کل آزاد شاعری میں بھی نوحوں کا رواج بڑھ رہا ہے جن میں درد و گداز لفظوں کے اندرونی غنائیت اور درد سے بھرپور ہے۔

ط۔ رثائی ادب کے تنقید اور تفسیر نگاروں نے نوحہ کو اس کے موضوعات کی روشنی میں ملکی، انقلابی، ماتمی، الوداعی وغیرہ وغیرہ زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

ی۔ نوحوں میں اغلب دیکھا گیا ہے کہ سلیس سادہ زبان میں گریہ وزاری سوز و گداز کے موضوعات کو جگہ دی جائے۔ چنانچہ محاسن زبان اور علم بدیع کی صنعتیں نوحوں میں بہت کم نظر آتی ہیں لیکن بعض نوحے ان مسائل سے مبرا ہیں۔

ک۔ نوحوں میں سوز اور درد پیدا کرنے کے لیے ہندی کے رسیلے درد بھرے شبد استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ تاثیر بڑھ جائے اور ماحول کیفیت دل کے تاروں کو چھیڑ دے۔ اس ضمن میں شاعر اہل بیت، نوحوں کے پروردگار نجم آفندی کے نوحوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ل۔ بعض افراد نے شخصی مرثیوں کی طرح شخصی نوحے لکھے لیکن عموماً مرثیہ کی طرح نوحہ کا نام صرف کربلا کے واقعات اور شہدائے کربلا سے وابستہ روایات اور ان کے کردار و گفتار پر مبنی ہے۔

م۔ بعض شاعروں نے مناجاتی، فریادی، ترحیمی، تعزیتی اور تبریکی نوحوں میں ان موضوعات کو نظم کیا جس مقصد کے لیے اس صنف کو برتا گیا تھا۔ ہمارے شعروادب میں ایسی نظمیں جنھیں نوحہ کہا گیا ہے موجود ہیں۔

ن۔ کربلائی نوحوں کو بلا تفریق مذہب وملت شاعروں نے نظم کیا ہے یہ بھی برصغیر کی خصوصیت ہے کہ یہاں غم شہدائے کربلا سے متاثر ہر مذہب کا حساس فرد ہے۔

اس مختصر تمہیدی گفتگو کے بعد میر انیسؔ کے نوحوں کے بارے میں یہ نکات قابل ذکر ہیں۔

1. انیسؔ کے نوحوں کی تعداد جو آج ہمارے پاس مطبوعہ شکل میں موجود ہیں کل پندرہ (15) ہیں۔
2. سب سے چھوٹا نوحہ چھ (6) شعر اور سب سے بڑا نوحہ 24 اشعار کا ہے اس طرح کل اشعار کی تعداد 158 ہے۔
3. ان پندرہ نوحوں میں کئی نوحے ایک ہی شہید کے بارے میں ہیں جنھیں "ماتم" یا ماتمی نوحہ کہہ سکتے ہیں۔

4. بعض نوحے مہندی، وداع اور لفظ ندا وامصیبتا وغیرہ کی ردیف سے منظوم ہوئے ہیں جو خاص مواقع یا تاریخوں میں پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔
5. یہاں نوحوں میں روایات مکالمات اور واقعات کے ساتھ ساتھ جذبات کو برانگیخت کرنے کا سامان موجود ہے۔
6. بعض نوحوں میں سینہ زنی کو موثر کرنے کے لیے غنائیت کے ساتھ حسینؑ فاطمہؑ اور حسینؑ وغیرہ ناموں کی تکرار ہے۔
7. انیسؔ کے نوحوں کی یہ خاص بات ہے کہ اکثر نوحے خواتین کے مکالمے اور خواتین کے بین سے بنائے گئے ہیں تا کہ خواتین کی بات چیت اور ان کے طرز درد والم کا نقش پیش کیا جا سکے۔
8. نوحوں کی زبان سلیس، سادہ اور عام فہم ہے۔ بعض الفاظ بھاشا زبان اور ہندی اودھی کے بھی نوحے کی تاثیر میں اضافہ کرتے ہیں۔
9. اگرچہ ان نوحوں میں تشبیہات استعارات کا دخل زیادہ نہیں تا کہ سننے والے کی تمام تر توجہ اس کے درد و غم اور سوز و گداز پر جمی رہے۔
10. تقریباً تمام نوحے مردف ہیں اور نوحوں کے درد والم میں انیسؔ نے خود کو بھی شامل کیا ہے۔
11. انیسؔ کے نوحوں کے مطالعے سے یہ بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ شاید انھوں نے خواتین کی فرمائش یا ماتمی گروہوں کی ضرورت کے تحت یہ نوحے تصنیف کیے۔
12. اگرچہ زیادہ تر نوحے مکی نوحوں کی صف میں شامل ہیں لیکن بعض نوحے سلاموں کی طرح وہ تمام محاسن اور مہارت کا نقش پیش کرتے ہیں جو انیسؔ جیسے خالق کی تخلیق کا عکس ہے۔

۱

بیاں کرتی تھی کبریؑ، اے مرے رشکِ قمر دولھا!
ہوا پامال گھوڑے سے ترا تن، سیم بر، دولھا!

پھراتے در بدر کس طرح اک دن کی بیاہی کو
جو کوئی کاٹ لیتا تیرے بدلے میرا سر دولھا!

جہاں میں ایسی بھی شادی کسی کی کم ہوئی ہوگی
گیا مرنے دُلھن کو چھوڑ کر، وقتِ سحر دولھا!

نہ چھوڑوں گی کبھی رونا، نہ بدلوں گی کبھی کپڑے
رہوں گی جوڑا رنڈ سالے کا پہنے عمر بھر، دولھا!

نہ پایا رسم کا شربت گئے دنیا سے تم پیاسے
ہوئے ہے ہے نہ مرتے مرتے لب پانی سے تر دولھا!

نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ دلاور ہیں نہ بابا ہیں
پھرائیں گے لعیں اونٹوں پہ ہم کو در بدر دولھا!

تمھارے آگے مرتی ہیں، پہ یہ قسمت میں لکھا تھا
دولھن بیٹھی رہے، کر جائے دنیا سے سفر دولھا!

ہوئے میہندی کے بدلے سرخ دست و پا ترے خوں سے
ہوا طرّے کی جا تم کو میسر زخمِ سر، دولھا!

(ق)

وطن میں جا کے کب ہم جولیوں کو منہ دکھاؤں گی
تمھاری قبر پر بیٹھی رہوں گی عمر بھر دولھا!

جو کوئی مجھ سے پوچھے گا یہ کس کی قبر ہے بتلا
کہوں گی رو کے میں تھا یہ مرا خستہ جگر دولھا!

ہوئی میں رانڈ بیاہی ایک شب کی، دل جلی، دکھیا
سحر کو رن میں کھا کر مر گیا تیغ و تبر دولھا!

نشانی آستیں دے کر گئے تم ایسے دنیا سے
دوبارہ پھر دولھن کی لی نہ کچھ آ کر خبر دولھا!

سوائے آرسی مصحف، نہ صورت دیکھنے پائی
نہایت تم نے جلدی باندھی مرنے پر کمر دولھا!

مجھے یاں چھوڑ کر کس پر گئے گلزار جنت کے
مرے والی، مرے وارث، مرے رشکِ قمر دولھا!

انیسؔ خستہ دل حق سے دعا کر ہاتھ پھیلا کر
محرم سے بلا روضے پہ اپنے پیشتر، دولھا!

□□□

۲

بے سَر ہُوا امامِ زماں، وا مصیبتا!
ویراں پڑا ہے سارا جہاں، وا مصیبتا!

نشوو نما ملے جسے شیرِ بتولؑ سے
ہوئے وہ ذبح تشنہ دہاں، وا مصیبتا!

گرمی میں ہائے ساقیِ کوثر کے لال کی
ہے خشک تشنگی سے زباں، وا مصیبتا!

مقتل سے لُٹ کے احمدِؐ مختارؐ کے حرم
کوفہ کو اب ہوئے ہیں رواں، وا مصیبتا!

آیا ہے جن کی آیۂ تطہیر شان میں
ہیں بے ردا وہ نوحہ کناں، وا مصیبتا!

جو سر بتولؑ بازو پہ رکھتی تھیں رات کو
وہ سر تنور میں ہے نہاں، وا مصیبتا!

زینبؑ جو "ہائے اِبنِ اخیؑ" کہتی تھی انیسؔ
سب کہتے تھے نہ کیجے فغاں، وا مصیبتا!

□□□

۳

چہلم ہے آج سرورِ عالی مقام کا
عریاں ہے سر رسول علیہ السلام کا

زنداں سے چھٹ کے آئے ہیں مقتل میں اہلِ بیتؑ
لاشہ اٹھانے سبطِ رسولؐ انام کا

تیاریاں ہیں دفنِ شہیدانِ پاک کی
مرقد بنا ہے ان میں ہر اک نیک نام کا

فضہ پکاری بی بیو! آکر شریک ہو
سجادؑ دفن کرتے ہیں لاشہ امامؑ کا

بھائی کے ساتھ گاڑ دو اے کاش مجھ کو بھی
تھا یہ بیان زینب ناشاد کا

کہتی تھی باتو ملتا جو اک جام شیر کا
دلواتی فاتحہ علی اصغرؑ کے نام کا

یارب دعا ہے تجھ سے یہ ہر دم انیسؔ کی
روضہ دکھا حسین علیہ السلام کا

□□□

۴

روکے کہتی تھی زینبؑ یہ رن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!
سر کٹائے پڑا ہے تو بَن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

خون جاری رگوں سے ہوا ہے، گویا دریا لہو کا بہا ہے
زخم کاری لگے ہیں بدن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

رونے دیتے نہیں غم زدوں کو مارتے ہیں لعیں ہم سبھوں کو
پیٹیں کیونکر بندھے ہیں رسن میں ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

تیرے لاشے کو کیونکر اٹھاؤں سر پہ چادر نہیں جو بچھاؤں
خاکِ صحرا بھری ہے بدن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

ہم کو امت نے کیسا ستایا، پیشِ حاکم کھلے سر بلایا
اور علیؑ کو رُلایا کفن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

کیا قیامت کی ہے ہے گھڑی ہے، پیشِ حاکم سکینہؑ کھڑی ہے
سر تمھارا دھرا ہے لگن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

اے انیسؔ اب اُڑا خاک روکر، چھپ گئی ہائے وہ لاشِ سرور
چاند زہراؑ کا آیا گہن میں، ہائے زہراؑ کے پیارے حسینؑ!

□□□

۵

شبیرؑ نے یہ خیمے کی ڈیوڑھی پہ پکارا، مارے گئے اکبرؑ
گھر لٹ گیا اے بانوئے ناشاد تمھارا، مارے گئے اکبرؑ

ہم بیکس و تنہا ہوئے، واحسرت و دردا واحسرت و دردا
جینے کا ہمارے نہ رہا کوئی سہارا مارے گئے اکبرؑ

زینبؑ سے یہ کہہ دو کہ کرے چاک گریباں، پیٹے بصد افغاں
نیزے سے ترے لال کا دِل چھد گیا سارا، مارے گئے اکبرؑ

چاہا تھا کہ ہم پہلے گلا اپنا کٹائیں، بیٹے کو بچائیں
تقدیر سے لیکن نہ چلا، زور ہمارا، مارے گئے اکبرؑ

اٹھارہ برس کی مری دولت ہوئی برباد، فریاد ہے فریاد
تنہا ہوا اب حیدر کرارؑ کا پیارا، مارے گئے اکبرؑ

اب ذبح کریں گے ہمیں خنجر سے ستم گار، اے بانوئے ناچار
لاشہ بھی اُٹھانے کا نہیں کوئی ہمارا، مارے گئے اکبرؑ

نکلی ہوئی تھی سوکھی زباں ہونٹوں سے باہر، میں پیٹتا تھا سر
دوبار کیا ہاتھ سے پانی کا اشارا، مارے گئے اکبرؑ

دُنیا سے گئے سینے پہ پھل برچھی کا کھایا، اے وائے مقدر!
کیوں مجھ کو نہ پہلے ستم ایجاد نے مارا، مارے گئے اکبرؑ

غُل ہوتا تھا خیمے میں انیسؔ آہ و بکا کا، ساماں تھا عزا کا
جب کہتا تھا رو کر اسد اللہؑ کا پیارا، مارے گئے اکبرؑ

□□□

(۶)

شہ کہتے تھے جنگاہ سے آؤ علی اکبرؑ
پھر چاند سی یہ شکل دکھاؤ علی اکبرؑ

تنہا ہے پدر، لاکھوں عدو در پے جاں ہیں
نصرت کے لیے باپ کی آؤ علی اکبرؑ

قاسمؑ سے کہو تم کو بلایا ہے چچا نے
عباسؑ جو سوتے ہوں جگاؤ علی اکبرؑ

عرصے سے جو دیکھا نہیں، بیتاب ہے مادر
پھر آکے اُسے شکل دکھاؤ علی اکبرؑ

اب وقتِ نماز آیا ہے، ہے ظہر کا ہنگام
پھر اپنی اذاں ہم کو سناؤ علی اکبرؑ

دم پیاس سے ہے اصغرؑ ناداں کا لبوں پر
پانی اُسے ایک بوند پلاؤ علی اکبرؑ

خیمہ مرا سنسان ہے تم جب سے گئے ہو
گھر چھوڑ کے جنگل نہ بساؤ علی اکبرؑ

اب آیا ہے لینے کو تمھیں قاصدِ صغراؑ
بیمار کے تم لینے کو جاؤ علی اکبرؑ

اے شیر مرے کون سے جنگل میں پڑے ہو
آواز تو بابا کو سناؤ علی اکبرؑ

آنکھوں میں بصارت نہیں، تاریک جہاں ہے
تم ہاتھ مرا تھامنے آؤ علی اکبرؑ

نیند اصغرؑ ناداں کو نہیں جھولے میں آتی
آغوش میں تم اپنی سُلاؤ علی اکبرؑ

چھاتی پہ مری شمر ستم گار چڑھا ہے
سینے سے مرے اس کو ہٹاؤ علی اکبرؑ

جب لوٹ ہوئی بنت ' علی کہتی تھی رو رو
چادر سرِ زینبؑ کی بچاؤ علی اکبرؑ

مضطر ہے انیسؔ اب تو بہت آپ کا ہر دم
اس کو بھی زیارت کو بلاؤ علی اکبرؑ

□□□

ے

کہتی تھی صغرا یہی، اے مرے بے سر پدر
بے کس و بے آشنا، کشتۂ خنجر پدر

وعدہ کیا تھا، تجھے جا کے بلاؤں گا میں
ہوگیا وعدہ ترا ہائے برابر پدر

زیست کا جاتا رہا، ہائے مری سب مزا
تیرے بِن اب زندگی ہوئے گی کیونکر پدر

چھاتی بھری آتی ہے مجھ کو جگر افگار کی
خالی، ہوں جب دیکھتی، حجرے کو جا کر پدر

اکبر و اصغر کو تم لے گئے شفقت کے ساتھ
یاد نہ آئی تمھیں ہائے یہ دختر پدر

ٹوٹ گئی میری آس، ہوگئی میں ناامید
سُن کے سنائی تری اے مرے سرور پدر

وادیِ کربؔ و بلا تم نے بسایا ہے آہ
کر گئے ویران تم ہائے مرا گھر پدر

سنتی ہوں پھپھیاں مری، فوجِ عدو میں ہیں قید
اُن کو چھڑائے گا کون، قید سے جا کر پدر

ساتھ گیا تھا جو آہ، شہر سے بہرِ وغا
ہائے وہ کیا ہوگیا آپ کا لشکر پدر

ہے یہ مری التجا، پاس ہی اپنے مجھے
جلد بُلا لیجیے! بہرِ پیمبر پدر

کہتی تھی رو کر انیسؔ فاطمہ کبریٰ یہی
ہائے میں جیتی رہی، ہوگئے بے سر پدر

□□□

۸

کہتے تھے زینبؑ سے روکر آج سرور، الوداع!
اے مری بیکس بہن، اے میری خواہر الوداع!

دیکھ لے اس شب مجھے پھر ہم کہاں اور تم کہاں
حشر کے دن پھر ملے گا یہ برادر، الوداع!

تین دن پانی کے بدلے خونِ دل میں نے پیا
صبح کو میرا لہو پیوے گا خنجر، الوداع!

وقت پہنچا وہ کہ جس کا تھا سدا دھڑکا ہمیں
کل جدا ہووے گا اس تن سے مرا سر الوداع

رات بھر کا اے بہن! دنیا میں اب مہمان ہوں
صبح کو ویران ہوجائے گا یہ گھر، الوداع

گرد خیمے کے جو رونے کی یہ آتی ہے صدا
روحِ زہراؑ پر قلق، میری سُن کر الوداع

اے مری کلثومؑ بہنا! ہے شہادت عنقریب
صبح ہوجائے گی تجھ پر صبحِ محشر، الوداع!

ذبح کرتے وقت بھی پانی نہ دیویں گے لعیں
تشنہ لب جاؤں گا میں تا حوضِ کوثر، الوداع!

پہلے میرے غرقِ دریائے شہادت ہوں گے سب
اکبرؑ و عباسؑ و قاسمؑ، عونؑ و جعفرؑ الوداع!

اے سکینہ الفراق! اے پیاری بیٹی الفراق!
فاقہ کش، تشنہ دہن، مظلوم دختر، الوداع!

آ، ذرا لگ جا گلے اپنے مسافر باپ سے
اے مری لاڈوں کی پیاری، ناز پرور الوداع!

خاک اڑا کر صبح سر پر کرے اب رخصت مجھے
اے انیسؔ درد و غم بانوے مضطر الوداع ۳؎

□□□

۹

کہتی ہے[۴] تمھیں زینبؑ دل خستہ، مرے بیر حسینؑ
خاک میں کس نے ملائی، تری تصویر حسینؑ

تم تو پردیس میں سر اپنا کٹا کر سوئے
شام[۵] کو جاتی ہے سر ننگے یہ ہمشیر حسینؑ

تازیانے مجھے[۶] بے جرم لگاتے ہیں لعیں
اس کے[۷] خطا کی انھیں دیتے نہیں تعذیر حسینؑ

روح پیاسی تری جنت کو سدھاری صد حیف
پانی[۸] ہاتھ آیا نہ لیکن کسی تدبیر حسینؑ

تیرے لاشے کو کفن بھی نہ ملا ہائے[۹] اخی
سر پہ چادر نہ رہی[۱۰] کیا کروں تدبیر حسینؑ

گھر سے بلوا کے کیا آلِ محمدؐ کو شہید
ننگے سر اونٹوں پہ ہم کو کیا تشہیر حسینؑ

پوچھتی[۱۱] ہے تمھیں ہر بار سکینہؑ مجھ سے
اس کے بہلانے کی اب کیا کروں تدبیر حسینؑ

تیرے رتبے کی کسی نے نہ شناسائی کی
یہ نہ سمجھے کہ ہے قرآن کی تفسیر حسینؑ

زینبؑ[۱۲] خستہ جگر کہتی تھی رو کر یہ انیسؔ
میرے عاشق، مرے شیدا، مرے شبیرؑ حسینؑ

۱۰

ہوگئی بے نور جب شمعِ مزارِ فاطمہؑ
اڑ گیا سیماب ساں صبر و قرارِ فاطمہؑ

بن گئے اس دن سلیماں بادشاہ انس و جاں
لعل و دُرِ حق نے کیے جس دن نثارِ فاطمہؑ

سرگذشت کربلا کیا پوچھتے ہو، دوستو!
گر پڑا گھوڑے سے جس دم شہسوارِ فاطمہؑ

پُر خطر صحرا میں اُس دم بھولتے مجھ کو نہیں
ہائے ہائے نالۂ شب ہائے تارِ فاطمہؑ

دفن کرکے لاشۂ اصغرؑ کو بولے شاہِ دیں"
یہ امانت کی سپرد ہم نے تمہارے فاطمہؑ

تا بہ چہلم دھوپ میں اس کا تنِ نازک رہے
خوابگہ ہوئے سدا جس کی کنارِ فاطمہؑ ۱۵۰

□□□

۱۱

خیمۂ ابنِ حسنؑ میں ہے جو آئی مینہدی
پیاری دخترِ شہِ بیکس کی ہے لائی مینہدی

رو دیے ابنِ حسنؑ سوچ کے کچھ حال اپنا
جس گھڑی قاسمؑ نوشہ نے لگائی مینہدی

ہنس کے یہ مادرِ قاسمؑ نے کہا زینبؑ سے
لال کی مجھ کو خدا نے ہے دکھائی مینہدی

سہرا باندھے ہوئے میدان میں وہ قتل ہوا
بیاہ کی ہائے اُسے راس نہ آئی مینہدی

بدلے شربت کے پیا دولھا نے آبِ خنجر
خون میں قاسمؑ نوشہ کے نہائی مینہدی

درِ خیمہ پہ کھڑی کہتی تھی فضہ سب سے
دیکھ لو قاسمؑ نوشہ کی ہے آئی مینہدی

سبز تھی سرخ ہوئی ہاتھ میں نوشہ کے انیسؔ
خوش ہوئی ایسی کہ پھولے نہ سمائی مینہدی

□□□

۱۲

دنیا میں آج حشر کا دن آشکار ہے
سبطِ نبیؐ کے سینے پہ قاتل سوار ہے

چلّا رہی ہے خیمہ سے زینبؑ، اتر لعیں
بھائی کا میرے زخموں سے سینہ فگار ہے

کہتے تھے شاہ شمرؔ سے مجھ کو نہ ذبح کر
دنیائے چند روزہ کا کیا اعتبار ہے

مرجاؤں گا میں آپ ہی اب تھوڑی دیر میں
قالب میں روح کا کوئی دم کو قرار ہے

اُنیس سو ہیں تیغ و سناں و تبر کے زخم
سنگِ ستم کے خوں سے بدن لالہ زار ہے

قرآں ہے صاف سینہ یہ بیٹھا جس پہ تو
بوسہ گہِ رسولؐ پہ خنجر کی دھار ہے

ہے زلزلہ زمیں کو، گہن میں ہے آفتاب
بارش ہے خوں کی چشمِ فلک اشکبار ہے

ہے عنقریب پھونکے سرافیلؑ صور کو
بسم حکمِ کبریا کا فقط انتظار ہے

اب آگے کر بیاں نہ انیسِ جگر فگار
یہ دن وہ ہے کہ سارا جہاں اشکبار ہے

۱۳

زینبؑ نے کہا بی بیو! لو مر گئے بھائی
پردیس میں برباد مجھے کر گئے بھائی

اے وا اَسفا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے
مرنے سے ترے تین اُجڑ گھر گئے بھائی

زخموں سے بدن چور، نہ تن پر سرِ اقدس
اس شکل سے تم پیشِ پیمبر گئے بھائی

کیا فاطمہؑ کا حال ہوا ہووے گا اُس دم
جس وقت کہ تم خلد میں بے سر گئے بھائی

قاسمؑ گئے، عباسؑ گئے عونؑ و محمدؑ
ہمراہ ترے اکبرؑ و اصغرؑ گئے بھائی

جو عید کے دن تم نے سکینہؑ کو دیے تھے
کانوں سے اُتر اس کے وہ گوہر گئے بھائی

زینبؑ یہی کہتی تھیں انیسؔ جگر افگار
کس ملک کو دنیا سے سفر کر گئے بھائی

□□□

حواشی:

۱۔ شتر گربہ، ممکن ہے کہ 'تو' کی تصحیف ہو۔

۲۔ وو=وہ

۳۔ روایتی طور پر اسے مقطع کہنا مشکل ہے اور بھی اندرونی شہادتوں کی بنا پر مجھے اس کو کلامِ انیسؔ ماننے میں تامل ہے۔ اگر یہ ہے بھی تو بالکل ابتدائے مشق کا کلام ہے۔

۴۔ سے سلام اس پر جو کہتی تھی مرے بیر حسینؑ بس: ۴۳

۵۔ ننگے سر آئی ہے مجرے کو یہ ہم شیر حسینؑ (بس: ۴۳)

۶۔ تری بچی کو (بس: ۴۳)

۷۔ کس گنہ کی ہمیں دیتے ہیں یہ تعذیر حسینؑ (بس: ۴۳)

۸۔ مرتے مرتے نہ دیا ظالموں نے نیر حسینؑ (بس: ۴۳)

۹۔ میرے (بس: ۴۳)

۱۰۔ بھی نہیں (بس: ۴۳)

۱۱۔ پوچھتی شہ کو سکینہؑ ہے کہاں ہیں بابا (بس: ۴۳)
کیا کروں اب اسے بہلانے کی تدبیر حسینؑ (بس: ۴۳)

۱۲۔ یہ شعرِ فدائی کے نوحے میں نہیں ہے، لیکن حسب ذیل اشعار زیادہ ہیں۔

۱۳۔ سقوطِ ہائے ہوز واضح ہے۔

۱۴۔ قافیہ محلِ نظر ہے۔

۱۵۔ مقطع درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ نیچے صرف "......اے انیسؔ" چھپا ہے۔ غالباً وہ حصہ پلیٹ سے اڑ گیا۔

۱۶۔ یہ نوحہ مہندیوں کے مجموعے میں ایک 'مہندی' کی حیثیت سے شائع ہوا ہے۔ مہندی تخیل کی پیدا کردہ اور ہندی ماحول کی دین ہے۔ عرب میں اس کا رواج نہیں ہے۔

۱۷۔ ناگوار تعقید ہے۔

□□□

۱۴

کیا عبادت کا تمھیں ذوق تھا اللہ اللہ
تہِ شمشیر بھی جاری رہی تکبیر حسینؑ

جس طرح مجھ کو پیاسا کیا اعدا نے شہید
یوں کبھی ذبح نہ کرتا کوئی نخچیر حسینؑ

جد کو، ماں باپ کو، اور بھائی حسنؑ کو روئی
کیا بُری میری بھی بچپن سے ہے تقدیر حسینؑ

اک سہارا تھا ترا اے مرے پیارے شبیرؑ
وہ بھی یاں آن کے کھو بیٹھی یہ ہم شیر حسینؑ

رات دن وردِ زباں تھا مرے "بھائی بھائی"
اب اخی کس کو کہے زینبؑ دلگیر حسینؑ

حشر تک روئے گی سب خلقِ خدا تیرے لیے
کیا ترے غم کی ہے اللہ رے تاثیر حسینؑ

امّاں زہراؑ کا جنازہ تو اٹھا تھا شب کو
مجھ کو بلوے میں لیے جاتے ہیں بے پیر حسینؑ

پوچھتا ظالموں سے کوئی نہیں تیرے بن
کیا یتیموں کی یہی ہوتی ہے توقیر حسینؑ

قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ بھی عونؑ و جعفرؑ
قتل سب ہو گئے تا اصغرؑ بے شیر حسینؑ

علی اکبرؑ کو تو نیزہ، علی اصغرؑ کو تیر
حصّہ عابدؑ کا ہوا طوقِ گلوگیر حسینؑ

قافلہ رانڈوں کا لے کر ترے سر کے ہمراہ
پا پیادہ ہے وہ پہنے ہوئے زنجیر حسینؑ

کان زخمی کیے، دُر چھینے، طمانچے مارے
اس پہ رونے نہیں دیتے اسے بے پیر حسینؑ

بابا تو کہتی تھیں تمھیں ڈھونڈ کہاں سے لاؤں
میرے والی، مرے وارث، مرے شبیر حسینؑ

ساتھ ہی رونے کی زہراؑ کے صدا آتی تھی
ام کلثومؑ جو کہتی تھی مرے بیر حسینؑ

تم کو منصب تو شہادت کا خدا نے بخشا
ہم کو زندان کی قسمت نے دی جاگیر حسینؑ

شام کو جاتی ہوں میں، تم کو خدا کو سونپا
میرے مظلوم اخی، کشتۂ شمشیر، حسینؑ

شہ کے تب حلقِ بریدہ سے یہ آئی آواز
سر بھی ہمراہ چلے گا ترے ہمشیر حسینؑ

یہ فدائی ہے ترے در کا گدا یا شبیرؑ
کربلا کی اِسے دلوایئے جاگیر حسینؑ

□□□

۱۵

اک رات کی بیاہی یہ بیاں کرتی تھی رو کر
میں لٹ گئی صاحب
تم رن میں پڑے سوتے ہو یاں میں ہوں کھلے سر
میں لٹ گئی صاحب
اک شور ہوا خیموں میں در آئے ستم گر
جب مر گئے سرورؑ
خیمے جلے اسباب لٹا، چھن گئی چادر
میں لٹ گئی صاحب
کنگنے کی جگہ ہاتھوں میں اب دوہری رسن ہے
یہ رنج و محن ہے
افشاں کی جگہ خاک پڑی ہے میرے سر پر
میں لٹ گئی صاحب
دُرّوں سے ہوئی چوتھی رسن سے ہوئے چالے
دل پر چلے بھالے
آیا نہ مجھے راس یہ مہندی کا رچانا
سہرا وہ شہانا

تم مر گئے میں لٹ گئی برباد ہوا گھر
میں لٹ گئی صاحب
اماں نے مجھے آن کے رنڈ سالہ پہنایا
اور سہرا بڑھایا
جب چوڑیاں توڑیں تو سخن لائی یہ لب پر
میں لٹ گئی صاحب
رکھے ہوئے ہاتھوں کو انیسؔ آنکھوں پہ کبریٰ
کہتی تھی یہ دکھیا
لو جلد خبر نیزے چبھوتے ہیں ستم گر
میں لٹ گئی صاحب

بحوالہ مضمون ''خاندان انیس کی نوحہ گری'' / علی احمد دانش لکھتے ہیں۔

ہم ایک اور ایسا نوحہ جو اب تک بیاض خطی کی زینت رہا اور کبھی کبھی گھر میں پڑھا گیا، پیش کر رہے ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے اور خصوصا بین کے لحاظ سے جناب کبریٰ حال میں انیس کا یہ بہترین نوحہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

□□□

maablib.org

غزلیات

maablib.org

(۱)

غزل

وجد ہو بلبل تصویر کو جس کی بو سے
اس سے گلرنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے ا؎
کس سے اے شوخ ہوئی رات کو ہاتھا پائی
نورتن آج جو ڈھلکا ہے تیرے بازو سے
کل تو آغوش میں شوخی نے ٹھہرنے نہ دیا
آج کی شب تو نکل جاؤ میرے قابو سے
شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے
آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے
ایک دن وہ تھا کہ تکیہ تھا کسی کا زانو
اب سر اٹھتا ہی نہیں اپنے سرِ زانو سے
نزع میں ہوں مری مشکل کروں آساں یارو
کھول تعویذ شفا جلد مرے بازو سے
شوخیِ چشم کا تو کس کے ہے دیوانہ انیسؔ
آنکھیں ملتا ہے جو یوں نقشِ سمِ آہو سے

ا؎ ''دیوان غریب'' کلب حسین نادر متوفی ۱۲۹۵ھ

۲

غزل

اشارے کیا نگہِ ناز دلربا کے چلے
جب ان کے تیر چلے نیچے قضا کے چلے

پکار کہتی تھی حسرت سے لاش عاشق کی
صنم کہاں ہمیں تو خاک میں ملا کے چلے

کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی
چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

مِلا جنھیں انھیں افتادگی سے اوج ملا
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے

مثال ماہی بے آب موج تڑپا کی
حباب پھوٹ کے روئے جو وہ نہا کے چلے

تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے

انیسؔ دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

□□□

۳

غزل

بتوں سے آنکھیں لڑا چکے ہیں ہیں غضب کے صدمے اٹھا چکے ہیں
ہوئی ہے برباد زندگانی کیے کو ہم اپنے پا چکے ہیں

بصدِ شبخوں لگا کے مسی لبوں پہ لاکھا جما چکے ہیں
نہ باز آئیں گے میرے خوں سے وہ اس کا بیڑا اٹھا چکے ہیں

جو بیٹھے آئینہ شانہ لے کر تو شام سے لے کر صبح کر دی
ہوا جو پچھلے پہر کا تڑکا تب آپ چوٹی گندھا چکے ہیں

ہوس جہاں کی مٹا چکے ہیں قضا کے پیغام آ چکے ہیں
وہ تیغ اپنی اٹھا چکے ہیں ہم اپنی گردن جھکا چکے ہیں

بچائی تم نے جو میری جاں اب جہاں میں ہے دھوم اے شکرلب
جدھر نکلتے ہو کہتے ہیں سب یہی تو مردہ جلا چکے ہیں

عجب طبیعت اُدھر لگی ہے مری سوئے در لگی ہے
ذرا ٹھہر جا خبر لگی ہے عنا ہے در تک وہ آچکے ہیں

اندھیرا ہے خوف کچھ نہ کھاؤ خیال نقشِ قدم نہ لاؤ
نظر کی صورت چلے بھی آؤ ہم اپنی آنکھیں بچھا چکے ہیں

صفیرِ غم کیا جو وہ نہ آیا، اجل بھی آخر نہ آئے گی کیا
جنھیں کے مرنے کی تمنا وہ جینے سے ہاتھ اٹھا چکے ہیں

گئے ہیں چھپ کر رقیب کے گھر قدم نکالے ہیں حد سے باہر
ابھی تو آگے نہ ہوگا کیا کیا، حیا کا پردہ اٹھا چکے ہیں

انیسؔ ایسے نہیں وہ ناداں سمجھ نہ جائیں سخن کی تہ کو
غزل کے پردے میں اپنا مطلب ہم ان کو بالکل سنا چکے ہیں

□□□

۴

غزل

شہید عشق ہوئے قیس نامور کی طرح
جہاں میں عیب بھی ہم نے کیے ہنر کی طرح

کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق سحر کی طرح
ڈھلا ہی جاتا ہوں فرقت میں دوپہر کی طرح

تمھارے حلقہ بگوشوں میں ایک ہم بھی ہیں
پڑا رہے یہ سخن کان میں گہر کی طرح

نحیف و زار ہیں کیا باغباں سے زور چلے
جہاں بٹھا دیا بس رہ گئے شجر کی طرح

خدا جہاں میں سلامت رکھے تجھے اے قبر
کہ سوئے پاؤں کو پھیلا کے اپنے گھر کی طرح

ہماری قبر کو کیا احتیاج عنبر و عود
سلگ رہا ہے ہر اک استخواں اگر کی طرح

سیاہ بختوں کو یوں باغ سے نکال اے چرخ
کہ چار پھول تو دامن میں ہوں سپر کی طرح

تمام خلق ہے خواہانِ آبرو یارب
چھپا مجھے صدف قبر میں گہر کی طرح

تجھ ہی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں
مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح

انیسؔ یوں ہوا حالِ جوانی و پیری
بڑھے تھے نخل کی صورت گرے ثمر کی طرح

□□□

maablib.org

۵

غزل

(نامکمل)

زباں میں لکنت، صدا میں رعشہ نہ دل میں طاقت نہ تن میں جاں ہے
نہ وہ فصاحت نہ وہ بلاغت، نہ وہ طلاقت نہ وہ بیاں ہے
ہوئی ہے بالوں پہ برف باری، فسردگی سر بسر عیاں ہے
گیا جوانی کے ساتھ سب کچھ وہ گرمیِ عشق اب کہاں ہے
جو کی ہے اس وقت آہ میں نے بجھی ہوئی آنکھ کا دھواں ہے

(ذخیرہ جعفر منزل مملوکہ ڈاکٹر سید تقی عابدی، چھٹی قلمی جلد مرثیہ)

maablib.org

maablib.org

قطعات

maablib.org

(۱)

غافل تجھے کیوں خواہشِ دنیائے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

(۲)

مومنو! یہ مقام زاری ہے
رولو اب وقت اشکباری ہے
فاطمہؑ آچکی ہیں مجلس میں
اب کہو کس کی انتظاری ہے

(۳)

دل میں جب مسلم بے کس کا خیال آتا ہے
صاحب درد کو افسوس کمال آتا ہے
سر نیزے پہ چڑھا لاش پھری کوچوں میں
ایلچی پر کہیں ایسا بھی زوال آتا ہے

(۴)

محرم آیا الم کا پیام آپہنچا
مقام قتل پہ اپنے امام آپہنچا
بہاؤ چشم سے تم اشک اے عزا دارو
غم حسینؑ علیہ السلام آپہنچا

(۵)

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
انجام پہ اک ذرا نظر کر
اس طولِ امل سے فائدہ کیا
کل کوچ ہے قصہ مختصر کر

(۶)

نیزہ شبیرؑ کو شقی نے مارا
اور تیر سہ پہلو بھی کسی نے مارا
جب شمر کو دیکھتی سکینہؑ کہتی
ہائے مرے بابا کو اسی نے مارا

مخمس اور مسدس

maablib.org

maablib.org

مخمس

کل ہم اخبار امامانِ اُمم دیکھا کیے   ابتدا سے انتہا تک یک قلم دیکھا کیے
پڑھ کے اس مطلع کو سوئے چرخ ہم دیکھا کیے   اے فلک مجرے کو جن کے تجھ کو غم دیکھا کیے
ہائے تو دیکھا کیا اور وہ ستم دیکھا کیے

تیر جب اصغرؑ کو مارا حرملہ نے یک بیک   کیا کہوں بیتاب تھے کیسے شہ جن و ملک
ہاتھ تو بچے کے سینہ پر نگہ سوئے فلک   مرگیا اصغر تو اک ہچکی میں لیکن دیر تک
ہاتھ رکھ کر شاہ دیں سینہ پہ دم دیکھا کیے

گھر گیا بیٹا جو زغہ میں سپاہ شام کے   چل گئی غم کی چھری دل پر شہ ناکام کے
بسکہ بلبل کی طرح عاشق ہے اس گلفام کے   شاہ تیری صورت بسمل کلیجہ تھام کے
پار جس دم سینہ اکبر کے بھالا گیا

گر پڑا گھوڑے سے جس دم اکبر غنچہ دہن   پڑگئے کانٹے زباں میں کھل گئے زخم بدن
کیوں نہ ہوتی رن کی وہ ساری زمیں رشک چمن   برچھیاں کھا کھا کے رن میں اکبر گل پیرہن
جس جگہ تڑپا وہاں اک خوں کا تھالا ہوگیا

□□□

مسدس

کریں گے جبکہ نکیرین مجھ سے آ کے کلام　　کہ کون رب ہے ترا کون ہے نبی و امام
کہوں گا رب ہے مرا ذوالجلال والاکرام　　محمدؐ عربی ہے مرے نبیؐ کا نام
علیؑ امام من ست و منم غلام علیؑ
ہزار جان گرامی فدائے نام علیؑ

ا۔ ۲۔ ۳۔ قلمی نسخہ جات، ذخیرہ جعفر منزل، مملوکہ کتب خانہ ڈاکٹر سید تقی عابدی۔ ٹورنٹو

مفردات

۱۔ اشک غم دیدۂ پُرنم سے سنبھالے نہ گئے
یہ وہ بچے ہیں جو ماں باپ سے پالے نہ گئے
(میر انیسؔ نادر معلومات۔علی دانش لکھنوی)

۲۔ کہیے میاں انیسؔ طبیعت بخیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے
(مرض الموت کے بستر پر کسی کے پوچھنے پر انیسؔ نے فی البدیہہ مصرعہ ثانی کہا۔ میر انیسؔ نادر معلومات۔علی دانش لکھنوی)

۳۔ خموش اے بلبل شوریدہ اس میں کیا ہے بس میرا
یہ اپنی اپنی قسمت ہے چمن تیرا قفس میرا
(تذکرہ۔خوش معرکہ)

۴۔ بنے یوں تین در دریا کے اندر
کہ ششدر ہوگئی سدّ سکندر
(تذکرہ۔خوش معرکہ)

۵۔ رہا تن میں نہ خون باقی گیا موسم جوانی کا
شباب آخر ہوا روشن چراغ زندگانی کا
(باقیات انیسؔ۔ڈاکٹر اکبر حیدری)

۶۔ جو میں رگڑا سر ترے پاؤں پہ مرا دفعتاً گیا دردِ سر
یہ خواص صندل سرخ ہے مری جاں رنگ حنا نہیں
(باقیات انیسؔ۔ڈاکٹر اکبر حیدری)

۷۔ یہی باعث ہے اس بے رحم کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں سے کسی کے دل کے جلنے کا
(یہ شعر میر انیسؔ نے اپنے والد میر خلیق کی موجودگی میں شیخ ناسخ کے سامنے پڑھا تو وہ جھوم گئے اور ناسخ ہی کے کہنے پر میر صاحب نے حزیں تخلص چھوڑ کر انیس تخلص اختیار

کیا۔ اس شعر کا مصرعہ اول یوں بھی نظر آتا ہے)

ع: سبب ہم پر کھلا اس شوخ کے آنسو نکلنے کا

۸۔ لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیا
اُن کا ہے کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

۹۔ چمن کے افشاں نظر اُس مدنے جو کی تاروں پر
آسماں رشک سے لوٹا کیا انگاروں پر

۱۰۔ دل لے لیا ہے یار نے مٹھی میں بند ہے
کھلتا نہیں پسند ہے یا ناپسند ہے

(شعر ۸، ۹ اور ۱۰ کو مولانا آغا مہدی لکھنوی صاحب نے میر انیس کی قدیم بیاض سے نقل کیے ہیں)

۱۱۔ خال سیہ ہے ابروئے خم دار کے تلے
ننھی سی ڈھال رکھی ہے تلوار کے تلے

□□□

maablib.org

دوہا

maablib.org

دوہے

سنو ہو مبپ پربھو پبھپ تمہارے ہم — راکھو ہمیں تو سو بچار اورے بڑھگیو
تجھو جو ہمیں تو بلک زمانے نیک — جہاں جہاں جھگیں تہاں دونوں جس جھگیں
سرن چڑھیں گے زسرن چڑھیں گے بر — مبپ انیسؔ باٹ باٹ میں بسیکیں
دیس میں رہیں گے پردیس میں رہیں گے — کاہو بھیس میں رہیں گے تو رادورے کہیں

میر انیسؔ سے منسوب ہیں۔ ادبی میراث۔ علی دانش لکھنوی

میر انیسؔ کے مناجاتی اشعار اور شاہکار مناجات

بحر الفصاحت مصنفہ نجم الغنی رام پوری میں مناجات کے لغوی معنی سرگوشی کرنے کے بتائے گئے ہیں۔ مناجات کے اصطلاحی معنی نظم یا نثر میں بارگاہِ الٰہی میں اپنے گناہوں کی مغفرت چاہنا، بخشش اور شفاعت کی التجا کرنا۔ اپنی مشکلات، مصیبتیں اور پریشانیوں کو حضورِ خداوندی میں پیش کر کے نجات کل التماس کرنا۔ عموماً مناجات میں بزرگانِ دین کا واسطہ دے کر اور ان کو وسیلہ بنا کر گریہ وزاری کے ساتھ مشکلات اور مصیبتوں سے نجات مانگی جاتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مناجات ایک ایسی صنف ہے جو حمد، نعت، منقبت سے بھی جڑی ہوئی ہے۔ ان تمام اصناف میں کچھ اشعار ایسے بھی ہوتے ہیں جو مناجات میں آسانی کے ساتھ جوڑ دیے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مناجات تقریباً تمام ہیئتوں میں نظر آتی ہے یعنی مثلث، مربع، مخمس، مسدس، غزل اور مثنوی وغیرہ۔ اردو مثنویوں میں حمد کے بعد مناجاتی مضامین تقریباً ہر عمدہ مثنوی میں نظر آتے ہیں۔ دکنی مثنویوں میں مناجاتی شعر فراوان ہیں جن کی تقلید بعد میں شمالی ہندوستان میں کی گئی۔ یہاں ہم نمونہ کے طور پر کچھ مناجاتی اشعار دکنی مثنوی ''خاور نامہ'' مصنفہ کمال خاں رستمی اور میر حسن دہلوی کی مثنوی سے پیش کرتے ہیں۔

الٰہی جتی بات مجھ بول دے
در معرفت مج اوپر کھول دے
مرے دل کوں دے آشنائی تری
جو ہوئے دل کوں بھی روشنائی تری
مجھے عقل دے تا پچھانوں تجے
صفت اپ زباں سوں بکھانوں تجے
اول تے مجھ اوپر کرم توں کیا
بڑائی سوں مجھ محترم توں کیا
اپس لطف سوں توں منجے دستگیر
جو روشن ہووے اس کرم سوں سریر
جو توں جانتا ہے کہ بے توشہ ہوں
اپس لطف تھے دے منجے توشہ توں
مج اوپر سو رحمت کا دروازہ کھول
نہ دکھلا منجے قہر دے خوب بول

الٰہی بحق رسولِ امیں
بحق علیؑ و باصحاب دیں
بحقِ بتول و بہ آلِ رسول
کروں عرض جو میں سو ہووے قبول
الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں
گناہوں میں اپنے گراں بار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار
کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
جو غم ہو تو ہوں آل احمد کا غم
سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم
رہے سب طرف سے مرے دل کو چین
بحق حسن اور بحق حسین
برآویں مرے دین و دنیا کے کام
بحق محمد علیہ السلام

دعا اور مناجات میں فرق یہ بھی ہے کہ مناجاتی مضامین منظوم ہوتے ہیں جن میں نغمگی تاثیر اور درد و گداز ہوتا ہے۔ دعا نثر اور نظم دونوں میں کی جاتی ہے اور اس میں قرآنی ماخذ کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ مناجات میں عموماً جو وسیلے سے دعا کی جاتی ہے ان میں حضور اکرمؐ اور اہلبیت نبوی کا عموماً تذکرہ ہوتا ہے۔

پنجتن کا واسطہ دے کر انیسؔ
جو خدا سے تم نے مانگا مل گیا

ہم اس مقام پر مناجات کی کتاب "ریاض خرمی" مطبوعہ ۱۹۰۸ء لاہور سے کچھ اشعار پیش کرتے ہیں۔ اس کتاب میں عربی فارسی اور پنجابی مناجاتوں کا انتخاب ہے کئی مناجاتیں بغیر تخلص اور بغیر شعرا کے ناموں کی ہیں۔ ذیل کی مناجات "یا الٰہی" سے شروع ہو کر "کر لے قبول" پر ختم ہوتی ہے۔

الٰہی یا رحیم و یا کریم و یا حلیم　　یا حکیم و یا عظیم و یا قدیم و یا علیم
یا الٰہی از برائے حضرت خیر الوریٰ　　ستر کر عیبوں کو میرے جو کیا میں نے برا
یا الٰہی از برائے حضرت خیر النسا　　حاجتوں کو میری بر لا ہر دم و صبح و مسا
یا الٰہی از پے مشکل کشا نفس رسول　　مشکلیں حل ہوں مری سب دل کا مطلب ہو حصول
یا الٰہی از برائے مجتبیٰ یعنی حسن　　دور رکھ مجھ سے ہر ایک ہم و غم و رنج و محن
یا الٰہی از برائے خامس آل عبا　　مسکن و مدفن ہو میرا خاص ارض کربلا
یا الٰہی یا الٰہی از پے آل رسول　　جتنی مانگی ہیں دعائیں میں نے سب کر لے قبول

میر انیسؔ کے کئی مرثیوں میں مناجاتیں نظر آتی ہیں۔ کہیں اپنے فن کی ترقی اور ذاتی مصائب و مشکلات اور کہیں بیماریوں سے نجات پانے کے لیے۔ کہیں شوق زیارات تو کہیں بخشش اور شفاعت کے لیے۔ کچھ مناجاتی چیدہ چیدہ اشعار یہ ہیں۔

یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر　　اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر　　گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

مبتدی ہوں مجھے توقیر عطا کر یارب　　شوق مداحیِ شبیرؑ عطا کر یارب

سلکِ گوہر ہو وہ تقریر عطا کر یارب　　نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب

جد و آبا کے سوا اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق نہ ہو گنجلک نہ ہو تعقید نہ ہو

ایک مناجات میں کہتے ہیں:

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری　　بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری　　پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا کی ہو عالی
سب ہوں درِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی کا
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ کا
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

زیارت کربلا و نجف پر سلاموں، مرثیوں اور رباعیوں میں کئی مناجاتی اشعار ملتے ہیں۔ تبرک کے طور پر چند شعر ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

زمینِ ہند میں مٹی مری خراب نہ ہو
کرو نجف میں طلب یا ابا تراب مجھے

سینے پہ بعد مرگ رہیں زائروں کے پاؤں
یارب لحد انیسؔ کی ہو کفش کن کے پاس

تربت سرور پہ جاکر خاک ہوجاؤں انیسؔ
ہے زباں پر یہ دعا ہردم خدا کے سامنے

یارب ہو بیچ میں لحد ذاکر حسینؑ
ہو اس طرف نجف تو ادھر کربلا رہے

میرانیسؔ نے ایک مرثیہ میں امام حسینؑ کی مناجات رقم کی ہے۔ یہاں مناجات کے دو بند پیش کرتے ہیں۔ اس مناجات میں سوائے شوق شہادت، عبادت، اطاعت الٰہی اور دعائے بخشش کے سوااور کوئی دعا نہیں۔

حضرت نے دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات کر رحم گنہگاروں پہ اے قاضی الحاجات
سر دینے کا مشتاق ہوں، عالم ہے تری ذات خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

پہنچادے مجھے جلدی سے اے خالق افلاک اس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قرب کا سبط شہہ لولاک نے ملک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

امام حسینؑ آخری وقت خدا کے حضور نہایت عجز سے فرماتے ہیں:

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بار خدا بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوف محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا ہوگی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا
کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

لٹنے میں صبر شکر تباہی پہ چاہیے | رونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیے
یا علی حق میں انیس زار کو کیجے دعا | مرے مولا اب کسی صورت بسر ہوتی نہیں

چاہتا ہوں یہی اپنی شہادت کا صلہ | مغفرت امت عاصی کی ہو اے بار خدا
کریم جو تجھے دینا ہے بے طلب دے دے | فقیر ہوں پہ نہیں حاجتِ سوال مجھے

امام حسینؑ کی مناجات میں شکرگزاری اور نفس مطمعنہ کی جھلک دیکھئے۔ ایک مرثیہ سے چند شعر چُن کر پیش کرتے ہیں جن میں اسلاف اخلاف اور اصحاب کا خاص تذکرہ ہے۔

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے

نانا تو دیا اشرف ذریت آدم | بابا شہ مرداں سا دیا فخر دوعالم
ماں سیدۂ کون و مکاں ثانی مریم | بھائی وہ کہ تو جس کی بزرگی سے ہے محرم

یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبریل و سرافیل کھڑے رہتے ہیں در پر

مسند مجھے دی تخت امامت مجھے بخشا | ان سب کے سوا تاج شفاعت مجھے بخشا
انصار دیئے وہ جو پیمبرؐ نے نہ پائے | اصحاب وہ بخشے کہ جو حیدر نہ پائے

سجدہ تہ شمشیر یہ ناشاد نہ بھولے
سب محو ہوں دل سے پہ تیری یاد نہ بھولے

جہاں تک مناجاتوں کا تعلق ہے۔ تقریباً ہر مرثیہ نگار نے مناجاتی اشعار نظم کیے ہیں جو مرثیوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اگر ان کو مرثیوں سے نکال کر پیش کریں تو پورا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مرزا دبیرؔ نے جو عصر عاشور مناجات امام لکھی ہے اس کے چند شعر یہ ہیں:

حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہو ذکر ترا دل میں تری یاد رہے

میں نے جو کچھ تری درگاہ سے پایا مولاؑ
سب تری راہ میں خوش ہو کے لٹایا مولاؑ

دبیر کی دعا بھی مستجاب ہوئی۔ انھوں نے مرنے سے کئی سال پہلے یہ دعا کی تھی کہ ان کا انتقال ماہ محرم میں ہو، چنانچہ ان کی تاریخ وفات ۳۰ محرم ۱۲۹۳ھ رہی۔

جب مصحف ہستی مرا برہم کرنا سی پارۂ ایام محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں تیار چراغ ماتم کرنا

مناجات کے موضوعات اور انداز بیان کا انحصار شخصیتوں پر ہے۔ یہاں نہ صرف فکر بلکہ ذکر ہر کس باہمت اوست ہے۔ وہ برگزیدہ ہستیاں جن کا وظیفہ یعنی صرف اللہ کا ذکر دلوں کو سکون بخشتا ہے۔ ہوتا ہے ان کی مناجاتوں میں شکوہ سے زیادہ شکر ہوتا ہے۔ خود میر انیس فرماتے ہیں:

راحت خدا نے دی تو کیا تو نے شکر کب
ایذا بھی چار دن ہو تو شکوہ نہ چاہیے

میر انیسؔ کا کلام حسب مراتب کا مستند صحیفہ ہے۔ یہ تو ہر عامی اور کم پڑھا لکھا شخص بھی جانتا ہے کہ ان کے پاس ہر شخص اور ہر معیار پر رفتار گفتار اور مکالمہ میں فرق نظر آتا ہے۔ اگر حبیب ابن مظاہر ہو تو ان کی مناجات اور ان کے آقا حسینؑ کی مناجات میں بڑا فرق ہوگا کیوں کہ ان دونوں کی مناجات لکھنے والا جانتا ہے:

ع: چہ نسبت خاک با عالم پاک

منزلت حسینؑ بیان کرنے کے لیے انیسؔ خون کی شہادت کی منزل سے بھی بلند ہو کر شکر کی منزل میں قدم رکھتے ہیں۔ انیسؔ کے مردف سلام کا شعر ہمارے بیان کی سند ہے۔

شکر ہی شکر نکلتا تھا لہو کے بدلے
دہن زخم بدن دیدۂ خونبار نہ تھے

حبیب ابن مظاہر کے جذبات اور تاثرات دیکھئے:

بچپن سے مجھے عشق امام دوجہاں ہے ۔۔۔ اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیر جناں ہے

پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے ۔۔۔ جس خاک میں جاتا ہے ادھر سر بھی جھکا ہے

تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا ۔۔۔ ہر طرح سے لڑ کر اسی میداں میں گڑوں گا

یہاں میر انیس حسینؑ کی آخری وقت کی گفتگو جو وفادار گھوڑے سے کر رہے ہیں بیان کر رہے ہیں جو امام کو دشمنوں کے نرغے سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلہ صعب ہے دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

□□□

میر انیسؔ کی شاہکار مناجات

اب مدد کیجیے دم امداد ہے
یا امیر المومنین فریاد ہے

میر انیسؔ کی یہ معروف ومقبول مناجات ترجیع بند ہیت میں تیس بند پر مشتمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میر انیسؔ کی غدر کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس مناجات کا اصلی جوہر برگزیدہ ہستیوں کے توسل سے دعا مانگنا ہے۔ میر انیسؔ جانتے اور مانتے ہیں کہ نبیوں، رسولوں، اماموں اور ولیوں کی دعائیں پرتاثیر ہوتی ہیں۔ اسی لئے تو میر انیسؔ نے تلوار کی تیزی اور سرعت پر اسی تاثر سے تشبیہ دی تھی۔

جانے میں رسولوں کی دعا آنے میں تاثیر
بن جائے تو تدبیر بگڑ جائے تو تقدیر

سچ تو یہ ہے کہ مناجات میں وسیلہ یا واسطہ جو اللہ کے مقرب اور منتخب بندوں سے دیا جاتا ہے اس کی وجہ رحمت الٰہی کو جوش میں لاتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے حبیب خدا جس کے صدقے میں یہ ساری دنیا بنائی گئی وہ رب العزت سے کوئی چیز مانگے اور نہ ملے۔ اسلام کا ایک نام دینِ محمدی بھی ہے۔ یہ ذات ختمی مرتبت تھی جنھوں نے اپنی سیرت اور اپنے اعمال سے ہمیں صحیح راستے پر چلنا اور صحیح عمل کرنا سکھایا۔ چنانچہ اسی لیے نہ صرف ذات اقدس رسول کریم بلکہ

ان کے مطہر خانوادے کے واسطے سے مناجات کی جاتی ہیں۔ جس طرح قرآن پڑھنا اور دعا کرنا کعبے کے احاطے یا مسجد کی چار دیواری میں لطف اور تسکین دیتا ہے اسی طرح مناجات ان برگزیدہ شخصیتوں کے ناموں کے ساتھ اماکن مقدسہ میں سونے پہ سہاگہ کا کام کرتا ہے۔

میر انیسؔ کے فن کا کمال یہ ہے کہ مناجات دراصل حضرت علیؑ کی منقبت معلوم ہوتی ہے۔ اس میں حضرت کے ناموں، لقبوں، فضیلتوں، تلمیحوں، اشاروں، علامتیوں کا ذکر تیس (۳۰) سے زیادہ مقامات پر ملتا ہے۔ قرآنی آیات، احادیث پیغمبرؐ اور اسلامی مستند فقرے بھی مصرعوں میں درخشاں ہیں۔ انیسؔ نے صفت بیان کر کے اس سے مربوط مناجات کی ہے۔ اے علی، ایلیا ابوالحسن آپ کا نام اللہ کا نام آپ کا دست، اللہ کا دست، آپ شیر حق، جانشین پیغمبر محمدؐ کے جسم وجاں، شاہ مرداں، لافتیٰ، تاجدار ھل اتیٰ، قسیم کوثر وجنت، قاسم روزی امام انس جاں ہیں۔ اے امیر المومنین آپ شاہ نجف، خدیو ملک ودین، مقتدا، بحر سخا، عقدہ کشا مشکل کشا حاجت روا اور فریادرس ہیں۔ آپ شاہ حجاز، معین دو عالم اور مقصود امر کن فکاں ہیں۔ حضرت علیؑ کے فضائل کا ہر فقرہ یا لفظ ایک فضیلت کا سرنامۂ سخن ہے۔ انیسؔ نے الفاظ کو کوزوں میں فضائل کے موت بھر دیے ہیں۔ اب کوئی جوہری اس کو تشریح کے رشتے میں پیرو کر پیش کرے تو بات بنے۔

میر انیسؔ نے اس مناجات کے چار مسلسل بندوں میں تمام معصومینؑ کی قسمیں، واسطے، وسیلے اور صدقے دے کر حضرت علیؑ سے فریاد کی ہے کہ وہ درگاہ ایزدی میں انیسؔ کی سفارش کی مدد فرمائیں یہی نہیں بلکہ حضرت علیؑ کے چہیتوں یعنی سلمان اور قنبر کی بھی قسم دلائی ہے۔ ان تمام اشعار میں زمانے کی ترتیب سے ان پاکیزہ ناموں کو خوبصورت اور نیک سیرت تراکیب سے جوڑا ہے جیسے "زہرائے اطہر کی قسم" باقر علم مبیں، جعفر صاحب یقیں کا واسطہ، بہر اکرام تقی مقتدئی، بہر توقیر نقی شاہ ہدا اور مہدی ہادی کا صدقہ وغیرہ۔

میر انیسؔ کا یہ بھی کمال ہے کہ اس مناجات میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمام فضیلتوں کی جہتوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ سے منسوب کیا ہے۔ یہاں نام خدا ہو، دست خدا ہو، العطا ہو، الحفیظ و الغیاث ہو یا کن فکاں یا علیؑ کا ذکر ہو ان تمام الفاظ کا مبدا اور منتہا ذات خداوندی ہے جس سے نسبت دی گئی ہے اور وسیلہ سے اس میں تاثیر پیدا کی گئی ہے۔ خود قرآن مجید میں حضور اکرمؐ کے عمل کو اللہ کا عمل بتایا گیا ہے چنانچہ یہ سلسلہ ان عظیم برگزیدہ ہستیوں سے ہوتا ہوا اس مبدے تک پہنچتا ہے جو رب العالمین ہے۔

میر انیسؔ کی یہ مشہور مناجات نغمگی بھری چھوٹی بحر میں ہے۔ نغمگی سے سرشاری نے اسے سوز و گداز سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اسی لیے خوش گلو اور درد بھرے لحن میں اس کا اثر دلوں کے تاروں کو چھیڑ کر آنکھوں سے آنسوؤں کے تار بکھیر دیتا ہے۔ میر انیسؔ کے کلام کی سحر بیانی کا ایک راز ان کا انتخاب بحر ہے جو موضوع مضمون اور لہجے کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ یہ مناجات تیس قطعے بند کی شکل میں ہے۔ جس کا ہر آخری شعر تکراری ہے۔ چنانچہ یہ ترجیع بند کی فہرست میں شمار ہوتی ہے۔ اس طرح اس مناجات میں کل اکسٹھ اشعار ہیں یعنی ہر بند میں دو شعر اور تیسرا تکراری شعر۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناجات میر انیسؔ کی آخری عمر اور انقلاب غدر کے بعد کہی گئی ہوگی۔ میر انیسؔ کے اغلب کلام کی طرح اس مناجات کی بھی تاریخ تصنیف نہیں ملتی۔

منحرف چرخ ستم ایجاد ہے
یہ زمانہ بر سر بے داد ہے
آپ پر روشن مری روداد ہے

میر انیسؔ کی حیات کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کا وہ حصہ جو غدر کے بعد گزرا مشکلات، سماجی اور مالی مسائل سے دوچار تھا۔ صحت کی خرابی، خاندان کی سرخیلی،

''انیسیے'' اور ''دبیرے'' کی خانہ جنگی اور بے ترتیبی نے بھی میر صاحب کو پریشان اور افسردہ کر دیا تھا۔

اس مناجات میں میر انیسؔ نے جن امور اور مسائل میں مدد کی بھیک مانگی ہے اس کو مختصر طور پر ذیل کی سرخیوں میں پیش کر سکتے ہیں جن کو مناجاتی مصرعوں کی تائید حاصل ہے۔

۱۔ میر صاحب نے دل وجگر کو شعر کا محور بنا کر غم اور افسردگی دور کرنے کی التجا کی ہے۔

۱۔ مبتلائے غم دلِ ناشاد ہے

۲۔ کل نہیں اک آن دل کو آج کل

بجھ گیا ہے خود بخود دل کا کنول

۳۔ ان دنوں دل کو ہے رنج و اضطراب

۴۔ تیغِ غم سے ہے کلیجہ چاک چاک

مناجات دراصل دردِ دل بیان کرنے کا ایک انداز ہے۔ چونکہ دل سے نکلی ہوئی بات نہ صرف بناوٹ سے خالی ہوتی ہے بلکہ آلائش اور نمائشِ الفاظ سے بھی مزین نہیں ہوتی مگر جب عظیم فن کار کا ذہن موتی اگلنے اور اس کا قلم سلکِ شعر میں موتی پرونے کی فطرت کا حامل ہو تو ایسے نازک موقعوں پر بھی استادی اور قادر الکلامی کا فرق روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ جب مشکلات رنج وغم اور اضطراب کا غلبہ ہوتا ہے تو دل پر مدتوں افسردگی چھا جاتی ہے اور یہ حالت پیری میں بڑھ جاتی ہے جس کو ڈپریشن کہتے ہیں۔ تخلیق کار کے لیے یہ حالت فن کے موت کے مانند ہوتی ہے۔ یہاں ایک طرف افسردگی کا ایک یہ خسارہ کہ تخلیق کا جذبہ کم ہو چکا ہے۔ رنج وغم باعث ہوتا ہے تو دوسری طرف طبیعت میں بے قراری بھر جاتی ہے۔ اس حالت کو کیا کوئی شاعر الفاظ کے زیر و بم اور مناسب نشست سے محاورہ اور جدید ترکیب میں

صنعت اشتقاق سے میر انیس کی طرح سے پیش کرسکتا ہے؟

کل نہیں اک آن دل کو آج کل
بجھ گیا ہے خود بخود دل کا کنول

سچ تو یہ ہے کہ اس شعر میں "خود بخود" کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ انیسؔ نے بجا کہا ہے۔ ع: جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

(ب) ہر دور کی شاعری میں اس دور کے حالات کا اثر عیاں اور نہاں ہوتا ہے۔ اردو ادب کی شاعری کی تاریخ اس لیے بھی نامکمل ہے اور اس میں بڑے بڑے بلیک ہول (Black Hole) موجود ہیں کیوں کہ مورخوں نے شاعری میں پیوستہ تاریخی واقعات اور حقائق کو چنداں اہمیت نہ دی ورنہ مستند حوالے تاریخ کا جزو ہو جاتے۔ غدر کے بعد مملکت لکھنؤ کو گہن لگ چکا تھا۔ شہر میں امن و امان لٹ چکا تھا لوگوں کی جانیں عذاب میں تھیں۔ راحت اور آسایش ختم ہو چکی تھی۔ کوئی حسرت پوری ہوتی معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ میر انیسؔ بھی اس درد میں سب کے شریک تھے۔ تبھی تو اس مناجات میں لکھتے ہیں:

ع: روز و شب رہتا ہے راحت میں خلل
ع: جانِ شیریں مفت ہوتی ہے تلف
ع: ہے ہجوم حسرت و رنج و محن
ع: قلزم آفت میں ہے میرا جہاز
ع: لاکھ صدموں میں ہے جان دردناک

ان مصرعوں سے پتہ چلتا ہے کہ لکھنؤ اور اس کے اطراف لوگوں کی سماجی، ذہنی اور مالی حالت کیا تھی۔ جب انقلاب زمانہ سے شرفا کی تعداد کم ہو جاتی ہے تو تہذیب اور معاشرتی قدریں ناپید ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ سچے دوستوں کی قلت، ریاکار حاسد دشمنوں کی کثرت

ہو جاتی ہے۔ انیسؔ بڑے نازک مزاج کے حامل تھے وہ نہ کسی کو تکلیف دیتے تھے اور نہ کسی سے تکلیف سہتے تھے۔ وہ بہت زود رنج تھے اور بڑے مہذب پاک نفس شاعر تھے۔ میر انیسؔ اور لکھنؤ کے عظیم عربی فارسی کے عالم مفتی میر محمد عباس میں کسی خانوادگی کی وجہ سے شکر رنجی ہو گئی تھی چنانچہ ایک فارسی شعر مفتی صاحب کو لکھ بھیجا کہ تو اس وحشی مرغ کو اذیت نہ دے کیوں کہ یہ جس چھت سے ایک بار اڑ جاتا ہے دوبارہ نہیں بیٹھتا۔

مرنجاں مرا کہ این مرغ وحشی
ز بامِ کہ برخاست دوبارہ نشید

''انیسے'' اور دبیرے'' انیسؔ اور دبیر کی فنکارانہ چشمک کو چقماق بنا کر ادبی آتش زدگی میں مصروف تھے۔ دشمن تو دشمن تھے دوست بھی نادان اور نام نہاد تھے۔ انیسؔ نے اس مناجات میں چند مصرے ان کے لیے بھی کچھ اس لہجہ میں کہے کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ انیسؔ جو کہتے تھے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ان کے سلام کا مشہور لافانی شاہکار شعر ان کی سیرت کا نگینہ ہے۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

ذیل کے مناجاتی مصرے کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں رکھتے۔

ع: میں تن و تنہا ہوں بس کوئی نہیں
ع: دیکھتا ہوں پیش و پس کوئی نہیں
ع: اک طرف میں اور زمانہ اک طرف

میر انیس کنبہ پرور تھے۔ وہ اپنے بڑے خاندان کے سرخیل اور سخی تھے۔ فارسی مقولہ ہے ''ہر کہ بامش بیش برفش بیشتر'' جس کی چھت جتنی وسیع ہو گی اس پر برف کا وزن اتنا ہی

زیادہ ہوگا۔ غدر کے آشوب میں گھر بار اور امام باڑہ جو اپنے ذاتی پیسوں سے تعمیر کیا تھا۔ تباہ ہوگیا۔ سامان زیور چوری ہوگیا۔ قصہ مختصر انیسؔ کی آمدنی اور کمائی محدود ہوگئی لیکن انیسؔ نہ صرف توکل کا درس دیتے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے۔

ع: قاسم روزی امام انس وجاں

ع: سب طرح کی آپ کو قدرت ہے آج
جس کو چاہیں اس کو بخشیں تخت وتاج

ع: آپ اگر چاہیں تو سب عقدے ہوں حل

ع: حل مری مشکل بھی ہوجائے شتاب

مناجات کا ایک جزو عجز وانکساری ہے۔ میر انیسؔ کی پوری مناجات میں ایک مصرعہ بھی تعلّی یا تفخر کا نہیں۔ اگر فخر ہے تو ان برگزیدہ ہستیوں کی غلامی کا اور ان عظیم شخصیتوں کی مداحی کا۔ میر انیسؔ انسانی نفسیات کے عالم ہیں وہ جانتے ہیں کہ گدائی لہجہ عجز وانکساری کا حامل ہوتا ہے۔ خصوصاً جب بندہ درگاہ ایزدی میں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے۔ میر انیسؔ نے مقطع میں اپنی عظمت مداحی اور ثناخوانی حضرت علیؑ کے علاوہ نوکری سلمان وقنبر پر رکھی ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ "مدّاح احقر" اور "سب ثناخوانوں میں کم تر" انیسؔ کا عمومی نہیں بلکہ مناجاتی خصوصی لہجہ ہے۔

آپ کا مدّاح احقر ہے انیسؔ
سب ثناخوانوں میں کم تر ہے انیسؔ
عاجز و حیران و مضطر ہے انیسؔ
بندۂ سلمان و قنبر ہے انیسؔ

اس مناجات کا ایک بند جس کی ردیف یا علیؑ ہے اور ترجیعی شعر جو تمام تیس (۳۰) بندوں میں استعمال ہوا ہے۔ مناجات کی جان ہے۔ یہ بند زبان زد عام وخاص ہے۔ اسے

لوگوں نے اپنی اپنی مناجات کا جزو بنایا ہے۔ یہ بند ہزاروں لوگوں کا وظیفہ بنا ہے۔ کئی تضمینات میں اس بند کے آخری شعر کو نظم کیا گیا ہے۔ یہ مناجات دراصل فریاد ہے اور اس کا حسن یہ ہے کہ تکراری شعر میں نقطہ اساسی "دمِ امداد" یعنی اُسی وقت کی مدد کا تذکرہ ہے۔ اس مصرعہ میں مدد اور امداد کی آمیزش بھی مدد کی ضرورت اہمیت اور عجلت کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر میر انیسؔ صرف یہی ایک شعر مناجات میں کہتے تو بھی رحمت کو جوش میں لانے اور دعا کو مستجاب ہونے کے لیے کافی تھا۔ پورا بند یہ ہے:

آپ کے در کا گدا ہوں یا علیؑ
نامِ اقدس پر فدا ہوں یا علیؑ
لائقِ لطفِ عطا ہوں یا علیؑ
قیدیِ دامِ بلا ہوں یا علیؑ

اب مدد کیجے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

اس بند کے کئی مصرعے روزمرہ میں ہیں۔ لائقِ لطفِ عطا اور قیدیِ دامِ بلا نئی اور نادر ترکیبیں ہیں۔ یا علیؑ کی ردیف نے پورے بند کو مدد اور استغاثہ سے جوڑ دیا ہے۔

انیسؔ کے کلام کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فن کی معجز بیانی میں غیبی اور الہامی مدد کے قائل تھے۔

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ
این سعادت بزورِ بازو نیست

کئی مرثیوں، سلاموں، رباعیوں میں ایسے مصرعے، اشعار اور قطعے ملتے ہیں جن میں اس موضوع اور مضمون پر کھل کر فنکاری دکھائی ہے۔ اس مناجات میں بھی قادرالکلامی، اعجاز

بیانی، تخیل پروری، شگفتگی اور خلوص وشوق کی بالیدگی میں مدد پر ایک بند ملتا ہے۔

طبع میں مولاؑ روانی دیجیے
تشنہ کوثر ہوں پانی دیجیے
طاقت رنگیں بیانی دیجیے
دل کو شوق مدح خوانی دیجیے

انیسؔ کے دشمن بھی قائل ہیں کہ مناجات مقبول ہوئی اور دینے والے نے مانگنے والے کو اس سے بھی سوا دیا۔ خواہش زیارت مدینہ، کربلا اور نجف انیسؔ کے کلام میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ کربلا میں دفن ہونے کی تمنا بھی دو بندوں میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں ہم صرف چار مصرعے پیش کرتے ہیں۔

ہے زیارت کے لیے دل بے قرار
ہاں بلا لے اے امیر تاج دار
گھیرے رہتی ہے مجھے اکثر بلا
ہو نجف مسکن تو مدفن کربلا

□□□

maablib.org

مناجات

جلائے غم دلِ ناشاد ہے　مُنحرف چرخِ ستم ایجاد ہے
یہ زمانہ برسرِ بیداد ہے　آپ پر روشن مری رُوداد ہے
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے
یا علیؑ یا ایلیا یا بوالحسن　اے رسولؐ کبریا کے جان و تن
اے مددگارِ حبیبؐ ذوالمنن　ہے ہجومِ حسرت و رنج و محن
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے
ہے مدد کا وقت یا شاہِ نجفؑ　اک طرف میں اور زمانہ اک طرف
دیجیے مولا صدائے لاتخفؑ　جانِ شیریں مفت ہوتی ہے تلف
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں!... فریاد ہے

ڈکھ تو یہ اور ہم نفس کوئی نہیں — دیکھتا ہوں پیش و پس کوئی نہیں
میں تنِ تنہا ہوں بس کوئی نہیں — آپ ہیں فریاد رس، کوئی نہیں
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

روز و شب رہتا ہے راحت میں خلل — کل نہیں اک آن دل کو آج کل
بجھ گیا ہے خود بخود دل کا کنول — آپ گر چاہیں تو سب عقدے ہوں حل
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

سب طرح کی آپ کو قدرت ہے آج — جس کو چاہیں اس کو بخشیں تخت و تاج
خود بخود افسردہ رہتا ہے مزاج — اے مسیحا کیا کروں اس کا علاج
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

آپ ہیں نامِ خدا دستِ خدا — آفتابِ مشرقِ لطف و عطا
جانشینِ حضرتِ خیر الوریٰ — مُقتدا، والاہمم، بحرِ سخا
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

سب پہ روشن ہے یہ اے والا جناب! — مہر سے ذرّے کو کردو آفتاب
ان دنوں ہے دل کو رنج و اضطراب — حل مری مشکل بھی ہوجائے شتاب
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

ہے محبت دل کو جو حد سے زیاد بھولتی اک دم نہیں حضرت کی یاد
آپ پر ظاہر ہے میرا اعتقاد کس سے مانگوں پھر بھلا دل کی مراد
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

اے خدیوِ ملکِ دیں، شاہِ حجازؔ اے دو عالم کے معین و کارساز
اے دُرِ دریائے رازِ بے نیاز قلزمِ آفت میں ہے میرا جہاز
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

آپ کے در کا گدا ہوں یا علیؑ نامِ اقدس پر فدا ہوں، یا علیؑ
لائقِ لطفِ عطا ہوں یا علیؑ قیدیِ دامِ بلا ہوں، یا علیؑ
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

کہ سینہ اور سو[۱۰۰] حسرت کے داغ گھر نہ بھاتا ہے، نہ صحرا اور نہ باغ
بجھ گیا ہے دل، نہیں غم سے فراغ گر مراد آئے تو روشن ہو چراغ
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

ہے زباں پر قِصّۂ سلمان و شیر سرکشوں کو کردیا حضرت نے زیر
خود کیے فاقے، کیا بھوکوں کو سیر میرے مطلب میں، شہا! کیوں اتنی دیر
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

کھول دو عقدوں کو، یا مشکل کشا! تھام لیجے ہاتھ یا دستِ خدا
آپ ہیں کونین کے حاجت روا میں پکاروں کس کو حضرت کے سوا؟
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

دُرِّ بحرِ صولت و شوکت ہیں آپ اور قسیمِ کوثر و جنت ہیں آپ
عاصیوں کے واسطے رحمت ہیں آپ ناخدائے کشتیِ امت ہیں آپ
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

بطنِ ماہی میں ہوئے یونسؑ جو بند خارِ غم سے تھا دل دردمند
آپ نے ان پر نہ آنے دی گزند فکر میں ہے میری جانِ مستمند
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

مصر کے زنداں میں تھے یوسفؑ اسیر اور نہ تھا غربت میں کوئی دست گیر
دی رہائی ان کو اے کُل کے امیر قیدِ غم میں حال ہے میرا تغیر
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

شاہِ مَن، مقصودِ امرِ کن فکاں شیرِ حق، مطلوبِ روح وجسم و جاں
عالمِ اسرارِ پیدا و نہاں قاسمِ روزی، امامِ انس و جاں
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

زیبِ فرش و عرش و کرسی و فلک   خادمِ درگاہِ عالی ہیں ملک
مالکِ کل ہو، نہیں کچھ اس میں شک   میرے مطلب میں تامّل کب تلک
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

یا علیؑ روحی و قلبی فداک   تاجِ سر ہے آپ کے قدموں کی خاک
تیغِ غم سے ہے کلیجہ چاک چاک   لاکھ صدموں میں ہے جانِ دردناک
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

الحفیظ، اے شہسوارِ لافتیٰ   الحفیظ، اے تاجدارِ ھل اتیٰ
الاماں، اے خسروِ خیبر کشا   الغیاث، اے ضیغمِ ربِّ علا
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

اے محمدؐ کے دل و جاں، الغیاث!   اے چراغِ طورِ ایماں، الغیاث!
الغیاث اے شاہِ مرداں، الغیاث!   اے شہنشاہِ غریباں، الغیاث!
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

آپ کو، زہراؑئے اطہر کی قسم   آپ کو روحِ پیمبرؐ کی قسم
آپ کو سلمانؓ و قنبر کی قسم   آپ کو شبیرؑ و شبرؑ کی قسم
اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

قربِ زینؑ العابدیں کا واسطہ باقرِؑ علمِ مبیں کا واسطہ
جعفرِؑ صاحب یقیں کا واسطہ کاظمِؑ گردوں نشیں کا واسطہ

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

بہرِ سوزِ سینۂ موسیؑ رضا بہرِ اکرامِ تقیؑ مقتدیٰ
بہرِ توقیرِ نقی شاہِ ہدا بہرِ قربِ عسکری باخدا

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

مہدیِ ہادی کا صدقہ یا امام مطلبِ دل میرے بر لاؤ تمام
مجھ سے ہو سکتا نہیں کچھ انتظام آپ پر موقوف ہیں سب میرے کام

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

ہے زیارت کے لیے دل بے قرار روضۂ اقدس پہ ہوں کیوں کر نثار
ہاں بلا لے اے امیرِ تاجدار آپ ذی قدرت ہیں، میں بے اختیار

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

گھیرے رہتی ہے مجھے اکثر بلا ہند میں موجود ہے گھر گھر بلا
میں بلا گرداں، کرو رَدّ ہر بلا ہو نجفؑ مسکن، تو مدفن کربلا

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

طبع میں مولا! روانی دیجیے   تحفۂ کوثر ہوں، پانی دیجیے
طاقتِ رنگیں بیانی، دیجیے   دل کو شوقِ مدح خوانی دیجیے

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

آپ کا مداحِ احقر ہے انیسؔ   سب ثنا خوانوں میں کم تر ہے انیسؔ
عاجز و حیران و مضطر ہے انیسؔ   بندۂ سلمان و قنبر ہے انیسؔ

اب مدد کیجیے دمِ امداد ہے
یا امیر المومنیں! فریاد ہے

□□□

maablib.org

منقبت حضرت علیؑ

میر انیسؔ کی ایک خاص منقبت حضرت علیؑ کی شان میں مخمس کی شکل میں ہے۔ یہ منقبت نو(۹) بند یعنی پینتالیس (۴۵) مصرعوں پر مشتمل ہے جن میں صرف مقطعے کے بند کے تین مصرے اردو میں ہیں باقی تمام منقبت فارسی میں ہے۔ مقطعے کے بند سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منقبت انیسؔ کی آخری عمر کی تصنیف ہوگی جو بیماری کی حالت میں لکھی گئی ہے۔

نہ گھبرا، اس مرض سے بعد ہے آزار کے راحت انیسؔ ان چند بندوں کا صلہ ہے گلشنِ جنت
علیؑ فرحت علیؑ نصرت علیؑ شوکت علیؑ حشمت نئی طاقت بھی دیں گے ان کو ہے ہر طرح کی قدرت
علیؑ حکمت علیؑ صحت علیؑ دار و علیؑ درماں

مقطعے میں راحت طاقت اور قدرت کی نسبت علیؑ سے منسوب فرحت، نصرت، شوکت اور حشمت لایا گیا ہے اسی طرح مرض کے دور کرنے کی نسبت سے حکمت، صحت دار و درمان یعنی دوا اور علاج کا لفظ رکھا گیا ہے۔ انیسؔ الفاظ کے انتخاب ان کا تناسب، در و بست اور نشست کے رموز سے واقف تھے۔ اردو شعر و ادب کا شاید ہی کوئی دوسرا فن کار اس جہت سے میر انیسؔ کے ہم پلہ ہو۔

حافظؔ کے دیوان میں حضرت علیؑ کی شان میں ایک تینتالیس (۴۳) اشعار کا قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے:

مقدر یکہ ز آثار صنع کرد اظہار
سپہرو مہر و مہ سال و ماہ و لیل و نہار

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی صناعی قدرت سے تخلیقی آثار بنائے ہیں۔ آسمان سورج چاند سال مہینے شب اور روز۔ حافظؔ کی اس منقبت میں فضائل علیؑ کے ذکر کے ساتھ مناجاتی لہجہ بھی نظر آتا ہے جس میں فرشتوں، نبیوں، اماموں، مصحفوں کا واسطہ بھی ملتا ہے جیسے:

بحقِ قوت جبریلؑ و صور اسرافیلؑ
بحقِ یوسفؑ و یعقوبؑ و یحییؑ لقمانؑ
بحقِ دین محمدؐ بخون پاک حسینؑ
بحقِ جملۂ قرآں بہ مصحف ابراہیمؑ

قصیدے کے آخر میں جو تین شعر ہیں اس کا ترجمہ کر کے ہم یہاں اشعار پیش کریں گے جس سے حافظؔ کا لہجہ ظاہر ہے۔ اے حافظؔ تو دشمنوں کے ساتھ نہ بیٹھ بلکہ تولا کر اور آٹھ اور چار (یعنی بارہ اماموں) کے طفیل سے اپنی نجات طلب کر۔ وہ حرام زادہ، بدکردار منحوس اور بے اصل ہے جو بادشاہ جہاں (حضرت علیؑ) کی تعریف کرنا قبول نہیں کرتا۔ (حافظؔ) منافق کی پیروی چھوڑ اس کا تو نام لینے سے ہزار بار استغفار پڑھ۔

بدشمناں منشیں حافظاؔ تولا کن نجاتِ خویش طلب کن بجان ہشت وچہار
حرام زادہ و بد فعل وشوم و بے بنیاد بمدح شاہ جہاں کے کجا کند اقرار
متابعت بمنافق چو میکنی بگذر زیادہ گفتن نامش ہزار استغفار

اس مناجاتی قصیدے کا ہم اس لیے ذکر کر رہے ہیں کہ اس میں آٹھ دس اشعار میں حضرت علیؑ کے فضائل جو بیان کیے گئے میر انیسؔ نے دوسری بحر میں پورے مخمس میں یہی طرز بیان رکھا ہے۔ یہاں ہم حافظؔ کے صرف دو شعر مثال کے طور پر پیش کر کے میر انیس کی

منقبت کا رخ کرتے ہیں۔

علیؑ علیم و علیؑ عالم و علیؑ اعلم　　علیؑ حکیم و علیؑ حاکم و علیؑ گفتار
علیؑ سلیم و علیؑ سالم و علیؑ مسلم　　علیؑ قسیم قصور و علیؑ ست قاسم نار

میر انیسؔ کی منقبت اگرچہ فارسی میں ہے لیکن حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ جو لفظ یا الفاظ جوڑے گئے ہیں اس کو سمجھنا عام اردو کے قاری کے لیے دشوار نہیں، اس منقبت میں حضرت علیؑ کا نام ایک سو پچاس (۱۵۰) بار تکرار ہوا ہے اور اسی طرح ایک سو پچاس (۱۵۰) بار حضرت علی کے فضائل، شمائل، خصائل اور ان سے مربوط کمالات کا ذکر ہوا ہے جن میں سے ہر ایک بذات خود اپنی اپنی جگہ ایک مستقل عنوان بن سکتا ہے۔ مثلاً:

علیؑ مولا: (حدیث من کنت مولا فہذا علیؑ مولا کی طرف اشارہ ہے)

علیؑ قراں: (حدیث انا نقطہ تحتِ البا کی طرف علامت ہے)

علیؑ نور: (حدیث اول ماخلق اللہ نوری کا اشارہ ہے)

علیؑ فتح، علیؑ نصرت، علیؑ صفدر، علیؑ شیر صف میداں وغیرہ اشارے، بدر، احد، خندق اور خیبر وغیرہ کے غزوات میں علیؑ ولاور اور ان کی فتح سے منسوب ہیں۔

اس منقبت میں انیس کو بہت سے حضرت علیؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کو دو لفظ میں بیان کرنا تھا اس لیے یہاں علم بیان کی تشبیہات، استعارات، مجاز مرسل، کنایات کے علاوہ تلمیحات اصطلاحات، علامات، اشارات اور رمز و ایما کے نازک اور بلیغ خیالات کا ایجاز اور اختصار بڑی خوش سلیقگی اور شگفتگی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ علیؑ ایماں، علیؑ نعمت، علیؑ مسجد، علیؑ منبر، علیؑ مامن، علیؑ مومن، علیؑ قاطع، علیؑ برہان، علیؑ ہادی، علیؑ مرشد، علیؑ اعلا، علیؑ آقا وغیرہ وغیرہ کسی نہ کسی طرح سے علامت نگاری اور معنی آفرینی کی اسناد ہیں۔ بعض مصرعوں میں الفاظ کا انتخاب اور ان کی نشست کا اہتمام رعایت لفظی اور صنعت مراعات النظیر کے زمرے میں

ہوتا ہے۔

ذیل کے مصرعے میں درع، جوشن یعنی زرہ بکتر جو خود اور تلوار کے ساتھ باندھی گئی ہے۔ ع: علیؑ درع، علیؑ خود و علیؑ تیغ و علیؑ جوشن

فیض، خیرات، سخاوت اور بخشش کو ایک مصرعہ میں دیکھئے۔

ع: علیؑ فیض و علیؑ جود و علیؑ بذل و علیؑ باذل

نوح، کشتی دریا اور ساحل کی باہم ہم کناری دیکھئے:

ع: علیؑ نوح و علیؑ کشتی علیؑ دریا علیؑ ساحل

ذیل کے شعر میں رعایت لفظی کے ساتھ رعایت معنوی اور تناسب لفظی و معنوی کا امتزاج انیسؔ کی ایجاز بیانی میں معجز بیانی کی حسن آفرینی دکھاتا ہے۔

علیؑ آقا، علیؑ مولاؑ، علیؑ سید، علیؑ سرور
علیؑ کعبہ، علیؑ قبلہ، علیؑ مسجد، علیؑ منبر

بعض مصرعوں میں ہم رنگ، ہم وزن اور ہم آہنگ الفاظ اس طرح سنگ سنگ جڑ دیئے گئے ہیں کہ یہ آہنگ خاص ترنگ اور ڈھنگ رکھتا ہے جیسے ان مصرعوں میں:

علیؑ شافع، علیؑ نافع، علیؑ رافع، علیؑ واقع
علیؑ واصل، علیؑ فاضل، علیؑ شامل، علیؑ قابل

یہاں مرصع سازی کے علاوہ صنعتِ اشتقاق اور صنعت تجنیس کا بھی زور بیان شامل ہے۔ انیسؔ کی صنعت کاری، عمدی یا قصدی نہیں بلکہ یہ ان کی خامہ نگاری کی معمولی سی کرشمہ سازی ہے کہ خود صنعتیں نوکِ قلم سے ڈھلتی جاتی ہیں۔ نہ جانے کتنی ایسی نادر نادر یافت صنعتیں ہیں جن کے گلشن انیسؔ نے اپنی اقلیمِ سخن میں چھوڑے ہیں۔ صحراؤں، جنگلوں میں کتنے خوش نما پھول ہیں جن کے نام نہیں؟

میر انیسؔ نے منقبت میں اپنے ممدوح مولا علیؑ کی سیرت میں وہ تمام عناصر جمع کر دیئے جو انسانی اسلامی سماجی قدروں کے روشن اور مستند حوالے ہیں۔ یہاں انیسؔ نے ان قدروں کو حضرت علیؑ سے نسبت دے کر انھیں قابل قدر بنایا ہے۔ یعنی قدروں نے علیؑ اعلا قدر سے قدر کی قدرت حاصل کی۔

علیؑ کامل، علیؑ فاضل، علیؑ عادل، علیؑ قابل، علیؑ واصل، علیؑ فاصل، علیؑ رافع، علیؑ جامع، علیؑ مرجع، علیؑ مامن، علیؑ مومن، علیؑ والا، علیؑ ملجا، علیؑ غفراں، علیؑ ایماں، علیؑ برہاں، علیؑ فرقاں، علیؑ قراں، علیؑ احساں، علیؑ سرور، علیؑ گوہر، علیؑ منبر، علیؑ حاکم، علیؑ عالم، علیؑ شاہد، علیؑ قاید، علیؑ حکمت، علیؑ صحت، علیؑ دارو، علیؑ درماں اور یقیناً علیؑ رحمت، علیؑ نعمت، علیؑ فرحت، علیؑ نصرت، علیؑ حشمت اور علیؑ جنت۔

انیسؔ نے فضائل حضرت علیؑ کو نئے رنگ و ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ امام، امین اور شریف کی دستار بندی دو، دو لفظوں کے ساتھ دیکھیے:

امام مشرق و مغرب، شریف یثرب و بطحا
امینِ وحیِ پیغمبرؐ امام مسجد اقصیٰ

قران کا امانت دار، قبلۂ اول کا امام، مدینہ و مکہ کا والی مشرقین اور مغربین کا مقتدا حضرت علیؑ کو بتا کر معراج اور صاحب معراج کے نام لئے بغیر پورا واقعہ ایک مصرعہ میں پیش کر کے اس کے رمز و رموز سے باخبر علیؑ کو اُجاگر کر دیتے ہیں۔

ع: علیم و عالم اسرار سمن الذی اسری

میر انیسؔ نے کئی مقامات پر اپنے کلام میں قرآنی آیات احادیث اور عربی فقروں کو خوبصورتی کے ساتھ سلکِ شعر میں پرویا ہے۔ انیسؔ ان ادق خارجی زبان کے لفظوں کو ایسے الفاظ سے جوڑ دیتے ہیں کہ ان کی غیر مانوسی ثقالت اور تلفظ کی دشواری حل ہو جاتی ہے۔ اوپر

کے مصرعہ کو ہر وہ شخص جو اردو فارسی اور عربی سے واقف ہے صحیح تلفظ سے پڑھ سکتا ہے اسی کو الفاظ کا دروبست اور لسانی تقاضہ کہتے ہیں۔

اس مصرعہ میں انیس آیت کے اشارے سے معراج کا ذکر کے واقعہ معراج میں جو رمزو رموز پوشیدہ ہیں اس کا باخبر حضرت علیؑ کو بتاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دو مصرعوں میں منزلت علیؑ اور انفرادیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

علیؑ والی علیؑ عالی علیؑ والا علیؑ اعلا
علیؑ جامع علیؑ فارق علیؑ ادنیٰ علیؑ فرقاں

پہلے مصرعہ میں عالی مرتبت قدریں علیؑ کی جامعیت کی مانند ہیں۔ ادنیٰ کا وجود معراج قوسین کے فاصلے سے ہے۔ جو فرقان میں ثبت ہے۔

□□□

maablib.org

مخمس در منقبت حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

علی فخرِ بنی آدم، علی سردارِ انس و جاں — علی سرور، علی صفدر، علی شیرِ صفِ میداں
علی ہادی، علی ایماں، علی لطف و علی احساں[۱] — علی حکمت، علی شافی، علی دارو علی درماں
علی جنت، علی نعمت، علی رحمت، علی غفراں

علی واصل، علی فاصل، علی شامل، علی قابل — علی فیض و علی جود و علی بذل و علی باذل
علی نوح و علی کشتی، علی دریا، علی ساحل — علی عالم، علی عادل، علی فاضل، علی کامل
علی افضل، علی مفضل، علی لطف و علی احساں[۲]

علی آقا، علی مولا، علی سیّد۔ علی سرور — علی کعبہ، علی قبلہ، علی مسجد، علی منبر
علی تارک، علی افسر، علی زینت علی زیور — علی نورو علیٰ انور، علی ذرّہ و علی گوہر
علی ساقی، علی کوثر، علی مالک، علی رضواں

علی بحر و علی معدن، علی بر و علی گلشن — علی فتح و علی نصرت، علی آرامِ جان و تن
علی درع، علی خود و علی تیغ و علی جوشن — علی محسن، علی احسن، علی خازن، علی مخزن
علی ماسن، علی موسن، علی آہن، علی ایماں

علی مخبر، علی صادق، علی بینا، علی سامع — علی فائق، علی فاتح، علی مانع، علی قانع
علی امر و علی نہی و علی حاکم و علی نافع — علی شافع، علی نافع، علی رافع، علی واقع
علی جامع، علی قاطع، علی حجت، علی برہاں

علی عیسیٰ، علی موسیٰ، علی خضر و علی یحییٰ　　علی دانا، علی بینا، علی گوہر، علی دریا
علی حاکم، علی عادل، علی جنت، علی طوبیٰ　　علی قاضی، علی اقضیٰ علی مرجع، علی ملجا
علی یٰسین، علی طٰہٰ، علی حرز و علی قرآں

علی سابق، علی صادق، علی ثابت، علی قائد　　علی اشرف، علی اعلیٰ، علی ناصر، علی ماجد
علی کافی، علی وافی، علی واجد، علی شاہد　　علی واحد، علی زاہد، علی راکع، علی ساجد
علی مرشد، علی ہادی، علی رہبر، علی رہباں

امامِ مشرق و مغرب، شریفِ یثرب بطحا　　امینِ وحیِ پیغمبر، امامِ مسجدِ اقصیٰ
علیم و عالمِ اسرارِ سُبحٰن الذی اسریٰ　　علی والی، علی عالی، علی والا، علی اعلا
علی جامع، علی فارق، علی ادنیٰ علی فرقاں

انیسؔ، ان چند بندوں کا صلہ ہے گلشن جنت　　نہ گھبرا اس مرض سے بعد ہے آزار کے راحت
نئی طاقت بھی دیں گے، ان کو ہے ہر طرح کی قدرت　　علی فرحت علی نصرت، علی شوکت، علی حشمت
علی حکمت، علی صحت، علی دارو، علی درماں

□□□

میر انیسؔ کی تضمینات

تضمین ایک ایسی صنف سخن ہے جس میں شاعر اپنے یا کسی دوسرے شاعر کے شعر پر مصرع یا شعر لگاتا ہے۔ تخلیقی اور تنقیدی نظر سے وہی تضمین تعریف کے قابل ہے جس میں اصل شعر سے زیادہ عمدہ معانی زوراور حسن آفرینی پیدا کی جائے یا مضمون شعر کی کوئی نئی جہت سامنے آئے۔ تضمین شعری اصناف میں استادانہ کام ہے اور کئی اساتذہ نے اس چمن میں نئے نئے گل کھلائے ہیں۔ ایک طبع کی دشواری جو بھی فطری شاعر کو تضمین میں پیش آتی ہے وہ قافیے سے دوسرے مصرعوں کی نظم نگاری ہے لیکن یہ کام قادرالکلام شاعر کے لیے دشوار نہیں، کیوں کہ الفاظ پر قدرت، تخیل کی بوقلمونی کی ندرت، لطافت خیال کی کثرت ان دشوار مراحل کو آسان کر دیتی ہے۔ بعض اساتذہ نے تضمین کو صنف نہیں بلکہ شاعرانہ طریقہ کار کہا ہے۔ جدید شاعری میں تضمین کا دور ختم ہوتا نظر آ رہا ہے اگر چہ قدیم کلاسیک شاعری میں کسی عظیم شاعر کے شاہکار شہ پارے پر تضمین کر کے مختلف شعرا اپنا رعب وسکہ جماتے تھے وہ اپج اب کہیں کہیں مزاحیہ نہج میں لفظوں کے ہیر پھیر کی شکل میں نظر آتی ہے جس کو انگریزی میں پیروڈی کہتے ہیں جس کا تضمین سے کوئی تعلق نہیں۔ تضمین مخمس کی شکل میں مہارت کا تقاضہ کرتی ہے یہاں جس شعر پر تضمین کی جاتی ہے اس کے مصرعہ اوّل پر تین مصرعے باندھے جاتے ہیں۔ یعنی بحر، قافیہ اور ردیف کا صرف اہتمام ہی نہیں بلکہ زور اور بلندی بھی درکار ہوتی

ہے۔ اگر تضمین پوری غزل یا نظم پر ہو تو پہلے تضمینی بند میں مطلع کی نسبت سے قافیہ اور ردیف کی نشست قرار پاتی ہے۔

میر انیسؔ کے مطبوعہ کلام میں ہمیں چار تضمینات ملتی ہیں۔ یہ چاروں تضمینات مخمس کی شکل میں ہیں اور سلاموں پر تضمین کی گئی ہیں۔ ان چار سلاموں میں دو سلام خود میر انیس کے ہیں اور دوسرے سلام مرزا فصیحؔ اور میر مونسؔ کے ہیں۔

جدول

شمارہ	مطلع تضمین انیسؔ	مطلع سلام شاعر	ہیئت	تعداد بند	تعداد مصرع
۱۔	یوں ہی زیست کے دن گزر جائیں گے تاسف رہے گا جو مر جائیں گے	سلامی وہ شہ پہ گر جائیں گے تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے (انیسؔ)	مخمس	(۱۳)	(۶۰)
۲۔	جس کو راحت ہو سدا رنج و محن کیا جانے بیٹھنا سوگ میں وہ سرو سمن کیا جانے	بین اے مجرئی قاسم کی دلہن کیا جانے بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے (انیسؔ)	مخمس	(۲۲)	(۱۱۰)
۳۔	غل ہے جہاں میں مری تقریر کا نظم میں ہر مصرعہ ہے تاثیر کا	ہوں میں سلامی شہ دلگیر کا مونس و مداح ہوں شبیرؑ کا (فصیحؔ)	مخمس	(۲۰)	(۱۰۰)
۴۔	چمکا خدا کے عرش کا اختر کہاں کہاں کھایا علیؑ کے چاند نے چکر کہاں کہاں	اے مجرئی گیا سر سرورؑ کہاں کہاں قرآں لیے پھرے ہیں ستمگر کہاں کہاں (مونسؔ)	مخمس	(۲۴)	(۱۲۰)

میر انیسؔ کی تضمینات کی خصوصیات کو پیش کرنے سے پہلے ہم ہر تضمین کے چند نکات جو اس تضمین سے مخصوص ہیں بیان کرتے ہیں۔

(ا) ''یوں ہی زیست کے دن گزر جائیں گے۔'' میر انیسؔ کی آخری عمر کی تصنیف ہے۔ انیسؔ کہتے ہیں:

نہ ہو ہند میں منزل عمر طے مدد کر اب اے خضر فرخندہ پے
تڑپتا رہوں ہجر میں تا بہ کے ہر اک آن یاں زندگی موت ہے
جئیں گے جو واں جا کے مر جائیں گے

انیسؔ کی زیارات مقدسہ کی تمنا آخری عمر میں کمال پر تھی۔ صحت کی کمزوری اور ناتوانی سفر میں مائل تھی۔

ملی لذت مہمانی انیسؔ بس اب تلخ ہے زندگانی انیسؔ
فزوں حد سے ہے ناتوانی انیسؔ

اس تضمین میں مقطعے کے بند میں بڑی خوبصورت اور صحیح تعلّی کی ہے۔

جو ہے لطف تیری زباں میں انیسؔ وہ ہے اور کس کی زباں میں انیسؔ
ترا غل ہے ہندوستان میں انیسؔ خدا بات رکھ لے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

(ب) میر انیسؔ کی دوسری تضمین جس کا مطلع ہے ۔

جس کو راحت ہو سدا رنج و محن کیا جانے
بیٹھنا سوگ میں وہ سرو سمن کیا جانے

اس سلام کی ردیف ''کیا جانے'' کی وجہ سے مخمس کا آخری مصرع سوالیہ کیفیت کا حاصل ہے۔ انیسؔ نے اس سوالیہ لہجہ میں تاثیر کی شدت، مضمون کی ندرت اور وسعت دکھائی ہے۔ یہاں بھی مقطعے کے بند میں انیسؔ نے تعلّی کا مدوجزر پیدا کیا ہے۔

تو نے بستان سخن میں کیا نام اپنا انیسؔ گل مضموں سے معطّر ہے مشام اپنا انیسؔ
خاکساری صفتِ خلق ہے کام اپنا انیسؔ کیوں کہ کم رتبہ نہ سمجھوں میں کلام اپنا انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن کیا جانے

(ج) تیسری تضمین جو مرزا فصیحؔ کے سلام پر کی گئی ہے جس کا مطلع ہے۔

غل ہے جہاں میں مری تقریر کا
نظم میں ہر مصرعہ ہے تاثیر کا

میر انیسؔ نے ہر شعر پر تین تین مصرے لگا کر اشعار کو محاکاتی انداز بیان میں سہ بُعدی (Three dimensional) کردیا ہے۔ اس سلام کے زیادہ تر مصرے مکی تھے میر انیسؔ نے اس دردوگداز کے علاوہ منظر کشی سے پر تاثیر کردیا۔ مقطعے کے بند میں مرزا فصیحؔ کی سوانح اور کربلا معلّیٰ میں زندگی بسر کرکے خاک ہوجانے کی سعادت کو بھی فصیحؔ کے مقطعے سے جوڑ کر اپنے لیے جواز حاصل کیا ہے۔

مثلِ انیسؔ اب ہے فراغت فصیحؔ ہوں میں غنی شہؑ کی بدولت فصیحؔ
خاک مجھے زر کی ہو حسرت فصیحؔ جب سے ملا سرمۂ تربت فصیحؔ
شوق نہیں ہے مجھے اکسیر کا

(د) آخری تضمین چھوٹے بھائی میر نواب مونسؔ کے مشہور سلام پر ہے۔ اس کا مطلع ہے:

اے ہجری گیا سر سرورؑ کہاں کہاں
قرآں لیے پھرے ہیں ستم گر کہاں کہاں

اس تضمین کا کمال یہ ہے کہ مونسؔ کے سلام کے اشعار میں مضمون پھیلانے کی گنجایش کم تھی لیکن انیسؔ نے نہ صرف نیا مضمون پیدا کیا بلکہ اس میں صوتی حسن، لفظی حسن اور معنوی حسن بھر دیا۔ کئی مقامات کو مکالمہ نگاری سے آراستہ کیا۔ اس تضمین نے مونسؔ کے کلام پر عمدہ

شاعری کی مہر پر ثبت کردی۔

حال عوام جانتے ہیں صاحب علوم　　جو خاص ہیں اسی طرف ان سب کا ہے ہجوم
اکثر انیسؔ نے یہ کہا ہے علی العموم　　مونسؔ ترے سخن کی ہوئی شش جہت میں دھوم
تیغ زباں کے پہنچے ہیں جوہر کہاں کہاں

انیسؔ کی تضمینات کی خصوصیات

اُردو کے عظیم شاعر انیسؔ کی تضمینات کے مطالعے سے کئی شعری اور ادبی تضمینی قدریں نظر آتی ہیں جو تضمین کی جزئیات نگاری کے امتیازی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس ہیئت اور تکنیک کے لفظی معنوی اور صوتی تقاضوں کو پیش کرتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تضمین کا رواج کلاسیک قدیم شاعری میں ہنر کی حیثیت سے قائم تھا اور آج کل کے دور میں برائے نام باقی ہے لیکن اگر شعروادب کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے متقدمین متوسطین اور متاخرین عمدہ شاعروں نے اسے صرف شعری طریقۂ کار نہیں بلکہ ایک صنف کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کئی قدیم فارسی اور بعض قدیم اردو شہ پاروں پر تضمینی اشعار نظر آتے ہیں۔ تضمین پر کوئی خاص تنقیدی کام ہماری نظر سے نہیں گزرا اسی لیے اس کے محاسن معیوب کی نشان دہی نہیں ہوئی۔ رثائی شاعر نے جہاں رباعی، تاریخ گوئی اور مسدس کو نئی زندگی دی ہے وہاں تضمینی صنف کو بھی جلا بخشی ہے۔ ہم ذیل کی سرخیوں میں انیسؔ کی تضمینوں کے کچھ نکات کو پیش کرتے ہیں جس سے تضمین کو سنوارنے میں مدد ہو سکتی ہے۔

(۱) انیسؔ مصرعوں کو تضمین کے اصلی شعر سے ایسا جوڑ دیتے ہیں کہ ان مصرعوں میں غرابت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہاں لفظوں کا لفظی معنوی اور صوتی حسن ایک دوسرے میں گھل جاتا ہے جس سے سارے مضمون میں بالیدگی اور معنی آفرینی بکھر جاتی ہے۔

مثال) عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلہ طوق و رسن کیا جانے

اس شعر پر تین مصرعے میر انیس نے لگا کر پورا بند پُرتاثیر اور محاکاتی انداز بیان کا حامل کر دیا۔ تخیل کی کارکردگی نے نفسیاتی اور احساساتی فکر وشعور کے لطیف خیالوں سے جو منظر کشی کی وہ جذبات کو برانگیختہ کر کے اظہار کو موثر اور پُر اثر بنا رہی ہے چنانچہ شعر معانی آفرینی اور خیال کی برجستگی کا محور ہو جاتا ہے۔

قید میں حضرت سجادؑ تھے تصویر کی شکل آہ سینے سے جو کھینچی تھی تو شمشیر کی شکل
دیکھ کر کہتے تھے یوں زینب دلگیر کی شکل عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل وزنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلہ طوق و رسن کیا جانے

یہاں قید خانہ شام کی منظر کشی ہے۔ امام سجادؑ اپنے کنبہ کے ساتھ قید ہیں۔ علیؑ کی بیٹی رسولؐ کی نواسی گلے میں طوق پیروں میں زنجیر اور بازوؤں میں رسن بستہ بیٹھی ہے۔ حضرت سجادؑ تصویر کے مانند خاموشی اور حیرت زدہ رہ کر لمبی درد بھری آہ کھینچتے ہوئے حضرت زینبؑ کو دیکھ کر دل ہی دل میں کہتے ہیں کیا انقلاب زمانہ ہے کہ اہلبیتؑ نبی جنھوں نے کبھی شور وغل اور زنجیر و بیڑیاں نہیں دیکھیں وہ اس حال میں قید رہیں۔ اس کو کہتے ہیں تضمین کی کرشمہ سازی جو ہر شاعر کی ہمت اور فکر سے ربط رکھتی ہے۔

(ب) تضمین کا عمدہ مقصد مضمون کو پھیلانا اور جوڑنا بھی ہے۔ بعض شعر جو غزل کی ہیئت میں ہوتے ہیں ایجاز بیانی کی وجہ سے مبہم رہتے ہیں۔ چنانچہ تضمین جدید مصرعوں سے بیانیہ انداز کے عمل سے نہ صرف بیانیہ اسلوب بنا دیتی ہے بلکہ اس میں منظر نگاری، واقعہ نگاری اور جذبات نگاری کی تازگی اور تہہ داری بھی پیدا کر دیتی ہے۔ یہاں انیسؔ کی تضمین کے دو بند جو مرزا فصیحؔ کے سلام کے دو شعروں پر جو حضرت علیؑ کی شہادت سے تعلق رکھتے ہیں ہم لکھ کر بغیر کسی تشریح

کے اپنی گفتگو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

دیکھ کر بابا کی طرف ہنس دیا　　زخم لگا حلق پہ جب تیر کا
چوم لیا شاہ نے منہ پیار سے　　خون میں ڈوبی ہوئی تصویر کا (فصیح)

ننھی سی جاں پر جو یہ صدمہ ہوا　　درد سے تھرّانے لگے دست و پا
بات نہ کچھ کرنے کا یارا رہا　　دیکھ کے بابا کی طرف ہنس دیا
زخم لگا حلق پہ جب تیر کا
خوں جو ٹپکنے لگا سوفار سے　　جان نے رخصت لی تنِ زار سے
اشک بہے چشمِ گہربار سے　　چوم لیا شاہ نے منہ پیار سے
خون میں ڈوبی ہوئی تصویر کا

انیسؔ نے اپنے ہی ایک سلام کے شعر پر تضمین کی ہے۔ انیسؔ مضمون کو وسعت دیتے ہوئے لہجہ اور تیور کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کے بند میں پہلے تین جدید مصرعوں کا پیش منظر دیکھئے۔ آخری دو مصرعے سلام کے شعر کے ہیں:

شجاعت میں ہم ہیں عدیم النظیر　　پلے پی کے ہم بنتِ زہرا کا شیر
ہمارا ہے نانا امیر کبیر　　"نہ دکھلاؤ تیغیں سمجھ کر صغیر
ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے"

حضرت زینبؑ کے بیٹوں کا ذکر جس تعارف اور رجز کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہاں تضمین کا محور شجاعت ہے۔ علیؑ کے نواسے ہیں، بنتِ علیؑ کا دودھ پی کر بڑھے ہوئے ہیں، ہم کے صیغے نے دونوں شہزادوں عون ومحمد کو صغیر کے لفظ سے باندھا ہے۔ شجاعت میں عدیم النظیر اس لیے بھی ہیں کہ دادا اور نانا کی طرف سے دو دلاروں یعنی جعفر طیار اور حیدر کرار کے جانشین ہیں۔

(ج) مونسؔ لکھنوی کے سلام کے ذیل کے شعر میں وسعت کم ہے۔ الفاظ کے انتخاب اور موضوع کے دروبست نے مضمون کو سکڑ دیا ہے۔ مگر ع: سلیقہ ہو تو گنجایش بہت ہے۔

چیں میں، ختن میں دشتِ خطا میں تتار میں
مہکی شمیم کاکلِ سرورؐ کہاں کہاں

میر انیسؔ کی خوش سلیقگی مشہور ہے۔ محدودیت میں وسعت کا اظہار اور مزید اس کو موثر بنانا عظیم فن کاروں کا کھیل ہے۔ خود میر صاحب نے کہا تھا، ع: ''اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں۔'' یقیناً پھول میں کئی مضامین خوشبو کی طرح موجود ہیں لیکن سخت یک لخت سپاٹ مضمون میں کئی دلآویز زاویے نکالنا کوئی انیسؔ سے سیکھے۔ اس شعر کو انیسؔ نے نہ صرف ایک بند بلکہ دو بند میں تضمین کیا۔ یہاں ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف تضمینی بند پیش کر کے قارئین کے فکر و شعور کی نکتہ شناسی کو دعوت دیتے ہیں۔

کوفے میں شام میں جش و زنگ بار میں　　خوش بو گئی جزیروں میں اور کوہسار میں
یاں ہے سوادِ ہند بھلا کس قطار میں　　''چیں میں ختن میں دشتِ خطا میں تتار میں
مہکی شمیم کاکلِ سرورؐ کہاں کہاں''

نکہت وہ مشکِ تر کی جو تھی تار تار میں　　تاروں سے پہنچی دامنِ ابرِ بہار میں
بادِ بہار لے کے گئی ہر دیار میں　　چیں میں ختن میں دشتِ خطا میں تتار میں
مہکی شمیم کاکلِ سرورؐ کہاں کہاں

پہلے بند میں ہوا کے ذریعے حضورؐ کے بالوں کی خوشبو ہر جگہ بکھر گئی۔ دوسرا بند تخیل کی ندرت قابلِ تعریف ہے۔ شمیم کاکل کو مشکِ تر کی نکہت بتانا جو بالوں کے تار تار میں بسی ہوئی تھی۔ تاروں یہاں صنعت ابہام بالوں کے تار یا آسماں کے تارے ہو سکتے ہیں جن سے وہ بہار کے ابر میں شامل ہوئی۔ بہار کا ابر برستہ ہے چنانچہ بہاری ہوائیں اس ابر بہار کو ہر ملک

میں لے گئی جن میں چمین ختن اور تتار بھی شامل تھے اس طرح یہ خوشبو ہر جگہ مہکنے لگی۔

(د) انیس تضمینی شعر کو رباعی کے آخری مصرعہ کی طرح ابھارتے ہیں اسی لیے جدید مصرعوں کو مضمون کی برجستگی شگفتگی اور بالیدگی کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ وہ ایسے الفاظ بھی مصرعوں میں ٹانک دیتے ہیں جو لفظی اور معنوی ہمنوائی کے ساتھ شیرینی روانی اور لاشعوری پر صنعتوں کے نازل کا باعث ہوتے ہیں جیسے ذیل کے شعر میں آنسو، چشم اشک نظر اور ابر، جھڑی سمندر اور ندی مراعات النظیر کے ذیل میں آتے ہیں۔

لگے گی اگر آنسوؤں کی جھڑی اٹھائے گا یہ ابر شرمندگی
سمندر نہ ہم چشم ہوگا کبھی چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اتر جائیں گے

کٹ گئے تیغ ستم سے مرے سرو شمشاد مثل قمری ہے زباں پر مرے ہر دم فریاد
وہ کرے سیر چمن جس کا کہ دل ہووے شاد باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجادؑ
مرغ بے بال بھلا سیر چمن کیا جانے؟

تشبیہ اور استعاروں سے مضمون نگاری کی جمالیات میں اضافہ ہے۔ مصرعہ سوم میں منطقی دلیل ہے۔ صنعت مراعات النظیر میں سرو شمشاد قمری چمن باغ مرغ وغیرہ اور زبان دم دل جمع ہیں۔ تضمینی شعر میں تلمیح اور حقیقت نگاری ہے۔

(ہ) تضمین کی ایک خوبی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ شاعر مضمون کی نوعیت بدل کر نئے مطالب پیدا کرے، یہ بڑا پتھر ہے جس کو ہر نحیف اور ناتواں شاعر نہیں اٹھا سکتا، اگر اٹھا بھی لیتا ہے تو محراب حسن آفرینی میں سجا نہیں سکتا اور ہمیشہ اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ مضمون کی تخریب کے ساتھ خود بھی فنی طور پر مجروح ہو جائے۔ مثال سے بات واضح ہوگی۔ میر انیسؔ نے مونسؔ کے اس شعر پر تضمین کی ہے۔

دکھ میں مرض میں نزع میں ایذائے قبر میں
دیکھو مدد کو آتے ہیں حیدرؑ کہاں کہاں

بڑا خوبصورت شعر ہے اس شعر کا رجحان حضرت علیؑ کی مشکلوں میں مدد ہے۔ کوئی عام شاعر اس شاعر پر مصرعہ اول کی نسبت سے مختلف دوسرے مقامات کا طومار باندھ دیتا لیکن میر انیسؔ نے مضمون کو شش جہت وحرکت اور ترقی دے کر اُسے آفاقیت کا درجہ عطا کر دیا۔ تینو ں مصرعوں میں زندگی اور عقبیٰ کی جتنی دشواریاں ہیں جمع کی جاسکتی ہیں اور جب ان کو آخری شعر سے ملا دیا جاتا ہے تو مضمون نور علی نور کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔

تسکیں ابھی عطا ہو جو فرق آوے صبر میں — یہ رحمتیں یہ لطف وکرم کب ہے ابر میں
دکھ میں مرض میں نزع میں ایذائے قبر میں — اللہ رے اختیار مصیبت میں جبر میں
دیکھو مدد کو آتے ہیں حیدرؑ کہاں کہاں

میر انیسؔ کے پاس مکالمہ نگاری واقعہ نگاری کا بیان کچھ اس طرح سے ہے کہ وہ مرقع نگاری معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں جو خصوصیت انیسؔ کے کلام کی ہے وہ حسب مراتب ہے، محاوروں کی صحت اور ان کا صحیح مقام ہے جو بیان کو دو آتشہ کردے۔ انیسؔ تضمینات میں بڑے غور وخوض سے بند کو مردف اور غیر مردف رکھتے ہیں اصل میں واقعہ یہ ہے کہ انیسؔ مشکل پسند شاعر ہیں۔ وہ تراکیب بھی نادر لیکن آسان اور زود فہم استعمال کرتے ہیں۔ انیسؔ کا کلام شاعرانہ بصیرت کا عمدہ ترین نمونہ ہے اس کی خاص وجہ ان کا موضوع سانحۂ کربلا ہے جو اسلام ہی نہیں بلکہ انسانیت کا بہت بڑا موضوع ہے۔ میر انیسؔ کے کلام کی وسعت عظمت اور آفاقیات پوری طرح سے اس وقت تک درک نہیں ہو سکتی جب تک ان کے پورے کلام کا جو مرثیوں، سلاموں، رباعیوں اور تضمینوں پر مشتمل ہے۔ شعری تقاضوں اور ادبی قدروں کے تحت تجزیہ کر کے حسن یوسفؑ کو بازار مصر میں پیش کیا جائے۔

□□□

تضمینِ انیسؔ بر سلام انیسؔ

جس کو راحت ہو سدا رنج و محن کیا جانے؟   بیٹھنا سوگ میں وہ سروِ چمن کیا جانے؟
نالہ و آہ و فغاں، غنچہ دہن کیا جانے؟   بین اے مجرئی قاسم کی دُلھن کیا جانے؟
بیاہی اک شب کی رنڈاپے کا چلن کیا جانے؟

چین اک دم بھی فلک نے نہ اسے دکھلایا   بھر نظر دیکھا نہ دولھن کو، نہ کچھ فرمایا
تخت کی رات کو پیغام اجل کا آیا   رات کو بیاہ ہُوا صبح گلا کٹوایا
لطف شادی کا بھلا ابنِ حسن کیا جانے؟

نیچے سہرے کے بہاتی تھی وہ دریا، رو رو   خالی کرتی تھی بھرے دل کو سراپا، رو رو
دل میں لاتی تھی خیال اپنے وہ کیا کیا، رو رو   دم جو گھٹتا تھا یہی کہتی تھی کبرا، رو رو
کیوں مجھے چھوڑ گئے ابنِ حسن، کیا جانے؟

خون میں ڈوب گیا اپنے، سراپا، اصغرؑ   تڑپا آغوش میں اور سہم کے رویا اصغرؑ
چاہا سرور نے کہے حال کچھ اپنا اصغر   تیر کے درد کو کیا باپ سے کہتا اصغر
بے زباں ہوئے جو بچہ وہ سخن کیا جانے؟

پانی ملتا نہ کہیں ان کو تو کہتے تھے کہ آہ!   کس طرح سے ہمیں منزل یہ کٹے گی اللہ
پُرخطر راہ ہے اور بچے ہیں ننھے ہمراہ   چین رستے میں نہ ملتا تو یہی کہتے تھے شاہ
مجھ سا غربت زدہ آرامِ وطن کیا جانے؟

قید میں حضرتِ سجادؑ تھے تصویر کی شکل آہ سینے سے جو کھنچتی تھی تو شمشیر کی شکل
دیکھ کر کہتے تھے یوں زینبؑ دلگیر کی شکل عمر بھر دیکھی نہ جس نے غل و زنجیر کی شکل
وہ بھلا سلسلۂ طوق و رسن کیا جانے؟

چلتی تھی آٹھ پہر گرم ہوا مقتل میں خاک میں چاند سا لاشہ تھا پڑا مقتل میں
پوچھا جب قومِ اسد سے تو کہا مقتل میں لاشِ شبیرؑ سے آتی تھی صدا مقتل میں
کب میسّر ہمیں ہووے گا کفن کیا جانے؟

کٹ گئے تیغِ ستم سے مرے سرو و شمشاد مثلِ قمری ہے زباں پر مرے ہر دم فریاد
وہ کرے سیرِ چمن جس کا کہ دل ہووے شاد باغ چلنے کو کوئی کہتا تو کہتے سجادؑ
مرغِ بے بال بھلا سیرِ چمن کیا جانے؟

کہتی تھی ماں سے کہ اماں مری لو جلد خبر کشمکش میں تو نکلتی نہیں جانِ مضطر
شمر سے کہہ دو مرے حلق پہ پھیرے خنجر دم جو رُکتا تو یہ کہتی سکینہؑ رو کر
کب کھلے گی مری گردن سے رسن، کیا جانے؟

کیسے کانٹے ہیں پڑے، میری زباں کو دیکھو اینٹھی جاتی ہے حرارت سے خبر آن کے لو
دم ہے آنکھوں میں، نظر آتا ہے مرنا اب تو کہتی تھی پیاس کی شدت میں سکینہؑ رو رو
ہوگا کب پانی سے تر، خشک دہن، کیا جانے؟

ماں کو ارمان تھا جس لال کا، یہ پانوں چلے اُس نہالِ چمنِ شاہ پہ یوں تیر لگے
اُٹھ گئے گلشنِ ہستی سے نہ پھولے نہ پھلے داغِ اصغر کا کوئی بانو کے دل سے پوچھے
چھد گیا کس کا جگر، تیر فگن کیا جانے؟

مجھ کو اس چرخِ ستم گر نے دیے غم کیا کیا؟ نہ رہی مادرِ غم خوار، نہ سر پر بابا
اُٹھ گئے آگے سے میرے حسنِ سبز قبا کہا زینبؑ نے کہ شبیرؑ سا بھائی نہ رہا
کیوں سلامت رہی دنیا میں بہن کیا جانے؟

جانتے ہوں گے مجھے شاہ صحیح و سالم
جان اپنی تو گئی حق رکھے ان کو قائم
ان کو کس طرح کروں اِن کی دغا سے عالم
قتل کے وقت یہی کہتے تھے دل سے مسلم
کیا کریں شاہ سے یہ عہد شکن، کیا جانے؟

ٹکڑے ہو جائے گا اب لختِ جگرِ زہراؑ کا
آگ خیموں میں لگا، لوٹیں گے گھر زہراؑ کا
بے خبر ان سے ہے وہ نورِ نظر زہراؑ کا
ردِ دعوت نہیں کرنے کا پسر زہراؑ کا
اس عداوت کو وہ سلطانِ زمن، کیا جانے؟

ہو گیا ٹکڑے جگر، خونِ دل آنکھوں سے بہا
درد والو! وہ نمایاں ہوئی سینے سے صدا
جانِ بسمل ہے لہو، خنجرِ غم دل پہ چلا
زخمی شبیرؑ نے اکبر کو جو دیکھا تو کہا
ٹکڑے کب تیغوں سے ہوگا مرا تن، کیا جانے؟

تنگ اس گھر میں جو راحت اُسے حاصل نہ ہوئی
مستعد مرنے پہ تھی زیست پہ مائل نہ ہوئی
جان آسانی سے دی، کچھ اُسے مشکل نہ ہوئی
قیدِ زنداں کی سکینہؑ متحمل نہ ہوئی
نازپروردہ، غم و رنج و محن کیا جانے؟

میری قدرت نہیں، پوچھوں جو سبب میں اس کا
رازِ پنہاں تو یہ میرے دلِ پر نہ کھلا
پر خیال آتا ہے مرنے کا نہ ہو قصد کیا
شہ نے ملبوس جو مانگا تو یہ زینبؑ نے کہا
زیبِ تن ہوتا ہے کیوں، رختِ کہن کیا جانے؟

پسر سعدؔ نے پانی پہ کیا ہے قدغن
کہ کسی پیاسے کا تر ہو نہ ذرا خشک دہن
سن کے یہ شمع نمط رہ گئی خاموش بہن
بولے شہ پانی تو ملتا نہیں بعدِ مُردن
کوئی دے گا کہ نہ دیوے گا کفن، کیا جانے؟

جنگ میں آگے قدم اپنے ہیں دھرتے جاتے
دے کے سر، دارِ فنا سے ہیں گذرتے جاتے
کثرتِ فوج سے ہرگز نہیں ڈرتے جاتے
اِل کہیں کہتے تھے اِنس کے ہیں مرتے جاتے
کیا جگر رکھتے ہیں ہفتاد و دو تن کیا جانے؟

کھینچ کر تیغ در آتا تھا کوئی شہ کے قریں کوئی کہتا تھا.........ا؎
شمر کہتا تھا پھرا دوں میں ابھی خنجرِ کیں ظلم جو ہوتے تھے فرماتے تھے سجادؑ حزیں
ہم سے برگشتہ ہے کیوں چرخِ کہن، کیا جانے؟

فاطمہؑ نے سُنی جس وقت یہ حوروں سے خبر یعنی شبیرؑ کی گردن پہ پھرایا خنجر
آئی مقتل میں وہ سر پیٹتی تفتیدہ جگر لاشِ شبیرؑ پہ زہراؑ نے کہا رو رو کر
قبلہ رو خاک پہ کس کا ہے یہ تن، کیا جانے؟

تو نے بستانِ سخن میں کیا نام اپنا انیسؔ گل مضموں سے معطر ہے مشام اپنا انیسؔ
خاکساری صفتِ خلق ہے کام اپنا انیسؔ کیوں کہ کم رتبہ نہ سمجھوں میں کلام اپنا انیسؔ
مرتبہ مشک کا آہوئے ختن، کیا جانے؟

□□□

ا؎ اصل مصرعہ ناتمام ہے۔

تضمین انیسؔ بر سلام انیسؔ

یوں ہی زیست کے دن گزر جائیں گے   تاسّف رہے گا جو مرجائیں گے
گنہ کم نہ ہوگا جدھر جائیں گے   سلامی درِ شہ پہ گر جائیں گے
تو سب کام بگڑے سنور جائیں گے

نہ ہو ہند میں منزلِ عمر طے   مدد کر اب اے خضرِ فرخندہ پے
تڑپتا رہوں ہجر میں تا بہ کے   ہر اک آن یاں زندگی موت ہے
جئیں گے، جو واں جا کے مرجائیں گے

لگے گی اگر آنسوؤں کی جھڑی   اٹھائے گا یہ ابر شرمندگی
سمندر نہ ہم چشم ہوگا کبھی   چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

غمِ شہ میں کہتے تھے عابدؑ یہی   عبث مانعِ گریہ ہیں یہ شقی
رُکی ہے کسی سے کبھی سیل بھی   چڑھے گی جو ندی مرے اشک کی
تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

پڑے تھے جو چہروں پہ زلفوں کے بال   عیاں تیوروں سے علیؑ کا جلال
دھرے ہاتھ قبضوں پہ بہرِ جدال   لعینوں سے کہتے تھے زینبؑ کے لال
جو کچھ ہم سے ہوگا وہ کر جائیں گے

شجاعت میں ہم ہیں عدیم النظیر پلے پی کے ہم بنتِ زہراؑ کا شیر
ہمارا ہے نانا امیرِ کبیر نہ دکھلاؤ تیغیں سمجھ کر صغیر
ہم ایسے نہیں ہیں کہ ڈر جائیں گے

حرم رو کے جب ذکر کرتے کبھی ہمیں ان کی شادی کی حسرت رہی
نہ سہرا بندھا اور نہ مہندی لگی یہ کہتی تھی بانو خبر کس کو تھی
کہ اکبرؑ جواں ہو کے مرجائیں گے

ملی لذتِ میہمانی انیسؔ بس اب تلخ ہے زندگانی انیسؔ
فزوں حد سے ہے ناتوانی انیسؔ ملے گا جو اب بھی نہ پانی انیسؔ
تڑپ کر کئی طفل مرجائیں گے

عبث ہو مری راہ رو کے ہوئے پھروں گا نہ گر خوں بھی میرا بہے
زیادہ تو پانی نہیں مانگتے سکینہ کی اس ننھی سی مشک سے
جو ہے نہر خالی تو بھر جائیں گے

اسی سوچ میں تھے امامِ زمن کہ بس کس کو یاں کون دے گا کفن
کہن جامۂ شہ جولائی بہن پہن کر کہا شہ نے رخت کہن
یہ کپڑے بھی تن سے اُتر جائیں گے

پسِ خیمہ اماں بھی اب روئیں گی خدیجہ بھی اشکوں سے منہ دھوئیں گی
کرو صبر گر قسمتیں سوئیں گی مصیبت کی راتیں بسر ہوئیں گی
نہ روؤ یہ دن بھی گزر جائیں گے

جو چاہوں تو بدلا ابھی ان سے لوں پہ صابر ہوں کیا بد دُعا ان کو دوں
یہ ظالم کریں تو کریں میرا خوں خدا تو ہے شاہد کہ بے جرم ہوں
چھپیں گے کدھر اور کدھر جائیں گے

جب آئیں گے محشر میں اہلِ فساد خدا ان سے پوچھے گا وجہ عناد
ستم کرکے ہو لیں یہاں آج شاد ملے گی قیامت میں اس خوں کی داد
فدک یہ نہیں جو مکر جائیں گے

جو ہے لُطف تیری [2]زباں میں انیسؔ وہ ہے اور کس کی زباں میں انیسؔ
ترا غل ہے ہندوستاں میں انیسؔ خدا بات رکھ لے جہاں میں انیسؔ
یہ دن ہر طرح سے گزر جائیں گے

(باقیاتِ انیسؔ: ۱۲۸-۱۳۰)

□□□

۱۔ چوتھے اور پانچویں مصرع میں تکرار ہے۔ یہ تکرار اصل نسخہ مملوکہ تقی عابدی میں بھی ہے۔

۲۔ غالباً صحیح ''تیرے بیاں'' ہوگا۔ زبان، کے قافیہ کی تکرار نہیں ہو سکتی۔

تضمینِ انیسؔ بر سلامِ مرزا فصیحؔ

غل ہے جہاں میں مری تقریر کا   نظم میں ہر مصرعہ ہے تاثیر کا
ہے یہ سبب عزت و توقیر کا   ہوں میں سلامی شہِ دلگیر کا
مومنو! مداح ہوں شبیرؑ کا

بھولتی اک دم نہیں ہے یادِ شام   وردِ زباں ہے شہِ والا کا نام
نالہ و اندوہ سے ہے دل کو کام   روتا ہوں جب کرتا ہوں موزوں کلام
ہے یہ سبب نظم کی تاثیر کا

سینے میں جو آتشِ غم تیز ہے   آہِ دلِ زار شرر ریز ہے
اشک میں خونِ جگر آمیز ہے   دل غمِ شبیرؑ سے لبریز ہے
ورد ہے ہر دم مری تقریر کا

پڑھنا ہے قرآن کا، مقدم پڑھو   مرثیۂ شاہ بھی ہر دم پڑھو
محفلِ غم میں کُتب غم پڑھو   اہلِ عزا سورۂ مریم پڑھو
شوق اگر ہے تمھیں تفسیر کا

ہائے یہ خاصانِ خدا دُکھ سہیں   بس میں ستم گاروں کے قیدی رہیں
حال جو اِن کا ہے اُسے کیا کہیں   اشک مرے کیوں نہ مسلسل بہیں
دھیان ہے بیمار کی زنجیر کا

رونا ہے اب شہ کے لیے فرضِ عین دشتِ ستم میں نہ ملا جس کو چین
آہ نہ کس طرح کروں شور و شین یاد مجھے آتا ہے حلقِ حسینؑ
حلق کٹا دیکھ کے نخچیر کا

برچھی کا پھل دیکھوں جو میں نامراد ہوتا ہے دل پر غمِ اکبرؑ زیاد
خاطرِ غمگیں نہیں اک لحظہ شاد تیر و کماں دیکھ کے آتا ہے یاد
زخمی گلا اصغرؑ بے شیر کا

ننھی سی جاں پر جو یہ صدمہ ہوا درد سے تھرآنے لگے دست و پا
بات نہ کچھ کرنے کا یارا رہا دیکھ کے بابا کی طرف ہنس دیا
زخم لگا حلق پہ جب تیر کا

خون جو ٹپکنے لگا سوفار سے جان نے رخصت لی تنِ زار سے
اشک بہے چشم گہر بار سے چوم لیا شاہ نے منہ پیار سے
خون میں ڈوبی ہوئی تصویر کا

گر جو پڑے خاک پہ گھوڑے سے شاہ پیاس سے حالت تھی نہایت تباہ
گرد تھی زخمی کے عدو کی سپاہ کاٹ لے سر شاہ کا جس دم یہ آہ
قصد ہوا ظالم بے پیر کا

کھینچ کے تب شمرؔ نے تیغِ دو دم سینۂ پُرنور پہ رکھا قدم
کانپ گئے کرسی و لوح و قلم شہ نے کہا سجدے کو ہونے دے خم
وقت نہیں ہے مری تکبیر کا

عرش کے حامل کریں جن کا ادب اُن پہ یہ ظلم اور یہ رنج و تعب
حاکمِ فاسق کرے ان کو طلب شان میں جن بی بیوں کے ہے غضب
ہوئے نزول آیۂ تطہیر کا

سر کھلے بلوے میں ہوں وہ خوش صفات ہائے ستم اور کوئی پوچھے نہ بات
خلق میں ہے عقدہ کشا جن کی ذات اُن کے بندھے شام میں رسّی سے ہات

حال یہ ہو عترتِ شبیرؑ کا

سائے سے بھی اپنے جنھیں تھا حذر شامؔ میں ہے ہے وہ پھریں در بدر
ظالموں کی عورتیں ہوں اپنے گھر بانوئے شبیرؑ کا عُریاں ہو سر

منہ ہو کھلا شاہ کی ہمشیر کا

کوئی ردا دے تو کہیں کینہ جو ہیں یہ گنہگار انھیں چادر نہ دو
ہاتھوں سے اور بالوں سے منہ ڈھانپ لو بلوے میں اس شکل سے ناموس ہو

سیّد باعزّت و توقیر کا

ذبح جو وہ شاہ شہیداں ہوا نازنین تن خون میں غلطاں ہوا
دفن ہر اک دشمن دیں واں ہوا روتی تھی زینبؑ کہ نہ ساماں ہوا

تربتِ شبیرؑ کی تعمیر کا

تیرِ ستم چلتے تھے سوئے حسینؑ سیکڑوں ظالم تھے عدوئے حسینؑ
خشک تھا بن پانی گلوئے حسینؑ تر ہوا سب خون سے روئے حسینؑ

زخم لگا سر پہ جو شمشیر کا

جب کہا دولھا نے دُلھن سے کہو مرنے کا صاحب ہمیں اب اذن دو
شرم سے تا دیر نہ کچھ بولی وہ پڑھ کے جو نوشاہ نے تعویذ کو

ذکر کیا باپ کی تحریر کا

شکلِ قلم سینے میں دل شق ہوا　اشکوں کا سہرا سا بس اک بندھ گیا
زانوے اندوہ پہ سر کو جھکا　بولی دولھن جو کہ چچا نے لکھا
تھا یہی لکھا مری تقدیر کا

مثلِ انیسؔ اب ہے فراغت فصیح　ہوں میں غنی شہ کی بدولت فصیح
خاک مجھے زر کی ہو حسرت فصیح　جب سے ملا سرمۂ تربت فصیح
شوق نہیں ہے مجھے اکسیر کا

□□□

۱۔ ہاتھ

۲۔ دو=وہ

تضمینِ برسلامِ مونسؔ

چمکا خدا کے عرش کا اختر کہاں کہاں کھایا علی کے چاند نے چکر کہاں کہاں
پہنچا سناں پہ نیّرِ اکبر کہاں کہاں اے مجرئی! گیا سرِ سرور کہاں کہاں
قرآں لیے پھرے ہیں ستم گر کہاں کہاں

یثرب میں پوچھتا تھا جو شہ سے بچشمِ تر دل مضطرب ہے اے اسد اللہ کے پسر
کعبے سے جایئے گا کہاں، قصد ہے کدھر؟ کہتے تھے شاہ ہے یہ سفر آخری سفر
لے جائے دیکھیں ہم کو مقدر کہاں کہاں

بعدِ پدر اسیریِ زنداں کے دکھ اٹھائے چھوٹے تو نابلد تھے کہیں بھاگنے نہ پائے
واغربتا! کہ پنجۂ حارث میں دونوں آئے مسلم کے لاڈلوں کو نہ چھوڑا اجل نے ہائے
چھپتے پھرے وہ بیکس و مضطر کہاں کہاں

دیکھا حواس باختہ جب حُر کی فوج کو جانا کہ تشنگی ہے غضب حُر کی فوج کو
اپنے قریب کر کے طلب حُر کی فوج کو پانی دیا امامؑ نے سب، حُر کی فوج کو
برسا سحابِ رحمتِ داور کہاں کہاں

کچھ دردِ دل کا حال سناؤ تو باپ کو مرتے ہوئے گلے سے لگاؤ تو باپ کو
برچھی کہاں لگی ہے بتاؤ تو باپ کو کہتے تھے رو کے شاہ، دکھاؤ تو باپ کو
کھائے ہیں زخم اے علی اکبرؑ کہاں کہاں

ہوں بے گناہ، فوج غریباں گواہ ہے — نہ کوئی آشنا نہ کوئی خیر خواہ ہے
گرداب غم میں تیرے کرم پر نگاہ ہے — سجاد کہتے تھے مری کشتی تباہ ہے
یارو! سنبھالوں طوق کا لنگر کہاں کہاں

سارا زمانہ غرب سے دشمن ہے تا بہ شرق — دریا پہ یہ ستم ہوں تو تڑپے مثالِ برق
تو رحم کر، کہ صبر و رضا میں نہ آوے فرق — بابا تو سر کٹا کے ہوئے بحرِ خوں میں غرق
میں کھینچتا پھروں تنِ لاغر کہاں کہاں

دیکھے نہ یہ سُنے کسی مجروح کے حواس — ضربیں گلے پہ چلتی تھیں اور کچھ نہ تھا ہراس
سوکھی زباں لبوں پہ پھرا کر بہ درد و یاس — قاتل سے شاہ کہتے تھے کیوں دیکھی میری پیاس
انصاف کر رُکا ترا خنجر کہاں کہاں

چلّا رہی تھیں بانوے سلطانِ مشرقین — ہے ہے حسینؑ، ہائے محمدؐ کے نورِ عین
سر پیٹتی تھی بالی سکینہؑ بہ شور و شین — مقتل میں شہ کی لاش پہ زینبؑ کے تھے یہ بین
اے بھائی روئے زینبؑ مضطر کہاں کہاں

بے دست ہے کہیں مرا عباسؑ نام ور — قاسمؑ کہیں پڑا ہے زمیں پر کٹائے سر
اک سوگوار خاک اڑائے کدھر کدھر — ہیں غرقِ خوں کہیں تو بھتیجے کہیں پسر
پیٹے سر اپنا جا کے یہ خواہر کہاں کہاں

ہوتی ہیں شہر شہر اسی غم کی مجلسیں — ہر جا ہیں نذرِ سرورِ عالم کی مجلسیں
کس جا نہیں ہیں ماہِ محرم کی مجلسیں — گھر گھر بپا ہیں شاہ کے ماتم کی مجلسیں
جا جا کے روئے عاشقِ حیدرؑ کہاں کہاں

ہر ذی حیات پر ہے یہ صدمہ جہان میں — ہر عضو میں یہ درد ہے، ہر استخوان میں
تن میں، رگوں میں، روح میں، لب میں، زبان میں — دل میں، جگر میں، سینۂ پرخوں میں، جان میں
ڈوبا ہے ایک غم کا یہ نشتر کہاں کہاں

جن و ملک کے دل ہیں سدا اضطرار میں   نالاں ہیں بلبلیں چمنِ روزگار میں
ماہی بھی مبتلا ہے اسی خار خار میں   افلاک میں، زمیں میں، ہوا میں، بحار میں
برپا ہے ایک ماتمِ سرور کہاں کہاں

یہ رحمتیں، یہ لطف و کرم کب ہے ابر میں   تسکیں ابھی عطا ہو، جو فرق آوے صبر میں
اللہ رے اختیار، مصیبت، میں جبر میں   دُکھ میں، مرض میں، نزع میں، ایذائے قبر میں
دیکھو مدد کو آتے ہیں حیدرؑ کہاں کہاں

ہر جا چلی، پھری سپہِ اہلِ غدر میں   گردن میں، سر میں، شانے میں، پہلو میں، صدر میں
بالا رہی قمر سے بھی رفعت میں، قدر میں   صفّین میں، حنین میں، خیبر میں، بدر میں
چمکی علیؑ کی تیغ دوپیکر کہاں کہاں

باغی کمی نہ کرتے تھے، بدعت میں، کینے میں   شاخیں نئی نکالتے تھے ہر مہینے میں
کیوں خار خارِ غم نہ ہو بلبل کے سینے میں   مشہد میں، کربلا میں، نجف میں، مدینے میں
بکھرے گلِ ریاضِ پیمبر کہاں کہاں

کوفے میں، شام میں، حبش و زنگبار میں   خوش بو گئی جزیروں میں اور کوہسار میں
یاں ہے سوادِ ہند بھلا کس قطار میں   چیں میں، ختن میں، دشتِ خطا میں تتار میں
مہکی شمیم کاکلِ سرور کہاں کہاں

نکہت وہ مشک تر کی جو تھی تار تار میں   تاروں سے پہنچی دامنِ ابرِ بہار میں
بادِ بہار لے کے گئی ہر دیار میں   چیں میں ختن میں، دشتِ خطا میں، تتار میں
مہکی شمیم کاکلِ سرور کہاں کہاں

گزرے ستم جو مالکِ کوثر پہ دہر میں   ہے پیچ و تاب بحر کی ایک ایک لہر میں
کیوں سُرخ آندھیاں نہ اٹھیں شہر شہر میں   صحرا میں، قتل گاہ میں، ریتی میں، نہر میں
ٹپکا ہے خونِ سبطِ پیمبرؑ کہاں کہاں

ہر دم سرِ بُریدہ تھا ایذائے سخت میں — روتا تھا خوں، فراقِ تنِ لخت لخت میں
پر تھی پسِ فنا بھی صعوبت جو بخت میں — چوبِ سناں میں، قلعے کے در میں، درخت میں
لٹکا ہے شہ کا فرقِ مطہر کہاں کہاں

تھا ماہِ فاطمہؑ پسِ مُردن بھی سیر میں — گہ اپنی انجمن میں، کبھی بزمِ غیر میں
گہ زیرِ کوہ، گاہ مکانِ غدیر میں — صندوق میں، تنور میں، زنداں میں، دیر میں
رکھا حسینؑ کا سرِ انور کہاں کہاں

بے پردہ شہر شہر گئے اژدہام میں — پہنچے یزیدِ نحس کے دربارِ عام میں
دیکھے حدیث، شک ہو جسے اس کلام میں — رے میں، دیارِ کوفہ میں، اقلیمِ شام میں
آلِ نبیؐ پھرے ہیں کھلے سر کہاں کہاں

لکھا ہے جنتِ فاطمہ کی سرگذشت میں — پیٹی منہ اپنا، دیکھ کے سر شہ کا طشت میں
آنسو تھمے نہ تا بہ وطن بازگشت میں — شہروں میں، جنگلوں میں، پہاڑوں میں، دشت میں
بھائی کو روئی زینبؑ مضطر کہاں کہاں

حالِ عوام جانتے ہیں صاحبِ علوم — جو خاص ہیں اسی طرف ان سب کا ہے ہجوم
اکثر انیسؔ نے یہ کہا ہے علی العموم — مونسؔ ترے سخن کی ہوئی شش جہت میں دھوم
تیغِ زباں کے پہنچے ہیں جوہر کہاں کہاں

□□□

انیسؔ کے متفرقات

یہاں پر ہم نے ایک باب ''متفرقات'' کے عنوان پر رکھا ہے۔ متفرقات میں غزلیات، قطعات، مخمس اور مسدس کے بند، دوہا اور مفردات شامل ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے چار اور ایک نامکمل غزلیں، چھ قطعات، چار مخمس کے بند، ایک مسدس کا بند، ایک دوہا اور گیارہ مفرد اشعار جو انیسؔ سے منسوب ہیں۔ مزید گفتگو کی گنجائش اس لیے بھی نہیں کہ یہ سب آپ اپنی تشریح ہیں اور میر انیسؔ کے سلاموں کے تجزیہ میں انہی موضوعات پر گفتگو بھی ہو چکی ہے۔

غزلیات کے بارے میں یہ سب جانتے ہیں کہ میر انیسؔ کی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے ہوا تھا اور اس صنف میں وہ فیض آباد کی محفلوں اور مشاعروں میں پسندیدہ نظر سے بھی دیکھے جانے لگے تھے۔ استاد حضرت ناسخ کو بھی میر انیسؔ نے اپنی غزلیں سنائی تھیں۔ چونکہ انیسؔ کی طبیعت میں غضب کا تغزل موجیں مار رہا تھا اور سارے اودھ میں چوما چاٹی شاعری کا شہرہ تھا۔ اس لیے شفیق باپ خلیقؔ نے بیٹے کو غزل کو سلام کہنے کی نصیحت کی اور عزیز استاد ناسخ نے اس وادیٔ عشق کی سرگردانی سے حزیں سرگرداں کو انیس اہل بیت بنا دیا۔ تذکرہ ''خوش معرکۂ زیبا'' میں ناصر لکھنوی لکھتے ہیں ''انیسؔ نے عہد شباب میں جب کہ وہ فیض آباد میں مقیم تھے چند غزلیں بھی کہی تھیں لیکن جب لکھنؤ تشریف لائے تو سب غزلیں یک قلم دھو ڈالیں۔

چنانچہ آج اگرچہ اردو ادب کے دامن میں میر انیسؔ کے دو سو سے زیادہ مراثی، صدہا سلام اور چھ سو کے قریب رباعیات موجود ہیں لیکن غزلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ادب کی جدید تحقیقات کی روشنی میں میر انیس کے صرف ۴۴ غزل اور پانچ مفرد شعر میر انیسؔ کے تغزل کے نمونے ہیں۔ اگر چہ یہ تمام اشعار میر صاحب کا غیر منتخب کلام ہے لیکن اس کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ میر انیس کو غزل گوئی میں دستگاہ تمام اور قدرت کامل حاصل تھی۔

جہاں تک میر انیسؔ کے دوہے کا تعلق ہے میر انیسؔ کے خاندان کے نامور فرد جو ادیب اور انیسؔ شناس بھی ہیں۔ ادبی میراث میں جو لکھتے ہیں۔ اس کو ہم من وعن یہاں نقل کر کے وہ روایت بھی بیان کرتے ہیں جس کو مزید تحقیق کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ یہ میر انیسؔ کی شخصیت اور افتادِ طبع سے میل نہیں کھاتی۔

میر انیسؔ نے قدیم فارسی داستانیں بھی پڑھی تھیں اور ممکن ہے کہ 'مہا بھارت' اور 'رامائن' کے منظر نامے بھی ان کی نگاہ میں رہے ہوں، انھوں نے اودھی باقاعدہ نہ بھی پڑھی، مگر وہ اس کے اصولوں سے بخوبی واقفیت ضرور رکھتے تھے، ہندی ادب کی بعض کتابوں میں انیسؔ کے اسے مندرجہ کبت بھی ملتا ہے۔

سنو ہو ٹپ پربھو پہپ تمھارے ہم راکھو ہمیں تو سو بھار اور یئے بڑھیں
تجھو جو ہمیں تو بلک زمانے نیک جہاں جہاں جئیں تہاں دونوں جس چھیئیں
دیس میں رہیں گے پردیس میں رہیں گے کاہو بھیس میں رہیں گے تو راد رے کہیں

متذکرہ کبت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ میر انیسؔ کا کہا ہوا ہے اسی کے ساتھ ایک روایت یہ بھی وابستہ ہے کہ انیس خود کو غیر مسلم ظاہر کر کے ایک عالم پنڈت سے 'وید' پڑھنے جایا کرتے تھے۔ جب پنڈت جی کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے پڑھانے سے انکار کر دیا۔ اس پر انیسؔ نے یہ کبت کہا۔ یہ دلچسپ روایت مزید تحقیق

ہتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ انیسؔ کو اودھی زبان سے خاصی دلچسپی اور واقفیت تھی۔ اس سلسلے میں نوبت رائے نظرؔ لکھنوی رقم طراز ہیں:

''غالباً یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ انھیں اس زبان کی شاعری سے کس قدر دلچسپی تھی۔ معتبر اشخاص کا بیان ہے کہ انھیں ہزار دوہے یاد تھے اور ان کی لطافت اثر خاص طور پر محسوس کرتے تھے۔''

شادؔ عظیم آبادی بھی بتاتے ہیں کہ انیسؔ کو ''خوب خوب دوہے یاد تھے۔ایک موقع پر انھوں نے شادؔ کے سامنے عربی کا یہ شعر پڑھا:

شرف العیون علی السیوف لانها
قتلت ولم تخرج من اجفاف

پھر اسی کے موضوع پر یہ دوہا پڑھا:

تیر تفنگ کی چوٹ سے اوٹ ہوت بچ جائے
جالم چوٹ نین کی کراوٹ ہوت بچ جائے

□□□

مصحفِ خطوطِ انیس

madblib.org

maablib.org

میر انیسؔ کے خطوط

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ نے فروری ۱۹۷۳ء میں ''آج کل'' نئی دہلی میں ایک مضمون بعنوان ''میر انیسؔ کے نادر خطوط'' شائع کیا جس میں میر انیسؔ کے سات فارسی خطوط شامل تھے۔ میر انیسؔ کی خط نویسی کے بارے میں ادیبؔ لکھتے ہیں:

''میر انیسؔ کے حقیقی نواسے میر سید علی مانوسؔ اپنے نانا کے انتقال کے وقت جوان تھے اور دس برس ان کے ساتھ انہیں کے مکان میں رہ چکے تھے۔ وہ فرماتے ہیں وہ میر صاحب اپنے ہاتھ سے خط بہت کم لکھتے تھے۔ کبھی خود عبارت بولتے جاتے تھے اور کوئی دوسرا لکھتا جاتا تھا اور کبھی صرف خط کا مضمون بتا دیتے تھے جس کو لکھنے والا اپنے لفظوں میں لکھ دیتا تھا۔ خط لکھنے کی خدمت زیادہ تر میر انیسؔ کے کسی صاحب زادے کو انجام دینا ہوتی تھی۔

میر انیسؔ اپنے خطوں میں جن لوگوں کے نام سے آداب و تسلیمات لکھا کرتے تھے، وہ اپنے تخلص سے پہچانے جاتے ہیں، اس لیے ان کے نام مع تخلص لکھے جاتے ہیں، میر خورشید علی نفیسؔ، سید عسکری رئیسؔ، میر محمد سلیسؔ، ابو صاحب جلیسؔ۔

اس عہد کا غالباً یہ عام طریقہ تھا کہ اصل خط کے شروع یا آخر میں تاریخ تحریر

نہیں لکھتے تھے بلکہ لفافے پر لکھتے تھے۔ اس لیے جن خطوط میں لفافے موجود تھے، صرف ان کی تاریخِ کتابت معلوم ہو سکتی ہے۔ ان لفافوں کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنارس میں ڈاک خانہ راج گھاٹ تھا۔ میر انیسؔ کے خطوط کے ذیل میں لفافے کی عبارت درج کرنے کے بعد خط نقل کیا جائے گا:

دولھی پور میں حکیم میر سید علی کے بڑے بڑے باغ تھے، جن میں نہایت خوش ذائقہ آم کثرت سے ہوتے تھے۔ خاص کر لنگڑا آم ان کے باغ سے بہتر کہیں نہیں ہوتا تھا اور اسی بنا پر بنارس کا لنگڑا مشہور ہو گیا تھا۔ حکیم سید علی آموں کا تحفہ بھیجنے میں بڑے حاتم تھے۔ ہر سال میر انیسؔ اور ان کے بھائیوں اور بیٹوں کو اور لکھنؤ کے بعض امیروں اور رئیسوں کو آموں کے کھانچے بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بھیجے ہوئے آموں میں لنگڑا ایک بھی نہ تھا کچھ بڑے بڑے آم تھے جو میر انیسؔ کو پسند نہ تھے۔ انھوں نے حکیم صاحب کو بہ طور شکایت لکھ بھیجا کہ یہ بڑے بڑے آم بتوں کے لائق تھے، راتب کے بہ جائے امجد علی خاں صاحب کے ہاتھوں کے لیے بہت مناسب تھے۔ اس جملے میں یک تلمیح ہے۔ شیش محل لکھنؤ کے امیر کبیر نواب امجد علی خاں نے ایک مرتبہ زیاراتِ مشاہد مقدسہ کے لیے عراق کا سفر کیا۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کے صاحب زادوں نے اُن کے ہاتھوں کی پرداخت میں اتنی غفلت کی کہ آٹھ ہاتھی مر گئے۔ جب دوبارہ زیارت کے لیے جانے لگے تو اپنے ہاتھی مہاراجہ بنارس کے یہاں بھیج دیے اور ان کی دیکھ بھال حکیم علی سے تعلق کر دی۔ حکیم صاحب نے جس وقت میر انیسؔ کو آم بھیجے اس وقت وہ ہاتھی بنارس میں موجود تھے۔

میں بھی حکیم سید علی کے بھیجے ہوئے آموں کا ذکر ہے۔

تعزیت نامہ ہے جو حکیم سید علی کی والدہ کے انتقال پر لکھا گیا تھا۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ میر اشرف مسیح ولد میر باقر مسیح میر انیسؔ کے ایک دوست تھے۔ ان کی صاحب زادی بنارس میں منسوب تھیں۔ ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ان کے سسرالی عزہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے تھے اور ان کو اپنے وطن لکھنؤ نہیں آنے دیتے تھے۔ میر انیسؔ نے یہ سفارش خط لکھ کر میر اشرف مسیح کے ہاتھ حکیم سید علی کو بھیجا تھا۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ میر سید علی کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کر دیا گیا تھا جس سے میر انیسؔ کو بڑی تشویش تھی اور انہوں نے دہلی ورجانے کا ارادہ کیا تھا، مگر اسی اثنا میں میر مونسؔ کا خط آ گیا جس سے حکیم صاحب کی فتح یابی کا حال معلوم ہوا۔

میں میر انیسؔ نے حیدر آباد کے سفر واہاں کے قیام اور وہاں سے واپسی کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔

میں علامہ مفتی میر محمد عباس شوستری کی مثنوی مَن وسلویٰ کی رسید ہے۔

□□□

چاشنی بخش کام آرزوے نورس چیبان تونہال خلف وصفا زاوراقم۔

بعد تخم کاری اشتیاق درزمین دل اخلاص منزل بامید برخوردنی از درخت فیض صحبت سراپا برکت عرض می دہد۔ از رسیدن سبدی صدودی ویک انبہ شیریں ادا میوۂ مراد منتظران بہار رسید۔ چہ گونہ شکر ایں نعمت ادا کنم کہ لب از لب جدا نمی شود۔ وزہ نبات وقند مصری خواند نمی توانم، چہ کہ آں سخت ادا ایں نزاکت ولطافت از کجا آرد۔ لب ہر س ہ بردہن یا قاش نازکش رسید بے نیاز از بوسۂ شیریں لباں گردید۔

بار انبہ ہائے بزرگ کہ سی ویک بودند چونکہ بر سکبتر ان کہ زیر دست زبردستان بودند افتاد۔ اکثر فرسودہ وژولیدہ بودند۔ اما انبہ ہائے طبقۂ ثالث کہ "الثالث بالخیر" ہمہ محفوظ وچست ودرست بودند۔ وفی الواقع کہ بعد انبہ قسم لنگڑا انبہ ہر دو طبقہ کہ ما معین بودند۔ بسیار شیریں ولطیف۔ سوائے لنگڑا بہتر ازیں انبہ دیگر نیست۔ ہر چہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر انبہ کلاں کہ لائق بزرگان ہستند ناپسند وگاہے لذت آشنائے ایں کمترین خلائق بنودہ ونیست۔ بہ جاے راتب وفیلانِ جناب امجد علی خاں بہادر بس مناسب بودند۔ گستاخی معاف، از ردان، خطا واز بزرگان عطا۔ در خرداں کہ تلاش قسم لنگڑا نمودم، بسیار جستم، کم یافتم، یکے ہم نبود۔ عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است۔ زیادہ چاشنی عمر وحلوت زندگانی روزی باد۔

بہ خدمت سراپا عنایت جناب حکیم سید صادق صاحب عرضِ سلام نیاز بہ صد شوق ملاقات وبہ نور چشمان دعائے عمر درازی باد۔ میر خورشید علی ومیر محمد وسید عسکری عرض تسلیم می نمایند۔

حررہ عبدہ المذنب العاصی

انیس عفی اللہ عنہ

تمنا کے ذائقہ کی شیرینی، تازہ نو بہار میوۂ باغ، پاک دوست مرد خدا جو محبت سے لبریز ہے۔ خلوص دل کی زمین میں چاہت کا بیج بونے کے بعد پھل حاصل کرنے کی برکت آپ کی فیض رسانی کی وجہ سے ہے۔ ایک سو اکتیس (۱۳۱) میٹھے آم تحفۂ بہار کی شکل میں پہنچے۔ بڑے آم جو اکیس تھے ان کے وزن سے جو چھوٹے نیچے قرار دیئے گئے تھے وہ سڑے گلے ہو گئے لیکن جو آم بیچ میں تھے وہ ''الثالث بالخیر'' کی طرح محفوظ اور ٹھیک ٹھاک رہے۔ درحقیقت لنگڑا آم کے بعد یہ دونوں طبقوں کے آم بہت عمدہ اور میٹھے ہیں۔ صرف لنگڑا کے سوا ان آموں سے بہتر کوئی آم نہیں۔ جتنے آم چھوٹے ہیں۔ اتنے بہتر ہیں۔ بڑے آم تو اس حقیر کی نظر میں کبھی پسندیدہ نہ تھے۔ یہ نواب امجد علی خاں کے ہاتھیوں کی روزمرہ خوراک کے لیے مناسب ہیں۔ گستاخی کی معذرت چھوٹوں کی خطا اور بزرگوں کو بخشش ہوتی ہے۔ چھوٹے آموں میں لنگڑا کی قسم کو کافی ڈھونڈا لیکن ایک بھی نہ ملا۔ آپ کی عمر لمبی ہو یہ بھی غنیمت ہے۔ آپ کی عمر اور زندگی کی شیرینی میں اضافہ ہو۔ جناب حکیم سید صادق صاحب جو مجسمۂ مہربانی ہیں مرا اسلام اور ان سے ملاقات کے شرف کو پہنچا دیجیے۔ بچوں کی عمر دراز ہو۔ میر خورشید، میر محمد اور سید عسکری تسلیم عرض کرتے ہیں۔

حررہ بندہ گناہ گار و تقصیر کار

انیس عفی اللہ عنہ

انشاء اللہ العزیز خط ہذا در شہر بنارس رسیدہ آں جا بہ دلی پور فیض گنجور بہ سخا معمور بہ مطالعۂ جناب حکیم صاحب علی شان والا دودمان جناب حکیم سید صادق زاد راقلمم فائز باد۔

محررہ انیس

روانہ از لکھنؤ محلہ سبزی منڈی، بیرنگ

مرقوم ہفتم ماہ حال حولۂ قطمیرات

(اس عبارت میں "مرقوم ہفتم ماہ حال" کے الفاظ سے لکھنے کی تاریخ تو معلوم ہو گئی مگر مہینہ اور سال معلوم نہ ہوا۔ اس لفافے پر ڈاک خانے کی جو مہریں پڑی ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۹ر جولائی ۱۸۷۰ء کو لکھنؤ سے چلا اور ۱۰ر جولائی کو بنارس اور ۱۱ر جولائی کو راج گھاٹ پہنچا۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا تھا کہ یہ خط ۷ر جولائی ۱۸۷۰ء کو لکھا گیا ہوگا لیکن انیسؔ ہمیشہ عربی مہینے اور ہجری سال سے وقت کا حساب لگاتے تھے اور ان کے زمانے میں عام دستور بھی یہی تھا اس لیے بلاشبہ "ہفتم مہ حال" سے ۷ر ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ مراد ہے کہ یہ تاریخ ساتویں یا آٹھویں جولائی ۱۸۷۰ء کے مطابق تھی)

جناب حکیم صاحب عالی مناقب، والا مراتب مشفقی مکرمی دام مجدہم

بعد عرض سلام و اشتیاق دیدار فرحت آثار کہ مزید براں متصور نیست، واضح رائے عالی می گرداند والحمد للہ کہ فقیر ہنوز جامۂ حیات بہ بردار دو برائے صحت و سلامت آں محبوب القلوب وما یتعلق بکم از جناب باری تعالیٰ مسئلت دارم۔

نامۂ نامی و صحیفۂ گرامی رجسٹری شدہ بہ تاریخ نوزدہم بہ فقیر رسید بر کوائف مرقومہ مطلع ساخت۔ ہماں وقت آدم را بر اسٹیشن لکھنؤ فرستادم۔ اسٹیشن ماسٹر گفت کہ فردا بعد نواختن یازدہ گھنٹہ بہ بائید بہ برید۔ روز دوم کہ تاریخ بستم بود باز آدم بروقت رسید۔ وقت سہ پہر انبہ آورد۔

دیدم کہ چوب ہائے نے کہ جناب بر سبد چیدہ و بستہ بودند مع ناٹ بالائی از چاقو یا آری بریدہ اند۔ وقت شماری وشش انبہ کم شدہ و قریب بست ہفت انبہ سیاہ و بوسیدہ و فرسودہ شدہ بودند۔ بہ عزیزان و احباب جناب سید تقی صاحب قبلہ کہ خیلے مشتاق بودند و نواب امجد علی خاں بہادر فرستادم۔ ہمہ محفوظ و یک زبان اندہ کہ چنین انبہ نہ خوردہ ام۔ تکلیف بسیار فرمودند۔ خانہ احسان آباد باد۔ مردمانِ اسٹیشن لکھنؤ در صنعت سرقہ عدیل نہ دارند۔

عجب وبس عجب کہ دریں مدت کدام خط مثل جناب حکیم صاحب جناب ہم شفقت نفرمودند کہ خاطر متردد و نگراں بود و شکایت از حکیم صاحب بروقت ملاقات اگر خدا ہم خواستہ باشد خواہد شد۔ اگر حیات وفا می کند و صحت می ماند، امسال بعد محرم الحرام حرکت را بر سکون راجح می دانم۔ آیندہ اختیار خدا است۔ حال من این کہ یک ہفتہ ہم از صحت نمی گزرد۔ بہ خدمت جناب حکیم صاحب قبلہ عرض سلام بہ صد شوق و شکایت قبول باد۔ بہ نور چشم، راحتِ جانِ اقبال نشان سید ابراہیم طال عمرہٗ دعا و دیدہ بوسی رسانید۔ بہ خدمت جناب ناصر صاحب و قبلہ عرض بندگی۔

از جناب میر خورشید علی و سید عسکری و میر محمد و ابو صاحب عرض تسلیمات بہ صد آرزوئے قدم بوسی قبول باد۔ زیادہ چہ مکلف شود۔

□□□

انشاء اللہ عزیز یہ خط شہر بنارس پہنچ کر دلی پور میں زیر مطالعۂ جناب حکیم صاحب اعلیٰ شان بلند مرتبت قرار پائے جو بخشش کے خزانچی اور سخاوت سے بھرپور حکیم سید صادق مہربانی بلند مقام کے خاندان سے ہیں۔

محررہ انیس

سبزی منڈی محلہ لکھنؤ سے بیرنگ روانہ کیا گیا

جناب حکیم صاحب بلند مرتبت صاحب عالی صفات میرے شفیق ومکرم آپ کی بڑائی ہمیشہ رہے، سلام کے بعد یہ عرض ہے کہ آپ کے دیدار سے جو خوشی حاصل ہوگی اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ آپ پر روشن ہے کہ یہ فقیر ابھی جامۂ حیات تن کئے ہوئے ہے اور اپنے قلبی حبیب کی صحت اور سلامتی خدا متعال سے خواستگار ہے۔

آپ کا گراں قدر صحیفہ رجسٹری کیا ہوا خط۔ انیس تاریخ کو مجھ فقیر کو ملا اور خط کے متن سے اطلاع پا کر اسی وقت لکھنؤ کے اسٹیشن پر آدمی بھیجا گیا۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا کہ کل ۱۱ بجے دن آکر لے جائیں۔ دوسرے دن بیس (۲۰) تاریخ کو وقت مقررہ پر آدمی پہنچا اور سہ پہر آم لے کر آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے جو بانس کی تیلیاں جو ٹوکرے پر باندھی تھیں ان کو چاقو یا آرے سے ٹاٹ کے ہمراہ کاٹا گیا ہے چنانچہ چھبیس آم کم تھے اور تقریباً ستائیس آم کالے اور سڑے ہوئے تھے۔ رشتہ دار احباب سید تقی صاحب قبلہ جو مشتاق تھے اور نواب امجد علی خاں صاحب کو آم بھیجے گئے۔ سب نے آموں سے لذت اٹھائی اور سب نے کہا کہ ایسے آم کبھی نہیں کھائے؟ آپ نے بڑی تکلیف کی۔ آپ کا خانہ احسان آباد رہے۔ لکھنؤ اسٹیشن کے افراد چوری کے ہنر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

تعجب ہے کہ اس دوران کوئی خط حکیم صاحب کا ایسا نہ ہو کہ جس دن وہ شفقت نہ

فرمائیں اور میری خاطر نگرانی ورثا کی اگر خدا چاہے تو وقت پر ملاقات ہوگی۔ اگر زندہ رہوں اور صحت ساتھ دے تو اس سال محرم کے بعد سفر کو حضر پر ترجیح دوں گا۔ آگے سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میرا یہ حال ہے کہ ایک ہفتہ میں تندرستی نہیں رہتی۔ جناب حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام پہنچا یئے۔ خلوص دل سے ان کی شکایت قبول۔ نور چشم راحت جاں، اقبال نشاں سید ابراہیم طول عمرہ کو دعائیں اور پیار۔ جناب ناصر صاحب قبلہ کو میری بندگی پہنچائیں۔ میر خورشید علی، میر عسکری، میر محمد، ابو صاحب کی جانب سے تسلیمات عرض ہیں۔ صد آرزوؤں سے قدم بوسی کا شرف قبول ہو۔ زیادہ اور کیا تکلیف دوں۔

□□□

maablib.org

انشاء اللہ العزیز خط ہٰذا در شہر بنارس رسیدہ واز آں جا بہ دولی پور بہ مان حکیم صاحب بہ شرف مطالعہ جناب حکیم صاحب عالی مناقب والا مراتب جناب حکیم سید علی صاحب و جناب سید صادق صاحب زاد عنایا تکم مشرف باد۔

محررہ انیس عفی اللہ عنہ

روانہ از لکھنؤ محلہ سبزی منڈی، ''بیرنگ''

(اس خط کے لفافے پر ڈاک خانے کی جو مہریں پڑی ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۲۵ ر ستمبر ۱۸۷۰ء کو لکھنؤ سے روانہ ہوا اور ۲۷ ر کو راج گھاٹ بنارس پہنچا۔ ۲۵ ر ستمبر ۱۸۷۹ء کو ۲۸ ر جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ تھی)

جناب حکیم صاحب عالی مناقب والا شان منہل عنایت و منبع رافت و احسان زاد عنایتکم غم نامۂ جاں گرما، روح فرما گزا و روح فرسا کہ از ہر فقرہ اش بوے کباب دل و خون ناب جگر بہ مشام جان تیر بختان و سراسیمگان بہ وادی غموم می رسید، وصول گشتہ بموجب اشتعال و التہاب نوائر حسرت و اندوہ گردید۔ چہ بگویم و چہ بنویسم کہ ہر لحظہ و ہر آن از تراکم ہموم و غموم بہ چہ عنوان بسر می شود۔ گاہے خیال الطاف و اشتیاق بزرگانہ آں مرحومۂ مغفورہ و مستغرق دریاے مغفرت سیلاب اشک از دیدہ رواں و گاہے تصور خیال باقی ماندگاں کہ یک جا انجماد دل در آتش حسرت بریاں۔ فریاد از نیرنگی زمان غدار کہ ہیچ ذی حیاتے فرصت دم زدن و نفس راست کردن نہ می باید۔ انچہ بر دل این مجبور درین الم گذشتہ و می گذرد فو سبحانہٗ تعالیٰ آگاہ است کہ لذت چشیدہ ایم ماتم عظیم و روح فرسا ہستم۔ خصوصاً تصور این معنی کہ درین ماتم بر آں جناب و حکیم سید صادق صاحب چہ گذشتہ باشد بے تاب و گریان ام و عدم رسیدن خود درایں سانحۂ جاں کاہ و شریک نہ بودن دریں ماتم، صدمۂ دیگر۔ چہ کند، زمین سخت و آسمان دور بہ جز

مصابرت چارۂ نیست۔ چونکہ جناب خود فہمیدہ و سنجیدہ اند چیزے نوشتن حکمت بہ لقمان وارشمیدس آموختن است۔ پابند رضاے الٰہی باشند، کہ این جہان گزراں گذشتنی و گذاشتنی است۔ ہر ذی حیات را ہمیں راہ درپیش حق سبحانہ تعالیٰ از فضل عمیم خود سایہ آں جناب و سایہ سید صادق صاحب را بر سر وابستگان خود مبسوط و مستدام داراد۔ باقی ماندہ ہاے آں مرحومہ مغفورہ را بہ دلداری و دل دہی تشفّی بخش باشند۔ مکرر عرض این کہ بہ تصور حال سید صادق صاحب چشم من گریاں و دلم کباب است۔ از حال ایشاں درین ماتم غفلت نہ فرمایند۔

بعد انقضاے مدت چہلم آں مرحومہ بہ پاس خاطر این فقیر سراپا تقصیر رخصت عنایت فرمایند، کہ ایں جا آمدہ دو سہ ماہ توقف درزندہ کہ تشفّی خاطر این مہجور خواہد بود و باعث تفریح و تسکین ایشان نیز خواہد شد۔ زبانی میر برکت حسین معلوم شدہ کہ علیل ہستند۔ زیادہ تر پریشان و مضطرام کہ درحالت عارضہ این کوہ الم برایشان افتاد۔ بہ ایں حال نقل و حرکت بہ جانب این دیار بہ کلبہ فقیر ضرور۔ و استعلاج ہم ہمی جا مناسب۔ آیندہ صلاح ماہمہ آنست کان صلاح جناب۔

برائے مرثیۂ کہ ایما فرمودہ اند حاضر۔ تا جان از جناب عزیز ندارم مرثیہ چیست۔ صورت ایں کہ دریں عرصہ از چند سال علیل ماندم و شغل خواندگی یک قلم ترک بود۔ گاہے توجہ جانب مرثیہ گفتن نہ داشتم۔ از اصرار بعض احباب قسم سر جناب کہ دو مرثیہ گفتہ ام کہ ہنوز بہ تمامی نہ رسیدہ۔ لیکن برائے خواندن کافی اند۔ چونکہ بہ علالت موزوں شدہ اند سرسری اند۔ مثل مرثیہ ہا کہ بہ درزی تباہ شدند، برابری نہ می تواند نمود، و خواندن ایں ہر دو مرثیہ خوانندہ را بے از من چندروز خواندن چہ عجب کہ دشوار باشد و نہ فہمد کہ این بندہا را چہ گونہ می خوانند۔ مرثیہ حاضر است طلب فرمایند و امتحان کنند۔

چونکہ عادت وقائع نویسی و افسانہ سنجی نہ دارم این قدر بس کہ روزے جناب صادق از

این جا عازم وطن مالوف بودند و برائے رخصت نمودن جناب موصوف آں جاں رفتہ بودم، از برادر مہرباں[1] ہمانجا ملاقات شدہ بود۔ وائی الان باز نہ دیدہ ام ونہ ملاقات شد۔ اگرچہ از پاس حکیم صاحب انچہ بریں جبر رفت، رفت۔ خوشنودم ومشکور۔ شکوہ اندازۂ ظہوری نیست۔ بہ دعا قصہ مختصر کرد است۔ ظاہراً مرثیہ من شاید نمی خوانند ومرثیہ نواب[2] البتہ شنیدہ ام کہ می خوانند۔ اجمال است۔ مفصل عندالملاقات اگر مرگ فرصت خواہد داد۔ آیندہ فقیر تابع ارشاد۔ ہرچہ فرمایند بہ عمل آید۔

چونکہ مقدمہ واحد بود خطت جداگانہ۔ بہ سید صادق صاحب نہ نوشتم۔ ایں خط بہ ملاحظہ ایشان نیز خواہد گذشت۔

از جانب سید خورشید علی وسید عسکری وسید محمد عرض آداب وتسلیم قبول باد۔

بہ خدمت سید ابراہیم دعائے عمر درازی رسانند

---

[1] ۔ برادر مہربان میر انیسؔ۔

[2] ۔ میر نواب: مونسؔ۔

انشاء اللہ عزیز یہ خط شہر بنارس پہنچ کر دلسی پور میں بمکان حکیم صاحب عالی شان بلند مرتبت اور حکیم سید علی صاحب اور جناب سید صادق صاحب برائے مطالعہ پہنچے۔

محررہ

انیسؔ

تقدس مآب بلند مرتبت چشم عنایت، منبع مہربانی اور احسان جناب حکیم صاحب، آپ کا درد وغم بھرا خط ملا جو جان نکالنے اور روح کو تڑپانے والا تھا جس کے ہر فقرے سے دل وجگر کے کباب ہونے کی بو بدنصیبوں اور بدبختوں کی جانوں تک پہنچی، آتش غم اور سوزش نے حسرتوں کو خاکستر کر دیا اور غم بھر دیا۔ کیا کہوں اور کیا لکھوں کہ ہر لحظہ غم کی شدت سے برا حال ہو رہا ہے۔ کبھی مرحومہ کی بزرگانہ شفقتوں کا خیال آنکھوں سے سیلاب اشک بہاتا ہے تو کبھی پسماندگان کے تصور غم سے دل حسرت کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ غدار زمانے کی چالوں سے فریاد ہے کہ کسی زندہ کو دم مارنے اور سانس ٹھیک کرنے کی مہلت نہیں دیتا۔ میرے رنجیدہ دل پر جو اس وقت گزر رہی ہے خدا اس سے واقف ہے کہ میں بھی اس روح کے تڑپنے کا مزہ چکھا ہوا ہوں۔ اس خیال اور تصور سے بے چین ہوں کہ اس درد انگیز سانحہ سے آپ پر اور سید صادق پر کیا گزر رہی ہے اور اس سانحہ پر غم جو جان لیوا ہے میں خود نہ پہنچ کر شریک غم و ماتم نہ ہوں اس کا صدمہ زیادہ ہے کیا کروں، زمین سخت، آسماں دور، اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ آپ خود سمجھ دار اور سنجیدہ ہیں۔ آپ کو کچھ لکھنا لقمان اور ارشمیدس کو سبق پڑھانا ہے۔ رضائے الٰہی کے پابند رہیے کہ دنیا گذشتنی ہے۔ ہر ذی حیات کو یہی راستہ طے کرنا ہے۔ خدا عالم سے دعا ہے کہ آپ اور سید صادق صاحب کا سایہ وابستگان پر ہمیشہ رہے اور پسماندگان مرحومہ کی دل داری اور دل دہی کا سامان بنے رہیں۔ مکرر یہ عرض ہے کہ سید صادق صاحب کی

حالت کے تصور سے آنکھ گریاں اور دل کباب ہے۔ مرحومہ کے چہلم کے بعد میرا خیال اور خاطر کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو اجازت دیجئے کہ یہاں آ کر دو تین مہینے قیام کریں تو میری تشفی خاطر اور ان کے بھی سکون کا باعث ہوگا۔

میر برکت حسین کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں۔ میں اس سے مزید پریشان ہوں کہ مرض میں ان پر یہ غم کا پہاڑ ٹوٹا۔ اس صورت میں ان کا میرے پاس آجانا مفید اور لازم ہے اور ان کا علاج بھی یہیں مناسب ہوگا۔ آگے جو آپ کی صلاح وہی ہم سب کی بھی صلاح ہے۔

مرثیے کی بابت جو آپ نے فرمایا ہے حاضر ہیں۔ میری جان تک آپ سے عزیز نہیں مرثیہ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ اس دوران بیمار رہنے کی وجہ سے مرثیہ تمام تر ترک ہوگیا اور مرثیہ نگاری کی بھی طرف توجہ نہ رہی۔ بعض احباب کے مسلسل اصرار سے آپ کے سر کی قسم دو مرثیے کہے ہیں جو ابھی ناتمام ہیں لیکن پڑھنے کے لئے کافی ہیں۔ چونکہ بیماری میں نظم ہوئے ہیں اس لیے سرسری ہیں اس لیے یہ مرثیے ان مرثیوں کے مقابل میں نہیں آسکتے جو چوری ہو گئے اور ان دونوں مرثیوں کو میرے بغیر پڑھنے والے کے لیے دشواری ہوگی کیونکہ وہ سمجھ نہیں سکے گا کہ ان بندوں کو کس طرح پڑھا جائے۔ مرثیہ حاضر ہے حاصل کر کے امتحان کیجئے۔

مجھے واقعہ نگاری اور افسانہ نویسی کی عادت نہیں۔ بس اتنا لکھنا کافی ہے کہ جس دن جناب صادق صاحب یہاں سے وطن واپس ہو رہے تھے اسی دن وہیں ''برادر مہربان'' سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر انھیں نہیں دیکھا اور نہ ملاقات ہوئی۔ اگرچہ سید صادق صاحب کی خاطر جو طبیعت پر جبر کیا وہ کیا میں اس کے لئے خوش اور مشکور ہوں۔ شکایت طریقہ ظہوری نہیں۔ دعا سے قصہ مختصر کرتا ہوں۔ اب شاید وہ (انیس) میرے مرثیے نہیں پڑھتے۔ میر نواب کے

مرثیے البتہ پڑھتے ہیں۔ یہ مختصر روداد ہے۔ اگر موت نے فرصت دی تو مفصل ملاقات کے وقت آئندہ نیز آپ کے ارشاد کا تابع رہوں گا جو آپ فرمائیں گے وہی ہوگا۔ کیونکہ متن ایک ہی تھا اس لئے سید صادق صاحب کو جداگانہ خط نہیں لکھا۔ یہ خط آپ ان کو بھی مطالعہ کے لیے دے دیں۔

سید خورشید علی، سید عسکری اور سید محمد کی جانب سے آداب اور تسلیمات قبول ہوں۔ سید ابراہیم کی خدمت میں دعائے طول عمر پہنچا ئیں۔

□□□

انشاء اللہ المستعان بہ خدمت والا درجت جناب حکیم صاحب عالی مناقب والا مراتب جناب حکیم سید علی صاحب قبلہ دامت برکاتہم مشرف باد۔

حررہ انیس عفی اللہ عنہ

تاریخ بست وششم شعبان المعظم ۱۲۸۸ھ

(اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط ۲۶ رشعبان ۱۲۸۸ھ کو لکھا گیا اور خط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دستی بھیجا گیا تھا اس لیے اس کے لفافے پر ڈاکخانے کی کوئی مہر نہیں ہے۔)

جناب حکیم صاحب عالی مناقب، والا مراتب، مخزن قانون اخلاق، معدن جواہر اشفاق دامت برکاتہم۔ پس از تحفہ سلام مسنون وآرزوے ملاقات محبت مشحون کہ بہ تحریر نہ می گنجد واضح خاطر باد للہ الحمد والمنتہ کہ ہنوز جامۂ حیات مستعار در بردارم و برائے صحت و سلامتی آں جناب و ما یتعلق بکم لیلاً ونہاراً دست بہ دعا دارم۔

از رفتن برادر میر نواب طال اللہ عمرہ بہ سوئے عتبات عالیات کہ مفارقت روداده صدمۂ روحانی کہ لاحق حال گردیده قابل بیان نیست واغلب کہ آں قبلہ را ہم مثل فقیر ملالے حاصل شده باشد۔ حق تعالیٰ اوشان را مع الخیر والعافیۃ مشرف بہ زیارت فرماید۔ و باز مع الصحت مراجعت نمایند۔

ومعلوم باد کہ جناب میر اشرف مسیح صاحب ولد میر باقی مسیح صاحب مرحوم کہ از عالی ہومان ویکے از دوستان فقیر اند بہ ذریعۂ نمیقۂ ہذا بہ خدمت والا تشریف می آرند۔ وجہش ایں کہ دختر ایشان در شہر بنارس منسوب بود۔ بعد فوت شوہر اقربائے شوہر آن مانع آمدن لکھنؤ اندو صدمات وملال انواع واقسام می دہند۔ امید کہ ہمہ کیفیت وحال از زبانی ایشان سماعت

فرمودہ حامی ومعین باشند واز جانب فقیر بہ خدمت فیض درجت جناب تقدس مآب مستغنی عن الالقاب جناب قبلہ وکعبہ مولوی گلشن علی صاحب دام مجدہ وفیض عرض رسانند کہ جناب والا ہم ممد ومعاون ایشان باشند ودر مخلصی دختر ایشان از دست عزیزان شوہر آں سعی فرمایند، بعید از احسان نہ خواہد بود۔

وبہ خدمت والاے جناب سید صادق پس از سلام شوق وتمناے ملاقات معلوم باد کہ از استماع بے اعتدالی مزاج مبارک کہ گاہ گاہ لاحق دشمنان آن کرم فرمانہ می شود کمال ترددلاحق حال می ماند حق تعالیٰ بہ صحت وعافیت دارد بہ حق محمد وآلہ الامجاد۔ وبرکوتاہ قلمی حقیر نظر نہ فرمودہ خطے علیحدہ از دست مبارک خود مع کیفیت مزاج زیب رقم فرمایند کہ باعث طمانیت خاطر گردد۔

وبہ خدمت فیض درجت جناب قبلہ معظم ومکرم جناب ناظر صاحب تسلیم بہ خدمت سراپا ادت جناب مولوی سید تفضل حسین صاحب بندگی بہ خدمت برادر عالی اوشان سلام برسد وبہ خدمت ہمہ احباب الوالالباب سلام قبول باد وبہ سید ابراہیم صاحب وبرادرش دعاے مزید عمر وترقی علم وجاہ برسد۔

واز جانب خورشید علی وسید عسکری وسید محمد وابومحمد ودولھا صاحب تسلیمات قبول باد۔

فقط۔

انشاءاللہ مستعان یہ خط بلند مقام اعلیٰ اوصاف حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں پہنچے۔ جن پر ہمیشہ برکات چھائی رہیں۔ جناب حکیم صاحب تقدس مآب بلند مرتبت گنجینۂ اخلاق معدن جواہر اشفاق آپ پر ہمیشہ برکات کا سایہ رہے۔ سلام مسنون کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اس تحریر میں اس کی گنجائش باقی نہیں کہ میں آپ جیسی محبت بھری شخصیت سے ملاقات کی خواہش بیان کرسکوں۔ یہ خدا کا شکر اور احسان ہے کہ ابھی زندہ ہوں اور آپ کی صحت وسلامتی کی دعا کرتا ہوں۔

برادر میر نواب کے عتبات عالیات کو جانے سے جو جدائی پیش آئی ہے اس کا روحانی صدمہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خیریت کے ساتھ زیارات سے مشرف کرے اور وہ صحت کے ساتھ واپس آئیں۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جناب میر اشرف مسیح صاحب فرزند میر باقر مسیح صاحب مرحوم جو میرے دوستوں میں ہیں اور عالی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس خط کے ساتھ آپ کی خدمت میں آرہے ہیں۔ اس کی وجہ ان کی بیٹی جو بنارس میں بیاہی گئی تھی۔ اس کے شوہر کے مرنے کے بعد سسرال کے لوگ اس کو لکھنؤ نہیں آنے دیتے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچارہے ہیں۔ امید ہے کہ آپ صاحب نامہ کی زبانی پوری کیفیت اور حالات سماعت فرما کر ان کی مدد فرمائیں۔ اس فقیر کی جانب سے قبلہ وکعبہ تقدس مآب مولوی گلشن علی صاحب کی خدمت میں فرمائیں کہ وہ اس ضمن مدد کریں اور ان کی بیٹی کو سسرال والوں سے خلاصی دلانے میں مدد فرمائیں تو بڑا احسان ہوگا۔

جناب گرامی سید صادق صاحب کو سلام شوق اور تمنائے ملاقات کے ذکر کے بعد گاہی وقت جو مزاج مبارک میں ناسازی پیدا ہوجاتی ہے خداوند عالم بطفیل محمد وآل محمد صحت اور

عافیت عطا کرے وہ میری تحریر مختصر پر نظر نہ رکھتے ہوئے ایک علاحدہ خط اپنے دست مبارک سے اپنی مزاج کی کیفیت مفصل بیان کریں تو باعث اطمینان خاطر ہوگا۔

قبلہ مکرم ومعظم جناب ناظر حسین صاحب کی خدمت میں تسلیمات، مولوی سید تفضل حسین کی خدمت میں بندگی اور ان کے بھائی کی خدمت میں سلام پہنچائیے۔ تمام احباب دانشمند کی خدمت میں ہمارا اسلام قبول ہو۔ سید ابراہیم صاحب اور ان کے بھائی کی عمر دراز ہو اور ان کے علم ومنزلت میں ترقی ہو۔

میر خورشید علی، سید عسکری، سید محمد اور ابو محمد دولھا صاحب کی جانب سے تسلیمات قبول کیجیے۔

□□□

جناب حکیم صاحب عالی، والامراتب مشفقی مکرم زادرافتم۔

بعد سلام واشتیاق ملاقات کہ مزیدے برآں متصور نیست واضح رائے عالی باد الحمدللہ والمنتہ کہ حال خاکسار قرین حمد ست وصحت وسلامت ذات والاصفات بہ درگاہ مجیب الدعوات مسئلت دارم۔ عنایت نامہ گرامی ہم دست جناب سید احمد مع دوتھان گل بدن سبز واودہ رسیدہ۔ اوسبحانہٗ تعالیٰ بہ ایں یاد آوری بہادیر گاہ بہ اقبال داشتہ از آفات ارضی وسماوی مصؤن دار ادبہ حق محمد وآلہ الامجاد۔

حال تردد وتفکر جناب از خطے کہ بہ میر خورشید علی سرفرازی بخش شدہ بوددریافت شدہ، تردوے کہ لاحق فقیر گشتہ قابل عرض والتماس نیست۔ استدعائے دعا از جناب مولا مجتہد العصرو الزماں نمودم۔ درنماز جماعت کہ قریب دوصد آدم ظہر ومغرب مجتمع می شوند فقیر نیز بہ سبب قرب مکانی حاضری شوم، نمودم۔ ہروقت دعاے صیانت ازیں معرکہ ماندودرخانہ خردوبزرگ درنماز پنج گانہ دعا می نمودند ونذری نمودند۔ درمجالس نیز ہمیں حال بود کہ بعد گریہ وبکا مومنین مستدعی حفاظت جناب سید صادق بہ زبان داشتند۔

دریں شدت انتشار حال وتشتت بال خط میر محمد محسن رسیدہ از عبارت آن نیزمی ترادید کہ مقدمہ پرخوف است۔ خدا اعانت نماید۔ بے تاب شدہ خواستم کہ روانہ شدہ شریک حال جناب باشم کہ صبح آں رقعہ، میر نواب رسیدہ کہ فتح عزیمت فرمایند کہ خط فتح یابی رسید۔ سجدات شکر بہ درگاہ خداے بزرگ وبرتر بجا آوردم بہ تاریخ بست وہفتم بعد مجلس خانہ کہ میر عسکری می نمایند از نذر جناب مولانا علی ابن ابی طالب علیہ الف الف تحیۃ والسلام کہ عقدہ کشائے عالم اند فراغ حاصل نمودم۔ شکر کہ بہ خیر گذشت والامقام خوف بود۔ حق ہمیشہ کامیاب وسرسبزو محفوظ ومصؤن دارد۔

حال ضعف و نیرنگی زمانہ اگر بہ قلم بہ دہم باعث ملال طبع سامی خواہد بود۔ التماس دعا دارم۔ در مقدمہ تھان ہائے مرسلۂ جناب ایں قدر مکلف ام کہ پانزدہ روپیہ برائی دو پارچہ دست میر خورشید علی بہ جناب فرستادہ بودم۔ دو تھان کہ مرحمت شد بہ چہ قیمت تیار شدہ۔ فقیر را مطلع فرمایند کہ ضروریست و فیما بین بندہ و جناب امرے نیست کہ محتاج بیان باشد۔ الاضرور مفصل برنگارند۔

جناب سید صادق صاحب بعد ہزاراں ہزار اشتیاق ملاقات سلام شوق وزیادہ چہ عرضہ دہد۔ بہ خدمت جناب سید تفضل حسین خاں صاحب و جناب ناظر صاحب عرض نیاز و سید ابراہیم را بعد چسپانیدن بہ گلو دعائے دیدہ بوسی رسانند۔ دیگر بہ خدمت عزیزان خود وجار عرض سلام۔

محررہ انیس عفی اللہ عنہ

جناب حکیم صاحب عالی مناقب، والا مراتب، مشفق مکرم زاد دراقتم۔

سلام اور ملاقات کی خواہش کے بعد خدا کا شکر ہے کہ بندہ کا حال موجب تشکر ہے اور جناب عالی کی صحت وسلامت درگاہ مجیب الدعوات سے مانگتا ہوں۔ آپ کا محبت نامہ گل بدن کے دو تھان سبز اور اودہ کے ساتھ ہمراہ سید احمد پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے فراہم کرنے پر آپ کے مرتبے میں اضافہ کرے اور زمینی اور آسمانی آفتوں سے محمد وآل محمد کے طفیل میں محفوظ رکھے۔ آپ کی پریشانی اور مشکل حالات جو میر خورشید علی کے خط میں لکھے گئے تھے معلوم ہوئے اور فقیر کے لیے ناراضی کا سبب ہوئے جس کا ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ مجتہد العصر مولانا سے دعا کی درخواست کیا۔ نماز جماعت ظہر اور مغرب میں دو سو لوگوں کا مجمع ہوا جس میں فقیر نے بھی کیونکہ گھر کے قریب تھا شرکت کی۔ ہر وقت دعائے حفاظت اس معرکہ سے نجات کی ہوئی اور گھر میں بڑے چھوٹے نماز پنجگانہ میں دعا کرتے رہے اور نذر مانگتے رہے۔ مجالس میں بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ گریہ وزاری کے بعد مومنین آپ کی اور سید صادق کی حفاظت کی دعا کررہے تھے۔

اسی شدید پریشان حالی میں میر محمد محسن کا خط ملا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ بہت خطرناک ہے۔ خدا کرم کرے۔ بے چین ہوگیا۔ دل نے چاہا کہ سفر کروں اور آپ کے حال میں شریک ہوں کہ صبح کے وقت میر نواب کا خط ملا جس میں اس مقدمہ کی پیروزی کی خوش خبری تھی۔ سجدہ شکر بجالایا اور ۲۷ رتاریخ کو میر عسکری کی گھر کی مجلس کے بعد مولا علیؑ جن پر ہزار ہزار برکات اور سلام ہوں نذر دیا اور شکر ادا کیا کہ خوف اور خطرناک مرحلہ خیر سے گزر گیا۔ اللہ آپ کو ہمیشہ کامیاب اور پھلا پھولا اور محفوظ حفاظت میں رکھے۔ اگر زمانہ کی سختی اور مکاری کو لکھوں تو جناب عالی کی طبیعت پر رنج وملال طاری ہوگا۔ آپ سے دعا کی التماس ہے۔

در بارے تھان جو بھیجے گئے پندرہ روپے میر خورشید علی کے ساتھ بھیجا تھا جو دو تھان کی قیمت کیا قرار پائی ضرور فقیر کو مطلع کیجئے جو آپ اور میرے درمیان رہے گا۔ کوئی اور چیز نہیں جس کو بیان کروں ورنہ ضرور تفصیل سے لکھتا۔

جناب سید صادق صاحب کو ہزاروں ہزار سلام اور ملاقات کی آرزو کا پیغام دیجئے۔ جناب سید تفضل حسین خان صاحب اور جناب ناظر صاحب کو تسلیمات اور سید ابراہیم کو گلے لگا کر آنکھوں پر پیار کر کے دعا دیں۔

دیگر تمام عزیزان اور متعلقین کو سلام۔

حررہ

انیس عفی اللہ عنہ

□□□

maablib.org

انشاء اللہ العزیز خط ہذا در بنارس بہ دولت سرائے حکیم میر سید علی صاحب رسیدہ یا بہ دلی پور رسانیدہ از آنجا بہ مطالعۂ برادر بہ جاں برابر عزیز از جان اقبال نشان میر نواب صاحب مونسؔ سلمہٗ اللہ تعالٰی برسد۔

روانہ از حیدرآباد دکن محلہ منڈی میر عالم۔ بیرنگ روانہ شدہ۔

حررہ انیس عفی اللہ عنہ

(اس لفافے کی عبارت اور ڈاک خانے کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۴ر اپریل ۱۸۷۱ء کو حیدرآباد دکن سے روانہ ہو کر راج گھاٹ بنارس پہنچا)

برادر صاحب عزیز از جان بلکہ بہتر و خوشتر از ہزار جان، سلمہٗ الرحمٰن۔

بعد سلام کہ گلیست از گلشن اسلام و شوق ملاقات مسرت آیات واضح باد کہ یوم مفارقت کہ عید اضحیٰ بود، بعد طے منازل و مراحل بہ حیدرآباد رسیدم تا حسین ساگر کہ چھاونی انگریز بہادر است تہور جنگ بہادر مع عزیزان خود و دیگر امرائے عظام شہر تا آنجا استقبال نمودہ بہ ہزار شوق داخل مکان خود نمودند وانچہ حق مہمان داری ایں جاست دقیقۂ فروگذاشت نہ می کنند۔ تاریخ نوزدہم ایں جاں رسیدہ شب۔ بصحت گذارنیدم۔ صبح تحریک نزلہ و سرفہ شدید لاحق شدہ، شام تپ حار لاحق شد و غنودگی و ربودگی و شداید صداع و تپ۔ شش روز برابر از آب و طعام واقف نہ گردیدم۔ ہر وقت کہ غلہ یا آتش جو یا دیگر اغذیہ رو بہ روی آمد تہوع و استغراق ہلاک می نمود۔ وقتے کہ از بے ہوشی چشم وا می کردم می دیدم کہ میر عسکری گریاں اند۔ تا کجا نویسم کہ ہمیں حال تا روز اول محرم ماند۔ تاریخ اول مجمع مردمان قریب پنج ہزار آدم مجتمع بودند کہ تہور جنگ بہادر من آمدہ گفتند کہ اگر طاقت باشد در مجلس شریک شوند کہ از برکت مجلس تخفیفے حاصل شود۔ از عجب حال زار بہ مجلس رسیدم میر محمد را برائے خواندن گفتم۔ ایشان چند بند خواندہ ختم کردند۔ بہ ہمیں حال برخاستہ بہ منبر رفتہ چند بند آہستہ خواندم۔ فقط تائید سید الشہدا بود، حال مجلس دگرگوں گردید۔ معلوم شد کہ در لکھنؤ می خوانم۔ بعد خواندن تمامی مجلس کہ از امرا و اہل خلاف مملو بود، بر قدم افتادند۔ از آں روز در شدت تپ ہفت

روز برابر خواندہ اندم۔ تمامی حیدرآباد شہر بسیار بزرگ وآبادی ایں جا نہایتے ندارد خدا بہتر می داند۔ لیکن ہر روز از ہفت ہشت ہزار آدم کم نہ بودند۔ وحال مجلس روز نہم چہ نویسم۔ افسوس جائے شما خالی بود۔ ہر روز جہادی نمودم۔ از سہ پہر بازتپ لاحق می شد۔ تمام شب بے ہوش می ماندم۔ وحال نحافت چناں است کہ مشی دو قدم برمن دشوار است۔ بعد محرم نیز صحت کامل نہ دارم، و ہر روز قاصل روانگی ازیں جا ہستم۔ لیکن مردماں نہ می گذارند۔ ومرا ہر ساعت برابر ہزار سال است واز ہمہ بیزارم۔ باعث توقف بناچاری ایں شد کہ مختار الملک بہادر قصد مجلس نمودن میدارند۔ لیکن بہ بسبب ضعف وسرفہ کہ ہنوز شدت دارو انکار مجلس نمودم۔ حالا می گویند کہ از من ملاقات نمودہ بروند۔ بہ جائے خود در باری گویند کہ رفتن ایشاں ازیں شہر قبول ندارم۔ این خبر ہا شنیدہ بر خودمی لرزم کہ حاکم است۔ من بہ سبب زندگی خود از نفع دست برادرم۔ مکرر گفتہ فرستادہ ام کہ من جلد حاضر شدہ در ماہ شعبان ملازمت حاصل خواہم نمود کہ حالا بہ سبب عوارض گوناگوں طاقت نشستن نہ دارم۔ اگر خدانہ می خواہد وسید الشہدا مددی فرمایند جلد روانہ می شوم۔ نزد خود تاریخ بستم قرار دادہ ام۔ آئندہ اختیار خدا است۔ می خواہم کہ زندہ ازیں شہر بیروں شوم۔ در راہ ہر چہ شود بہتر است۔ راہ نیز صعب و دشوار است ومن چناں ناتواں ام کہ بیان آں نمی توانم کہ بکنم۔ تقدیر ہر جا ہم راہ است۔ یک خط شما رسیدہ بود، لیکن معرا از احوال آں جانہ حال مجالس نہ دیر حال نوشتند۔ یک دو خط میر خورشید علی ہم رسیدہ اند۔ من تا حال بہ سبب ضعف کقام خط بہ نام اوشاں نہ نوشتہ ام کہ طاقت نوشتن ہمہ گی حال ندارم۔ دعا نمایند کہ ازیں شہر نجات یا بم وجان خود بہ سلامت برہم۔ (عجب زمین دامن گیرو ہوائے ناقص کہ از پورب بدتر، وغزائے ایں جا بسیار خوب) وقت ملاقات اگر زندہ رسیدم بیان خواہم کرد، باقی ضعف مانع۔ بہ خدمت حکیم میر سید علی صاحب بعد عرض سلام وشوق ملاقات باید گفت کہ کجروی فلک را ملاحظہ فرمایند کہ از کجا تا کجا رسانیدہ در ہلاک شدن بہ ایں غربت ہیچ باقی نہ بود و ہنوز مطمئن نیستم۔ بہ خدمت سید صادق صاحب عرض سلام۔

حررہ انیس عفی اللہ عنہ

"جان عزیز سے بلکہ ہزار جان سے بہتر اور خوشتر برادر صاحب سلمہ الرحمٰن سلام کہ گلشن اسلام کا ایک پھول ہے اور شوق ملاقات مسرت آیات کے بعد واضح ہو کہ میں مفارقت کے دن سے کہ عیدالاضحیٰ تھی، منزلیں اور مرحلے طے کرتا ہوا حیدر آباد پہنچ گیا۔ تہور جنگ بہادر نے اپنے عزیزوں اور شہر کے دوسرے امرائے عظیم کے ساتھ حسین ساگر تک آ کر جو انگریز بہادر کی چھاؤنی ہے، استقبال کیا اور بہ ہزار شوق اپنے مکان میں اتارا۔ اور جو یہاں کی مہمان داری کا حق ہے اس میں ایک دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں۔

انیسویں تاریخ (ذی الحجہ) کو یہاں پہنچ کر رات صحت سے گزاری۔ صبح نزلہ کھانسی ہو کر شام کو تیز بخار چڑھ آیا۔ غنودگی، غفلت، سر درد اور تپ کا وہ زور کہ چھ دن تک کھانے پینے سے واقف نہیں ہوا۔ جیسے ہی شلہ یا آش جو یا دوسرے کھانے سامنے آتے ابکائیاں اور متلیاں مار مار ڈالتی تھیں۔ جب بھی غشی سے آنکھ کھولتا، دیکھتا تھا کہ میر عسکری رو رہے ہیں۔ کہاں تک لکھوں، یہی حال محرم کی پہلی تک رہا۔

پہلی تاریخ پانچ ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ تہور جنگ نے میرے پاس آ کر کہا اگر آپ میں طاقت ہو تو مجلس میں شریک ہو جایئے کہ اس کی برکت سے (مرض میں) تخفیف ہو جائے۔

میں عجب حال زار سے مجلس میں پہنچا۔ میر محمد سے پڑھنے کو کہا۔ وہ چند بند پڑھ کر اتر آئے۔ میں اسی حال میں اٹھا۔ منبر پر جا کر تھوڑے سے بند دھیرے دھیرے پڑھے۔ فقط سید الشہداء کی تائید تھی کہ مجلس کا حال دگرگوں ہو گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ لکھنؤ میں پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ چکا تو ساری مجلس، جو امرا اور اہلِ خلاف سے بھری پڑی تھی میرے قدموں پر گر پڑی۔

اس روز سے سات دن تک برابر تپ کی شدت میں پڑھتا رہا۔ حیدر آباد بہت بڑا شہر ہے اور یہاں آبادی کی انتہا نہیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن کسی دن سات آٹھ ہزار سے کم آدمی نہیں ہوتے تھے اور نویں کی مجلس کا حال تو کیا لکھوں، افسوس تمھاری جگہ خالی تھی۔

روز (پڑھنے کے لیے) جہاد کرتا تھا اور سہ پہر سے پھر بخار چڑھ آیا تھا۔ ساری رات بیہوش پڑا رہتا۔ اور کمزوری کا یہ عالم ہے کہ دو قدم چلنا دشوار ہے۔ (عشرۂ) محرم کے بعد بھی پوری صحت نہیں ہوئی ہے۔

ہر دن یہاں سے روانگی کی ٹھانتا ہوں لیکن لوگ ہیں جانے دیتے ہیں اور مجھ کو ایک ساعت ہزار سال کے برابر ہو رہی ہے۔ ہر رات سے بیزار ہوں۔

یہ ناچاری کا توقف اس سبب سے ہوا ہے کہ مختار الملک بہادر مجلس کرنے کا قصد رکھتے ہیں لیکن میں نے کمزوری اور کھانسی کی وجہ سے، جواب بھی بہت آ رہی ہے، قطعی انکار کر دیا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ملاقات کر کے جایئے اور خود ہی دربار میں یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ان کا اس شہر سے جانا قبول نہیں۔

میں یہ خبریں سن سن کر لرز رہا ہوں کہ وہ حاکم آدمی ہے۔ جان کی خاطر نفعے سے ہاتھ اٹھاتا ہوں، میں نے مکرر کہلا بھیجا ہے کہ جلد حاضر ہو کر شب برات کے مہینے میں ملاقات کروں گا، ابھی تو عوارض گوناگوں کے سبب بیٹھنے تک کی طاقت نہیں ہے۔

خدا نے چاہا اور سید الشہدا نے مدد فرمائی تو جلد روانہ ہوتا ہوں۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ اس شہر سے زندہ نکل جاؤں، راستے میں جو ہو سو ہو۔ راستہ بھی تو بے ڈھب اور کٹھن ہے۔ اور میں اس قدر ناتواں ہو رہا ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا (خیر) تقدیر ہر جگہ ساتھ ہے۔

تمھارا ایک خط پہنچا تھا لیکن وہاں کے حال احوال سے خالی۔ نہ مجلسوں کا حال لکھا نہ دیگر احوال۔ ایک دو خط میر خورشید علی کے بھی پہنچے ہیں۔ میں نے ضعف کے سبب ان کو ابھی

تک کوئی خط نہیں لکھا کہ جملہ احوال لکھنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ دعا کرو کہ یہاں سے چھٹکارا دُں اور اپنی جان سلامت نکال لے جاؤں۔ عجب دامن گیر زمین اور بری ہوا ہے کہ پورب سے بدتر۔ اور کھانے یہاں کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اگر جیتا پہنچ گیا تو ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔ باقی ضعف مانع ہے۔

حکیم میر سید علی صاحب کی خدمت میں سلام اور شوق ملاقات عرض کرنے کے بعد کہنا کہ فلک کی کج روی تو ملاحظہ فرمایئے، کہاں سے کہاں لا پہنچایا۔ اس غریب الوطنی میں ہلاک ہونے میں کچھ باقی نہ رہا تھا اور اب بھی مطمئن تھوڑی ہوں۔ سید صادق صاحب کی خدمت میں عرض سلام۔

حررہ، انیس عفی عنہ

□□□

maablib.org

قبلہ وکعبہ خلوص کیشاں دام ظلکم العالی

زبان این کمہج بیان راچہ یارا کہ مدح این اشعار آبدار نماید۔ الحق کہ دریں جزو زبان طرز اعجاز طرازی وسحر پردازی برذات فیض آیات ختم گردیدہ۔

مو قلم بودہ است گوئی کلک معجز سلک تو

صفحۂ قرطاس را کردی نگارستان چیں

از عین الکمال نگاہ داشتہ سایہ ہما پایہ را بر مفارق خادمان خلوص مبسوط دارادبہ حق محمد و آل الامجاد۔

ا۔ سوانح عمری مفتی میر محمد عباس موسوم بہ تجلیات صفحہ ۱۸۹۔

قبلہ وکعبہ مجسمۂ خلوص۔ آپ کی بزرگواری کا سایہ ہمیشہ قائم رہے۔ اس بے سلیقہ بیان کی زبان کی ہمت کیا کہ ان آبدار شعروں کی مدح کر سکے۔ سچ یہ ہے کہ اس زبان کی معجز بیانی اور جادو نگاری آپ کی فضیلت لبریز ذات پر ختم ہے۔

(شعر) آپ کے معجز بیاں قلم سے جو نظم ہوئی وہ دراصل نقاشی کا مو قلم تھا جس نے سادے کاغذ کو چین کی نقاشی کا نگارستان کردیا۔

خدا نظر بد سے بچائے، آپ کا ہما سایہ خدام خلوص کے سروں پر پھیلا رہے۔ محمدؐ اور مقدس آل محمد کے صدقے میں۔

نوٹ: میر انیسؔ نے یہ خط علامہ مفتی میر محمد عباس شوستری کی مثنوی من وسلویٰ کی رسید اور تعریف میں لکھا۔

ختم شد

□□□

کتابیات

مراثی میر انیس (چھ جلد)	نول کشور، لکھنؤ	نول کشور، لکھنؤ	1885ء
مجموعۂ رباعیات	سید علی حسین	یوسفی پریس دہلی	1901ء
رباعیات انیس	سید محمد حسن بلگرامی	حیدرآباد دکن	1906ء
مراثی انیس	نظامی پریس بدایوں	بدایون	1926ء
انیس الاخلاق	سید محمد عباس	لکھنؤ	1939ء
رباعیات انیس	عمر فیضی	لاہور	1956ء
رباعیات انیس	علی جواد زیدی	سپر پرنٹرز، دہلی	1984ء
رباعیات دبیر	سید تقی عابدی	شاہد پبلی کیشنز، دہلی	2008ء
ماہ نو انیس نمبر	مدیر فضل قدیر	ادارہ مطبوعات، پاکستان	1972ء
آج کل میر انیس نمبر	مہدی عباس حسینی	ڈائریکٹر پبلی کیشنز، پٹیالہ ہاؤس	1975ء
سرفراز لکھنؤ انیس نمبر	مصطفیٰ حسن رضوی	سرفراز قومی گھر، لکھنؤ	1972ء
پیامِ عمل انیس نمبر	سید کوثر حسین	امامیہ مشن پاکستان، لاہور	1973ء
نگار میر انیس نمبر	فرمان فتح پوری	مشہور پریس، کراچی	1971ء
خیابانِ انیس	محمد شمس الدین صدیقی	شاہین برقی پریس، پشاور	1974ء
دبستانِ انیس	دبستان انیس راولپنڈی	نسیم پرنٹنگ پریس، لاہور	1974ء
نقوش میر انیس نمبر	محمد طفیل۔ اکبر حیدری	ادارۂ فروغ اردو، لاہور	1981ء
تجزیہ یادگار انیس	سید تقی عابدی	پرنس آرٹ پرنٹرس، دہلی	2002ء
باقیاتِ انیس	اکبر حیدری	محمدی پبلشرز، لکھنؤ	1979ء
موازنۂ انیس و دبیر	شبلی نعمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، دہلی	1988ء

حالی کی صد سالہ برسی کے موقع پر خصوصی اشاعت

کُلیاتِ حالی

مُصنّف: مولانا الطاف حسین حالیؔ

تحقیق، تدوین و تشریح: ڈاکٹر سید تقی عابدی

مُسدسِ حالی

مع سوانح شخصیت، آرائے اکابرین تشریح و تجزیہ

مُصنّف: مولانا الطاف حسین حالیؔ

تحقیق، تدوین و تشریح: ڈاکٹر سید تقی عابدی

بک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

حالی کی صد سالہ برسی کے موقع پر خصوصی اشاعت

حالی فہمی

سوانح، شخصیت، فن کا تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مطالعہ

مصنف:

ڈاکٹر سید تقی عابدی

ناشر:

بک کارنر

پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز، جہلم، پاکستان

www.bookcorner.com.pk

گلزار کی تخلیقی صنف

تروینی

اُردو کے ممتاز شاعر گلزار نے اُردو شاعری کے گلزار میں ایک نئے پھول "تروینی" کی کیاری سجائی ہے جو اگرچہ ایک خوبصورت تین پنکھڑیوں کا رنگ برنگا پھول ہے مگر اس کی شکل و قامت، ساخت و بافت، خوشبو اور خوش روئی نے اُردو پرستاروں کو گرویدہ بنا لیا ہے۔ اس تخلیقی صنف میں تینوں مصرعے ایک ہی بحر میں ہوتے ہوئے بھی ردیف اور قافیے کی پابندیوں سے آزاد رہتے ہیں۔ یہاں اس سہولت سے مضامین کی کثرت اور جدت اور اساتذہ کے کمال و فن کی ندرت جلوہ گر ہوتی ہے۔ تروینی کے تیسرے مصرعے سے معنی آفرینی، وسعت بیانی اور مضمون میں تبدیلی ہو جاتی ہے، کیوں کہ یہ کمل رائج الوقت اُردو میں جدید مضامین کی نقیب ہے اس لیے یہ ایجاز اور اختصار کی ریاضت کے ساتھ عام فہم اور پُر تاثیر ہے جس کا اثر اور سرور ذہن پر مدتوں چھایا رہتا ہے۔

تشریح و تجزیہ

ڈاکٹر سید تقی عابدی

ناشران:

بک کارنر جہلم پاکستان

www.bookcorner.com.pk

امجد اسلام امجد کے جہانِ شعر کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ

امجد فہمی

ڈاکٹر سید تقی عابدی

امجد اسلام امجد کی زندگی سے جڑی نادر تصویری البم کے ساتھ

ناشران:
بک کارنر
جہلم، پاکستان

madlib.org

خوبصورت اور معیاری کتابیں

داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری
دلی کا ایک یادگار مشاعرہ	مرزا فرحت اللہ بیگ
شرح دیوانِ غالب (اردو)	سید علی حیدر نظم طباطبائی
غالب کے فارسی خطوط (مع اصل پنج آہنگ)	مترجم: ڈاکٹر تنویر احمد علوی
کلامِ میر انیس (روحِ انیس)	سید مسعود حسن ادیب رضوی
موازنۂ انیس و دبیر	علامہ شبلی نعمانی
حالی شناسی (سوانح، شخصیت و فن)	ڈاکٹر سید تقی عابدی
کلیاتِ حالی (مولانا الطاف حسین حالی)	مرتب: ڈاکٹر سید تقی عابدی
مسدسِ حالی (ترجمہ، تشریح و تحقیق)	مولانا الطاف حسین حالی
یگانہ چنگیزی (شخصیت و فن، کلام)	ڈاکٹر فرحت کاکوروی (علیگ)
گلزار (نظمیں، غزلیں، تروینی، گیت)	مرتب: گل شیر بٹ
گر یاد رہے (سوانحی خاکے)	گلزار
تروینی - گلزار (شاعری)	تجزیہ و تشریح: ڈاکٹر سید تقی عابدی
گلزار نامہ (شخصیت و فن، منتخب کلام و افسانے)	تدوین: اقبال نظر، شاہدہ تبسم
گلزار — آواز میں لپٹی خاموشی	گل شیر بٹ
جگجیت سنگھ (غزلیں، نظمیں، گیت)	مرتب: گل شیر بٹ
ابجدِ فیض [illegible]	ڈاکٹر سید تقی عابدی
سچ کی تلاش میں (تنقیدی مضامین)	امجد اسلام امجد
[illegible]	تنویر سپرا
کلیاتِ بیدم وارثی	فقیر بیدم شاہ وارثی
کلیاتِ سید مبارک شاہ	مرتب: سلطان ناصر
شوکت تھانوی کے شاہکار خاکے	مرتب: حکیم اعجاز حسین چانڈی
شاہد احمد دہلوی کے شاہکار خاکے	مرتب: حکیم اعجاز حسین چانڈی
شاعروں ادیبوں کے لطیفے	شاہد حمید

میری آپ بیتی	(خودنوشت)	میر تقی میر
غالب کی آپ بیتی	(خودنوشت)	اسد اللہ خاں غالب
سرگزشت	(خودنوشت)	مولانا عبدالمجید سالک
یادوں کی دنیا	(خودنوشت)	ڈاکٹر یوسف حسین خاں
یادوں کی برات	(خودنوشت)	جوش ملیح آبادی
میں ساحر ہوں	(خودنوشت)	ساحر لدھیانوی
رسیدی ٹکٹ	(خودنوشت)	امرتا پریتم
کاغذی ہے پیرہن	(خودنوشت)	عصمت چغتائی
کچھ اپنا	(خودنوشت)	شوکت تھانوی
مشتاق احمد یوسفی: کچھ یادیں کچھ باتیں		ترتیب و تدوین: امر شاہد
صاحبِ آواز دوست مختار مسعود		ترتیب و تدوین: امر شاہد
نامور ادیبوں کی آپ بیتیاں		مرتب: محمد حامد سراج
مشاہیر علم و دانش کی آپ بیتیاں		مرتب: محمد حامد سراج
بادشاہوں کی آپ بیتیاں		مرتب: محمد حامد سراج
عالمی سب رنگ افسانے		مرتب: محمد حامد سراج
نقش گر (پچیس منتخب افسانے)		محمد حامد سراج
سانس لینے میں درد ہوتا ہے (افسانے)		محمد حمید شاہد
راجندر سنگھ بیدی (منتخب افسانے)		تنقیدی مطالعہ: محمد حمید شاہد
غلام عباس (منتخب افسانے)		تنقیدی مطالعہ: محمد حمید شاہد
منٹو کے منتخب افسانے		مرتب: ندیم احمد ندیم
کرشن چندر کے شاہکار افسانے		مرتب: امر شاہد
عصمت چغتائی کے شاہکار افسانے		مرتب: امر شاہد
امر بیل		عصمت چغتائی
بیگمات کے آنسو		خواجہ حسن نظامی

شوروم: اقبال لائبریری روڈ، بک سٹریٹ، جہلم (پاکستان)

Ph: +92 (544) 614977, 621953 Email: info@bookcorner.com.pk

WhatsApp # 0321-5440882 Facebook: book corner showroom

MAAB 1431
maablib.org



خدائے سخن میر انیسؔ اگر صرف سلام ہی کہتے تو بھی خدائے سخن ہی رہتے۔ جب شفیق باپ خلیقؔ نے ہنرمند بیٹے انیسؔ سے کہا: ''بیٹا! غزل کو سلام کرو'' تو فرماں بردار صاحبزادے نے پھر کبھی غزل کا رخ نہ کیا بلکہ اپنی غزلوں کو تلف بھی کر دیا مگر سلاموں کے اشعار کو تغزل کی عمدہ چاشنی سے پاکیزہ غزل کا نمونہ بنا دیا۔ حضور اکرم ﷺ جو خلقِ عظیم اور رحمتِ عالم کے نیّرِ درخشاں ہیں اور ان کے اہلبیتؑ نے جو انسانی قدروں اور فضیلت و احترامِ آدم کی جلوہ نمائی کی اس کو انیسؔ نے اپنی معجز بیانی سے سلاموں میں مینارِ نور بنا دیا۔ چنانچہ کتابِ اخلاق کا کوئی بھی درس ایسا نہیں جسے انیسؔ نے سلاموں میں بیان نہ کیا ہو۔ اُردو شعر و ادب برصغیر کی مشترکہ تہذیبی رواداری سے جڑا ہوا ہے جس میں انسانیت کی تلاش جاری ہے۔ پاکستان کے سب سے چھوٹے شہر جہلم سے، جو تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے بہت مشہور بھی ہے آج کل اُردو شعر و ادب کی نشریات کا بہت بڑا کام بنام **بک کارنر** انجام پا رہا ہے جس کے جوانوں نے نشری میخانوں کے پیرِ مغاں کو بھی تہی ساغر کر دیا ہے، کیوں کہ ان کے پاس محنت اور خلوص کے ہمراہ اُردو زبان، اس کی تہذیب اور برصغیر کی ملت کے ساتھ محبت سچائی اور خدمت کا جذبہ کارفرما ہے۔ اسی لیے بک کارنر کی پیہم کوشش بقولِ حالیؔ:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

ڈاکٹر سید تقی عابدی

WWW.
BOOK
CORNER
.COM.PK
Pakistan's Biggest Bookstore

ISBN: 978-969-662-202-4
Rs.1200.00

BOOK CORNER
bookcornershowroom
bookcornerjhelum
0314 4440882